غرض سطور بالا سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ما یغنیک فی الصرف اور دوسرے مروّجہ صرفی رسالوں میں کیا فرق ہے میرے نزدیک اگر اور صرفی رسائل بھول بھلیاں ہیں تو ما یغنیک فی الصرف اُن میں سے نکلنے کا رستہ۔

ما یغنیک فی الصرف جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مولٰنا نے اپنے صاحبزادے مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے لیئے مرتب کی تھی۔ جب یہ کتاب امتحان میں پوری اُتری اور اُس سے خاطر خواہ فائدہ ہوا تو اُس کو گورنمنٹ میں پیش کیا تاکہ طلبہ کے عربی کورس میں شامل ہو جائے۔ مصنّف کو انعام ملے اور طالب علم فائدہ اُٹھائیں۔ مگر افسوس نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ اور یہ اس لیئے کہ بدقسمتی سے وہ رسالہ کسی مولوی صاحب کے پنجۂ غضب میں جا پڑا یعنی گورنمنٹ نے ما یغنیک فی الصرف کی نسبت کسی مولوی سے رائے طلب کی۔ مولوی صاحب نے جیسی کچھ اس رسالے کی روئی دھنکی ہو وہ تو کسی کو معلوم نہیں مگر گورنمنٹ نے اس کو یہ کہہ کر واپس دیا کہ عربی خوان طلبہ اپنا پُرانا کورس بدلنا پسند نہیں کرتے۔ سچ ہے لکیر کے فقیر سیدھی اور صاف سڑک کو پسند نہیں کرتے۔ مولٰنا کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ جس کا اظہار اُنھوں نے اِن الفاظ میں کیا وہ "اِس کتاب کو جمع کر کے تو میں عجب پریشانی میں پڑا ہوں۔ چھے برس ہوئے کہ مَیں نے یہ رسالہ اپنے لڑکے کے لیئے لکھّا تھا۔ اُن دنوں مجکو سرکاری انعاموں کی چاٹ لگی ہوئی تھی۔ اِس رسالے کو بھی سرکار میں پیش کیا وہاں سے خالی پیلی شکریہ کے ساتھ بڑی لمبی چوڑی تعریف لکھ آئی۔ مگر مولویوں کے ڈر سے جو اُدبدا کر ہر نئی بات کی مخالفت کیا کرتے ہیں گورنمنٹ نے اس رسالے کے رواج دینے پر جرائت نہ کی۔ گورنمنٹ کے نامنظور کرنے سے دل کچھ ایسا کھٹّا ہوا کہ میں نے بھی پھر کچھ پروا نہ کی۔ لیکن میرا لڑکا بشیر الدین احمد اِس کتاب کو مجھ سے پڑھتا رہا۔ اُس کو اس کے مطالعے نے خاطر خواہ نفع دیا۔"[1]

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جس طرح مولٰنا نے ما یغنیک فی الصرف تالیف فرمائی اسی طرح ما یغنیک فی النحو بھی ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ مگر جب صرف کی طرف سے مایوسی ہوئی تو نحو کی طرف پھر توجّہ نہ فرمائی۔ اور جو کچھ اس کا میٹریل جمع تھا وہ اپنے بڑے بھائی مولوی علی احمد صاحب کو دیدیا۔ جو عربی زبان کے عالم متبحّر اور ادیب بے مثل تھے۔ جناب ممدوح مرحوم نے مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے لیئے توضیح المرام کے نام سے ما یغنیک فی الصرف کے ڈھنگ کی ایک بسیط کتاب نحو میں تصنیف فرمادی۔ افسوس اس کتاب سے بھی مولوی بشیر الدین احمد کے سوا اَور کسی نے ابھی تک فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیوں کہ ابھی تک وہ غیر مطبوعہ ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک مولٰنا کو اس سے بہتر اَور کیا انعام ملتا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے اِنھیں کتابوں سے وہ فائدہ اُٹھایا کہ اُن کو معقول طریقے سے عربی آگئی۔ اور اِنھیں رسالوں کی مدد سے وہ طالب العلمانہ طور پر اچھی خاصی طرح عبارتِ عربی کے پڑھنے پر قادر ہو گئے۔

**مبادی الحکمۃ** غالباً ۱۸۷۱ء میں من جانب گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی (حال صوبۂ متحدہ) ایک اشتہار اس مضمون کا جاری ہوا کہ سرکاری مدارس میں مبتدیوں کے لیئے منطق کے ایک رسالے کی ضرورت ہے۔ یہ اشتہار دیکھ کر ملک کے گیارہ مصنّفین نے قلم اُٹھائے۔ اُن میں ایک ہمارے مولٰنا بھی تھے۔ اُن رسالوں کا حال ہمیں معلوم نہیں جو انتخاب میں نہیں آئے۔ مگر مولٰنا کی کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ممدوح نے انگریزی اور عربی منطق کو سمو کر ایک نئی قسم کا رسالہ

[1] ۲۵- جون ۱۸۷۸ء کو مولٰنا نے یہ رائے ظاہر فرمائی تھی ۱۲

مبادی الحکمۃ تصنیف کرکے گورنمنٹ میں بھیج دیا۔ گورنمنٹ اور اراکینِ گورنمنٹ اور کمیٹی نے پسند کرکے پانسو روپے کا انعام مصنّف کو مرحمت کیا۔ یہ کتاب بنگال یونی ورسٹی نے اپنے ہاں کے کورس میں داخل کرلی۔ غالبًا ابھی تک وہاں یہ کتاب پڑھائی جاتی ہو۔

اِس کتاب پر بھی کمپسن صاحب بہادر اور نواب سر ولیم میور سابق لفٹنٹ گورنر بہادر کے ریویو ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب بہادر لکھتے ہیں۔

"مبادی الحکمۃ جو اِس وقت زیرِ نظر ہو اُن سب کتابوں سے بہتر ہی جو اِس وقت تک میرے پاس آئی ہیں۔ اور توقّع نہیں کہ حال کی ضرورۃ کے لیے مجھے کوئی کتاب اِس سے بہتر ملے۔ اور مجکو اب کچھ ایسی پروا بھی نہیں رہی۔ مصنّف کی لیاقت اِس درجہ کی ہو کہ وہ اِس فن میں کتاب لکھنے پر بخوبی قادر ہی۔ وہ عربی اچّھی طرح جانتا ہو اور انگریزی میں بھی ایسی دست گاہ کافی رکھتا ہو کہ علمی کتابوں کو اُن کی اصلی زبان میں پڑھ سکتا ہو۔ علاوہ بریں اُردو میں اُس کا طرزِ تحریر پاکیزہ ہو اور اُس کے بیان میں اتنا زور ہو کہ لفاظی اور تکریرِ عبارت کے بدون ادائے مطلب کر سکتا ہو۔ اور جس لیاقت و استعداد کے طالب علموں کے لیے اُس نے یہ کتاب لکھی ہو وہ اُن سے ذاتی شناسائی رکھتا ہو۔ کیوں کہ وہ آپ سر رشتۂ تعلیم میں نوکری کر چکا ہو ..... یہ کتاب رفتہ رفتہ ہمارے تحصیلی اور نارمل مدارس میں جاری ہونی چاہیے اور مَیں سفارش کرتا ہوں کہ مصنّف کو پانسو روپے سرکار سے بطورِ انعام عطا کیے جائیں۔"

نواب سر ولیم میور صاحب بہادر اِس کتاب کے متعلّق ڈائرکٹر صاحب موصوف کو لکھتے ہیں۔

"اِس کتاب (مبادی الحکمۃ) کی نسبۃ جو آپ خیال فرماتے ہیں کہ زبانِ اُردو میں منطق کی ایسی ایک کتاب کی بہت ضرورت تھی اور غالب ہو کہ یہ رسالہ بتدیوں کو نافع ہوگا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آپ کی رائے سے متّفق ہیں۔ طرزِ ادائے مطالب سلیس اور معقول معلوم ہوتا ہی۔ اور پانسو روپئے کا انعام بھی مصنّف کی لیاقت سے کچھ زیادہ نہیں۔ اِس ضمن میں ایک بات یہ بھی قابلِ تذکرہ ہو کہ اِس کتاب کی تالیف بے اِس کے تو ہو نہیں سکتی تھی کہ اِس کا مؤلف زبانِ انگریزی سے بخوبی واقف ہو اور فارسی اور عربی میں بھی استعدادِ کامل رکھتا ہو۔ پس مولٰنا نذیر احمد اِسی طرح کے تعلیم یافتہ عالِم کا ایک نمونہ ہو اور جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے نزدیک سر رشتۂ تعلیم کے عمدہ ترین مقاصد میں ایک یہ بھی ہو کہ اِس قسم کے مصنّفوں کا ایک گروہ تیّار کرے جیسا کہ مرأۃ العروس اور مبادی الحکمۃ کا مصنف ہو۔ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر پانسو روپے کا انعام منظور فرماتے ہیں اور آپ کو اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ سر رشتۂ تعلیم کو جس قدر کتابوں کی ضرورت ہو آپ خرید فرمائیں۔"

جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر اور جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر نے مبادی الحکمۃ پر جو ریویو لکھے ہیں وہ اِس قدر کافی ہیں کہ اُن پر اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم مَیں اتنا لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہماری اُردو زبان کو مولٰنا ممدوح کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اِس میں منطق جیسے علم کی ایک ایسی شگفتہ اور سلیس کتاب تصنیف فرمائی۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہو اور خود مولٰنا کی بھی یہی رائے ہو کہ اُردو زبان ابھی اِس کی متحمّل نہیں کہ اُس میں کوئی علمی تصنیف کی جائے۔ لیکن میرے نزدیک مبادی الحکمۃ دیکھ کر لوگوں کو اپنا خیال واپس لے لینا چاہیے۔ کیوں کہ اوّل تو اُردو زبان میں حُسنِ اتّفاق سے اِس قسم

کی قدرت موجود ہو کہ اُس میں ہر طرح کی علمی تصنیف بخوبی ہو سکتی ہو - بشرطے کہ مصنف میں تصنیف کی لیاقت ہو اور وہ اُردو زبان پر ایسی ہی قدرت رکھتا ہو جیسی قدرتِ کاملہ مبادی الحکمۃ کے مصنف کو حاصل ہو -

اِس قسم کی کتاب کی ضرورۃ کو خود مولٰنا نے بھی محسوس کیا تھا اور واقعی اُردو زبان میں منطقی رسائل کی اشد ضرورۃ تھی - چناں چہ ایک جگہ فرماتے ہیں "دو غرض اب وہ وقت آپونہچا اور وہ زمانہ آگیا کہ مشکل سے مشکل مضمون اور پیچیدہ سے پیچیدہ مطلب پر بھی ہم اپنی ہی زبان میں مباحثہ اور مناظرہ کرتے رہیں - پس کیا ایسی حالت میں زبان اُردو منطق کی حاجت مند نہیں - نہیں سخت حاجت مند ہو - دعوے کا اثبات - حق کا مطالبہ - استحقاق کی حفاظت - دلیل کی استواری - مطلب کی تائید - اعتراض کی تردید - الزام کا دفیعہ - فریب کی پردہ دری - مغالطے کا افشا - حتی کہ احقاقِ حق و ابطالِ باطل منطق نہیں تو کچھ بھی نہیں - یہی حاجت دیکھ کر میں نے اِس رسالۂ اُردو میں ضروری مسائلِ علمِ منطق جمع کیے - باتیں وہی ہیں جو قطبی اور اُس سے فروتر کتابوں میں ہیں - طرزِ ادا میرا ہی - اور ایک انگریزی رسالۂ منطق جناب افضل العلما ایم کمپسن صاحب بہادر دام اقبالہم نے عنایت فرمایا تھا کچھ اس سے اخذ کر لیا ہو - یوں عربی اور انگریزی مل کر ایک شانِ خاص پیدا ہو گئی ہو - خدا کرے کہ ناظرین کو پسند اور محمود مند ہو"

**نمونۂ مبادی الحکمۃ**

مولٰنا کی اَور تصانیف کی طرح ہم نے ارادہ کیا کہ اِس کا نمونہ بھی دکھائیں - چناں چہ نمونے کے انتخاب کے لیئے ہم نے دوبارہ مبادی الحکمۃ کو پڑھا - مگر اوّل سے آخر تک ہم کو کوئی مضمون ایسا نہیں ملا کہ جس کے مونہ میں دوسرے مضمون کی دُم نہ دبی ہو - یعنی ایک مضمون کا سلسلہ اور ربط دوسرے مضمون سے نہ ہو - تاہم ہمارا دل نہیں مانتا کہ بغیر اقتباس کے اِس کتاب کو چھوڑ دیں اور وہ صرف اِس لیئے کہ ناظرین کو دکھائیں کہ علمی کتابوں کی تصنیف میں مولٰنا کا قلم کس قدر شگفتہ ہو - چناں چہ مولٰنا حدِ اوسط کی نسبت تحریر فرماتے ہیں -

"حدِّ اوسط کی نسبت تھوڑا سا تذکرہ مزید مناسب معلوم ہوتا ہو - قیاس کے دو مقدموں میں حدِ اوسط کا مکرّر ہونا انتاج[1] کے لیئے شرطِ اعظم ہو - اِس میں کبھی کبھی مغالطہ بھی واقع ہوا کرتا ہو - اور اِس کی وجہ یہ ہوتی ہو کہ بادی النظر میں تو حدِ اوسط مکرّر معلوم ہوتی ہو جو لفظ صُغریٰ میں ہو وہی کُبریٰ میں ہو - مگر ایک میں اُس لفظ کے حقیقی معنے مراد ہوتے ہیں دوسرے میں مجازی یا ایک میں لغوی دوسرے میں منقول - یا یہ کہ وہ لفظ مشترک ہو ایک میں کچھ دوسرے میں کچھ - مقولاتِ شعراء تمام تر اِسی طرح کے مغالطات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں - مثلاً ؎

مکن در خانہ سازی طول اندک عرض من بشنو
کہ این را قصرے نا مند باید مختصر کردن

کہ شاعر اپنے مخاطب کو تقلیلِ عمارت کی رائے دیتا ہو اور اُس کی دلیل یہ بیان کرتا ہو کہ یہ قصر ہو اور جتنے قصر ہیں اُن کو اختصار لازم - نتیجہ یہ ہو کہ اِس عمارت کو اختصار لازم ہو - یہاں لفظِ قصر منشاءِ مغالطہ ہو - کہ اُس کے معنے لغوی بے شک کم کرنے کے ہیں - مسافر کا قصر - صلوٰۃ کا قصر - بالوں کا قصر - بلکہ قصور بمعنے خطا سب اِسی مادے سے ہیں لیکن قصر کے دوسرے

[1] انتاج بمعنے نتیجہ دینا ۱۲

معنے حویلی اور محل کے بھی ہیں۔ پس لفظِ قصر مشترک ہوا۔ صغریٰ میں ایک معنے مراد لیئے اور کبریٰ میں دوسرے۔ یا مثلاً ؎

گر آب کے پھرے شیخ جی کعبے کے سفر سے
تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

پھرنا مراجعت اور واپس آنا۔ ایک معنی تو یہ ہیں۔ اور ایک چیز سے بدعقیدہ ہونا دوسرے معنی یہ ہیں اور اللہ کے گھر سے پھرنا مہلکے سے نجات پاکر سلامت نکل آنا تیسرے معنی یہ ہیں۔ یا مثلاً ؎

ہوس میں کعبے کے کیوں شیخ بت خانے سے گمرہ ہی
یہاں تو کوئی صورت بھی ہی واں اللہ ہی اللہ ہی

اللہ ہی اللہ ہی۔ دو محاوروں میں مستعمل ہوتا ہی۔ یا یہ کہ سوائے خدا کے اَور کچھ نہیں۔ دوسرا یہ کہ کچھ بھی نہیں"

**موعظۂ حسنہ** یہ کوئی کتاب نہیں بلکہ مولنٰا کے خطوط ہیں جو ۱۸۸۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے ہم کو مولوی سید عبد الغفور صاحب شہباز مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہیئے کہ اُن کی وجہ سے یہ خطوط کتاب کی صورت میں آگئے ایک زمانے میں مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والدِ بزرگ وار سے الگ دہلی میں رہا کرتے تھے۔ مرحوم شہباز مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے بڑے دوست تھے مولنٰا جو مراسلت کرتے تھے۔ میاں بشیر اُس کو جمع کرتے جاتے تھے اتفاق سے مرحوم شہباز اپنے دوست سے دہلی ملنے گئے۔ وہاں دونوں کی صلاح سے یہ بات ٹھیری کہ کیا اچھا ہو کہ یہ خطوط ایک کتاب کی صورت میں چھپوا دئے جائیں چناں چہ ذاتی اور نج کی باتیں نکال کر یہ خطوط ایک کتاب کے پیرایہ میں شائع کیئے گئے۔ اور اِس طرح اِن خطوط کے مجموعے سے ہمارے مولنٰا کی تصانیف میں ایک بہتر اضافہ ہو گیا شہباز مرحوم موعظۂ حسنہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سے میری ذاتی شناسائی مطلق نہیں مگر جس تفصیل سے مَیں اُن کو جانتا ہوں اُن کے دوست آشنا تو خیر اُن کے قریب کے رشتہ دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے۔ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً[1] اس کا سبب یہ ہی کہ مجھ کو الولد سرٌ لابیہ[2] ۔ چھوٹے سکیل کے مولوی نذیر احمد یعنی اُن کے فرزندِ یگانہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے ساتھ اِس درجے کی مخالطت رہی ہی کہ ہم دونوں ایک روح دو قالب تھے اور اب سوءِ اتفاق سے مخالطت نہیں ہی تو مستقل اور متواتر مراسلت ہی ایسی کہ المکتوب نصف الملاقات کے حساب سے اب بھی ہم دونوں کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں مَیں نے جناب مولوی نذیر احمد صاحب کی تمام مصنّفات کو بالاستیعاب دیکھا ہی نہ ایک دفعہ بلکہ بار بار ع ہی المسک ما کررتہ یتضوّع[3] ۔ جب کہ جناب مولوی نذیر احمد صاحب کے مصنّفات . . . گورنمنٹ نے منظور کر کے اُن کو ہزار ہا روپے انعام کے دیئے ہوں۔ جب کہ جناب مولوی نذیر احمد صاحب کے مصنّفات اِس درجہ مقبولِ خلائق ہوں کہ وار نہیں آنے پاتا اور ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ بعض کتابوں کی قریب قریب لاکھ جلدیں چھپ چکی ہیں جب کہ جناب مولوی نذیر احمد صاحب

[1] اگر حجاب اُٹھا دیا جائے جب بھی یقین میں کچھ افزائش نہ ہو۔ یعنی یقین مرتبۂ کمال کو پہونچ گیا۔ یہ قول ہی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا کمالِ عرفان میں

[2] بیٹا اپنے باپ کا بھید ہی یعنی مظہرِ صفاتِ باطنی [3] یہ مشک ہیں جتنی دفعہ مکرر مسہ کر دیکھو خوشبو پھوٹتی جاتی ہی ۱۲۔

کے مصنفات - بھاکا - مرہٹی - گجراتی - بنگالی - کشمیری - اور سب سے بڑھ کر انگریزی میں ترجمہ ہو گئے ہوں اور جب کہ اُن کی
ایک کتاب توبۃ النصوح داخلِ امتحان سول سروس ہو - و کفیٰ بہٖ فخراً یعنی جب کہ مولوی نذیر احمد صاحب کی اعلیٰ لیاقت اور
پاکیزگی تحریر اور راستی خیالات پر جمِ غفیر نے اجماع کر لیا ہو تو میں اپنی رائے کا اظہار کرنا تحصیل حاصل بلکہ ایک طرح کی شوخی سمجھتا ہوں
.... سارے دکن میں ایک نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم خود مروتِ مجسم و مردم شناس تھے اُن کا یہ حال تھا کہ جناب مولوی
مہدی علی صاحب کے نام جو خطوط مولانا کے جاتے بالالتزام اُن کو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے اور حسنِ تحریر کی داد دیتے - خیر
نواب سر سالار جنگ بہادر کو تو مولانا کے دماغ پر رشک[1] تھا مجھ کو اُن کی تحریرات سے عشق ہے - جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب
کی کتابیں - ہندو - مسلمان - عیسائی - یہودی - پارسی - ہر قوم و ملت کے لوگوں نے پڑھی ہوں گی مگر یہ میرا ہی حصہ تھا کہ
مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والد کے خطوط مجھ کو دکھایا کرتے تھے اور میں اُن کو نقل کر لیتا خطوط میں اکثر خانگی
حالات تھے اور بہت میں مباحثِ علمی جو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سبقاً سبقاً لکھ کر بھیجتے تھے - حذف و اسقاط
ضروری کے بعد جو کچھ بچا وہ یہ کتاب ہے جو پیش کشِ ناظرین کی جاتی ہے - اس کے چھپوانے سے لوگوں کو یہ دکھلانا منظور ہے
کہ ایک لائق باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح پر تعلیم و تربیت کرتا ہے - شغف تو اس درجے کا ہے - کہ سوتے جاگتے سفر میں
حضر میں - فرصت میں اشتغال میں ہر حال میں بیٹے کا تصور نصب العین ہے گویا دنیا عبارت ہے اسی ایک وجود سے مگر تعلیم میں
بھی اس بلا کا اہتمام ہے کہ علم ایک لقمہ ہو تو کھلا دیں یا تعویذ ہو تو گھول کر پلا دیں - میں ناظرینِ کتاب کو جناب مولوی نذیر احمد
خاں صاحب کا نمونہ دکھلا کر اولاً نفسِ تعلیم اور ثانیاً اُس خاص طرح کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کا زمانہ حال
مقتضی ہے - مقصدِ اصلی تو یہ ہے اور اگر کوئی طرزِ تحریر اور طریقۂ ادائے مطلب سے استفادہ کرے تو نور و علیٰ نور - غرہ جنوری ۱۹۸۷ء
اس کتاب پر دی آنریبل نواب سید محمد خاں بہادر انسپکٹر جنرل رجسٹریشن صوبہ بنگال نے بھی قابلِ ذکر ریویو کیا ہے مگر بخوفِ
طوالت اُسے نظر انداز کیا گیا - البتہ شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کا ریویو مختصر ہونے کی وجہ سے
ذیل میں درج کیا جاتا ہے -

"اُس کتاب کو جو ابھی چھپ کر مشتہر ہوئی ہے میں نے دیکھا ہندوستان کے خاندانوں اور اُن کے نوجوانوں کی سقیم
حالت دیکھ کر ایسی تصنیفات کا پھیلانا جزو مصلحت ہے - اس لیئے قلم آزاد پر واجب ہوا کہ اپنا فرض ادا کرے - یہ ایک
فاضل سن رسیدہ مصنف کے خط ہیں جس نے کاروبارِ زمانہ کو ہر حال میں دیکھا اور سمجھ کر دیکھا - برتا اور سمجھ کر برتا - اِن میں عبارت
آرائی یا ترتیبِ انشاء کے لیئے فرضی مطالب کو فقروں میں نہیں ڈھالا - اصلی خط ہیں کہ پیارے باپ نے پیارے فرزند کو سچی ضرورتوں
اور واقعی مواقع پر بے تکلف عبارت میں کھلے دل سے تحریر کیئے ہیں جو کہ وقت بہ وقت اور روز بروز حالتِ عنفوان میں
ہر ایک شریف خاندان کو پیش آتے ہیں - اِس واسطے نوخیز جوانوں کے لیئے نسخہ ہے - تقویتِ دماغ - پرورشِ عقل اور ورزشِ
فکر کا -"

فاضل مصنف عالم تجربہ کار طبیب ورزمانہ کا عمدہ نبض شناس ہے - دیکھتا ہوں کہ جس طرح نو رفتار بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا

[1] ایک مرتبہ سر سالار جنگ نے فرمایا تھا کہ "مجھکو ساری عمر میں اگر رشک ہوا ہے تو مولوی نذیر احمد کے دماغ پر"

سکھاتے ہیں وہ اپنے نوفہم ناز پروردہ کو مسافتِ فکری میں چلنا سکھا رہا ہی - اس میں قدم قدم پر کہیں روکتا ہی مگر حکمتِ علی کے ساتھ کہیں بڑھاتا ہی مگر ذوق وشوق بڑھا کر - کہیں ہٹاتا ہی مگر خوش نما مصلحت دکھا کر اور بچّے کو نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی عامل مجھ پر میری خواہش بلحالتِ موجودہ کے مخالف عمل چاہتا ہی - یہ ہدایتیں زیادہ تعلیم طریقِ تعلیم - سلسلۂ تعلیم - انضباتِ اوقات اور کہیں کہیں مسائلِ علمی پر بھی مشتمل ہیں - اکثر اعمال واطوار اخلاق پر موثر ہیں - اکثر تدبیر المنزل یعنی گھر والوں کے لیے یا گھر کے کاروبار میں انتظام اور اصلاحیں ہیں - انھیں معمولی لوگوں کی طرح دلیلیں لکھ کر ثابت نہیں کیا - فقط طرزِ بیان اور اندازِ ادا دلوں سے تسلیم اور قبول حاصل کرے گا"

نوجوان لڑکے یا بصیرت طلب انسان کو راہِ زندگی میں بہت نشیب وفراز پیش آتے ہیں اور سوچتا رہ جاتا ہی کہ کیا کرے کہیں پھیر کھاتا ہی اور کہیں ٹھوکر کھاتا ہی - یہ مجموعہ اُسے مواقعِ مذکورہ سے ہاتھ پکڑ کر نکال لے جائے گا - اللہ اللہ ایک دن وہ تھا کہ آزاد - بہ مقتضائے سنّ خود ایسے رہ نما کا محتاج تھا - آج سب منزلیں طے ہو گئیں لیکن پھر محتاج کا محتاج ہے

| | |
|---|---|
| دریں تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمی خوانم + | نہ دانم کہ سبق آموز خواہم شد بہ دیوانش + |

## دیگر

| | |
|---|---|
| پڑھتا ہوں ایک مطلع و مقطع میں حسبِ حال + | دیکھے تماشے میں نے جو ملکِ وجود کے + |
| اک دن وہ تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے | پھر یہ ہوا گزرنے لگی کھیل کود کے + |
| اب حال یہ ہی عالمِ پیری میں اے ظفر + | باقی نہیں حواس بھی گفت وشنود کے + |

جامع خطوط نے نظم میں ایک بے نظیر اور جامع تقریظ لکھی ہی - ہم بہ طور یادگار وہ نظم یہاں نقل کرتے ہیں ہمارے نزدیک موعظۂ حسنہ وہ ایک قیمتی آئینہ ہی جس میں اس کے خال وخط صاف صاف نظر آتے ہیں -

| | |
|---|---|
| ہو جو تصنیف تو ایسی ہو کہ اِک دُھوم ہی آج + | ہی سرِ لوح پہ شہرت کا چمکتا ہوا تاج + |
| نہیں یہ لوح فصاحت کا ہی چینی ارژنگ | نہیں یہ لوح بلاغت کا ہی رومی دیباج |
| کیوں نہ ہو اُس کے یہ خط ہیں جسے فرہنگِ فرنگ | کیوں نہو - اُس کے یہ خط ہیں جسے ہی ملک کی لاج |
| اُس کے خط ہیں جسے معلوم علوم اور فنون + | اُس کے خط ہیں جسے محفوظ رسوم اور رواج |
| اُس کے خط ہیں جسے مشرق میں ہی مغرب کی سمجھ | اُس کے خط ہیں جسے دہلی میں ہی لندن کا مزاج |
| اُس کے خط ہیں جو ہی امراضِ دماغی کا طبیب | اُس کے خط ہیں جسے معلوم ہی خاطر کا علاج |
| اُس کے خط ہیں جسے ہی کشورِ شُہرۃ میں عروج | اُس کے خط ہیں جسے ہی عالمِ تصنیف میں راج |
| اُس کے خط ہیں جو ہی اقلیمِ معانی کا امیر | اُس کے خط ہیں جسے دیتا ہی سخن باج وخراج |
| اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے سخن کے خواہاں | اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے قلم کے محتاج |
| اُس کے ہیں خط ہی زباں جس کی بلاغت معجز | اُس کے ہیں خط ہی جسے عقل کی حاصل معراج |
| اُس کے خط ہیں جسے تالیف ہی خرما وثواب + | اُس کے خط ہیں جسے تصنیف ہی اک پنتھ دوکاج |

اُس کے ہیں خط کہ جو ہی بہرِ ذکی دودھ میں کھانڈ
اُس کے ہیں خط کہ جو ہی بہرِ غبی کوڑھ میں کھاج

اُس کے خط ہیں ہی اثر جس کو کبوتر کی جگھ
وہ کبوتر ہی فصاحت جسے شہپر کی جگھ

ہیں یہ خط اُس کے بھلے کو جو ہی پروردہ ناز +
باپ کا لختِ جگر - نورِ نظر - عمر دراز +

دانش آموز تھا جب مدرسۂ دہلی میں +
شفقت تھی اُسے لکھتی یہ خطِ روح نواز

جب کہ بہکاتی تھی ناتجربہ کاری اُس کو +
تجربہ بڑھ کے بتاتا تھا نشیب اور فراز

ہارتی تھی کبھی ہمت جو طبیعت اُس کی
کرتی تنبیہ تھی دروازۂ ناکامی باز + +

کبھی انداز سے پڑتا تھا قدم گر باہم
ادب آتا تھا بتانے اُسے حسنِ انداز +

جھکتا اسفل کی طرف تھا جو کبھی مرغِ نظر
عرشِ اعلیٰ کی سُجھاتا تھا خرد کا شہباز +

ساحل حلم پہ ہوتی تھی اگر تشنہ لبی + +
گھول کر خضر پلا جاتے تھے اِک دفترِ راز +

کبھی شوق اُس کا بڑھا دیتا تھا ذوقِ تسوید
کبھی ذوق اُس کو بنا دیتا تھا انشا پرداز +

کبھی تھی باغِ مضامیں میں اُسے نزہتِ فارس
کبھی تھی بیتِ معانی میں اُسے سیرِ حجاز

کبھی تدبیرِ دنیا کی وہ ہوتا مصروف
کبھی تعبیر کو عقبےٰ کی وہ کرتا آغاز +

کبھی لندن میں وہ کرتا تھا خیالی گل گشت +
کبھی دہلی میں وہ کرتا تھا خیالِ شیراز

کبھی آزادی سے ادیان پہ دیتا تھا وہ رائے +
کبھی دین داری سے مسجد میں وہ پڑھتا تھا نماز

الغرض اُس میں بدولت انھیں مکتوبوں کی +
آگئیں آن میں ساری صفتیں خوبوں کی +

جانتے ہیں اُسے جو لوگ کہ ہیں رمز شناس
نہیں مکتوب یہ ہی دفترِ تعلیمِ اساس

اِس کی تعلیم ہی تعلیمِ اتالیقِ شفیق + +
اِس کی تادیب ادب آموزیوں میں فرسٹ کلاس

اِس کے پڑھ لینے سے جاتی ہی نہیں علم کی بھوک
اِس کے سن لینے سے بجھتی ہی نہیں علم کی پیاس

نہ ہو نزدیک تو کچھ دور نہیں عمر کی قدر +
پاس یہ ہو تو بس آسان ہی اوقات کا پاس

یہ بڑھائے تو ہمیشہ رہے بڑھتا ہوا دل +
یہ بندھائے تو ہمیشہ رہے بندھتی ہوئی آس

ہی کبھی اجر کی تحریص سے تلقینِ شکیب
کبھی تشویق زیادت سے ہی تعلیم سپاس

اِس سے عادات کی اصلاح ہی بے عدد شمار
اِس سے اخلاق کی تہذیب ہی بے حد و قیاس

اِس سے ناداں میں حکیموں کی ہی پیدا خو بو +
اِس سے انساں میں فرشتوں کی ہی ظاہر بُو باس

یہ وہ ہی نخل عسل ریز ہی ناچیز درخت
یہ وہ آہو ہی کہ ہی مشک فشاں سوکھی گھاس

نہیں حکمت پہ یہ ہی موجبِ تصحیحِ نظر
نہیں منطق پہ یہ ہی باعثِ اصلاحِ قیاس

جب کیا ہی کبھی تلخیِ نصیحت نے ترش +
اس کی جتنی ہی نصیحۃ وہ ہی مصری کی ڈلی +

گھول دی ہی وہیں شوخیِ عبارت نے مٹھاس
اس کی جتنی ہی نصیحت وہ ہی شربت کا گلاس

پند ہی ایک بھرے اس میں مزے قند کے ہیں
لطف ہر پند میں لقمان کے صد پند کے ہیں

ہی یہی نامۂ و پیغامِ نصیحت فرجام
ضبطِ خوبی سے اسی میں ہیں اصولِ ترغیب +
کہیں بدشوقوں سے یہ یاد کراتی ہی سبق
سنگ ریزوں سے مٹاتی ہی کہیں یہ لکنت
کہیں کرتی ہی گھڑی بن کے یہ حفظِ اوقات
کہیں گفتار کی تلقین میں ہی بلبلِ باغ
کبھی ہی مشغلۂ صرف میں یہ مایننیک[2] +
کبھی ہی دفتر انگریزی میں یہ حیلۂ رزق +
آئے جب ذکرِ حدِ علم سر[4] آئزک نیوٹن +
ہی بیاہوں کے لیئے یہ کہیں شادی کا نباہ
کبھی تقدیر سے دیتی ہی یہ تدبیر کو زک +
اس کو فرصت میں بھی ہر لمحہ خیالِ اشغال

ہی یہی موعظۂ موردِ تحسینِ انام + +
شوق افزائی میں ہر جا ہی اسی کو ابرام +
بدزبانوں کے کبھی مونھ میں یہ دیتی ہی لگام
لاتی پوڈر[1] سے کہیں ہی یہ شفا کا پیغام +
بن کے عینک یہ دکھاتی ہی کہیں چرخ کا بام
کہیں رفتار کی تعلیم میں ہی کبکِ خرام +
کبھی ہی مرحلۂ نحو میں توضیح[3] مرام + +
کبھی ہی عسکرِ تازی میں شعارِ اسلام +
لائیں جب اگلے زمانے کے صحف ابن سلام[5]
بن بیاہوں کے لیئے ہی کہیں شادی کا پیام
کبھی تدبیر سے لیتی ہی یہ تقدیر کا کام +
اس کو محنت میں بھی ہر لحظہ لحاظِ آرام +

حرکت میں ہی سکوں گہ یہ سکوں میں حرکت
گہ سکوں میں ہی سکوں گہ حرکت میں برکت

اب ہم موعظۂ حسنہ میں سے دو چار خط نقل کر کے دکھاتے ہیں تاکہ ناظرین کو اِس امر کا اندازہ ہو کہ ایک لائق باپ اپنے بیٹے کو دُور بیٹھے بیٹھے صرف مراسلت کے ذریعے سے کیوں کر اعلیٰ درجے کی تعلیم دے سکتا ہی مولٰنا نذیر احمد صاحب اعظم گڑھ میں ہیں اور ہمارے دوست مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلی کے مدرسے میں طالب علم باپ نے اپنے بیٹے کو جو خط لکھا ہی وہ اِس طرح شروع کیا ہی۔

ف۱ گوا پوڈر کی طرف اشارہ ہی جس کا بعض مکتوب میں ذکر ہی ۱۲

ف۲ مایغنیک فی الصرف سے مراد ہی ۱۲

ف۳ توضیح المرام مولوی علی احمد صاحب برادر مولٰنا نذیر احمد صاحب جس کا ذکر ہو چکا ہی ۱۲

ف۴ انگلستان کے ایک مشہور متبحر حکیم کا نام ۱۲

ف۵ عبد اللہ بن سلام سے عبارت ہی جو یہود کے بڑے عالم تھے اور مشرف باسلام ہوئے ۱۲ -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## خط نمبر ۱

نورِ چشما مدّ عمرہ[1] وآتاہ اللہ نصیباً وافراً وحظاً متکاثراً من العلوم الجدیدۃ[2] المفیدۃ +

خدا کا شکر ہے کہ میں بدھ کے دن ۵۔ جنوری کو مغرب سے پہلے اپنے مقام پر پہنچ گیا[3]۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ تم وہیں رہ گئے تو عملے اور نوکر اور پیادے اور مذکوری سب کے سب افسردہ خاطر ہوئے۔ تم سے لوگ بہت مانوس تھے اور تمہارے ساتھ نہ رہنے سے لشکر[4] سونا[5] معلوم ہوتا ہے۔ جب غیروں کا یہ حال ہو تو میرے دل کی کیفیت کا خدا کو علم ہے۔ میں نے نہایت مجبور ہو کر تم کو جدا کیا ہے اِس واسطے کہ وقت[6] نکلا جاتا تھا اور تمہاری انگریزی بدون مدرسے کے درست نہیں ہو سکتی تھی۔ خداوند کریم تمہارا حافظ اور نگہبان ہے۔

بشیر! خدا کے لیے اب پورا پورا شوق کرو۔ دو تین برس کی محنت ہے۔ بڑا مرحلہ[7] انٹرنس[8] کا ہے۔ اگر تم اس میں کامیاب ہوئے تو یہ کامیابی اگلے امتحانوں میں تمہاری مددگار ہوگی علم تو سب طرح کے ہیں اور طالب علم کو لازم ہے کہ سب کی طرف برابر توجہ کرے لیکن سب پر مقدم ادب[9] ہے جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں یعنی زباں دانی۔ کمال زباں دانی یہ ہے کہ تم کو اہلِ زبان کی سی قدرت حاصل ہو اُس کی تدبیر یہ ہے کہ زباں دانوں کی عبارتیں یاد ہوں جس طرح کے خیال اور مضمون کو جس پیرائے میں اہلِ زبان نے ادا کیا ہے اُس کی تقلید[10] اور اُس کی نقل کرنی چاہیے۔ غرض زباں دانی کے لیے یادداشت شرط ہے۔ محاورات اور امثال[11] وحکایات اور لُغت[12] اور صِلوں کا استعمال جن کو تم پریپوزِشن کہتے ہو سب پیش نظر رہیں۔ جس تحقیق سے تم مجھ سے عربی پڑھتے تھے کہ ہر ہر لفظ کا مادّہ[13] اور مأخذ[14] اور صیغہ اور ترکیب[15] کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی تھی یہی تحقیق فارسی اور انگریزی کل زبانوں میں ہے۔ جب کسی کتاب کا سبق لے کر بیٹھو لفظ لفظ پر نظر کرتے جاؤ۔ جب اس انضباط سے دو چار کتابیں نکلیں اچھی خاصی استعداد ہو جائے گی۔ زمانِ طالب العلمی میں ادبِ عربی کے متعلق

[1] اُس کی عمر دراز ہو اور خدا اُس کو مفید نئے علوم سے ایک بہت بڑا حصہ عنایت فرمائے۔ ضمیرِ غائب سے مخاطب مراد ہے [2] علوم جدیدہ سے ریاضی کے تمام شعبے ہندسہ۔ جرِ ثقیل انجینرنگ اور علم کیمیا اور علمِ فلاحت اور علمِ طبیعات اور علمِ طبقات الارض اور علمِ مناظرہ اور علمِ مائعات اور علمِ مقناطیس اور علمِ قوتِ برقی وغیرہا مراد ہیں جو یورپ میں پورے طور پر پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اور یورپ کی تمام ترقی اور تہذیب و خوش حالی اور ہنرمندی اور صناعی اور ایجاد حتی السلطنۃ ان علوم کی وجہ سے ہے ان کو جدید اِس سے کہا جاتا ہے کہ بعض شعبے ڈیڑھ دو سو برس کے اندر اندر ابتداً اہلِ یورپ نے دریافت کیے یا دریافت نہیں کیے تو اُن میں اس قدر ترقی کی اور کر رہے ہیں کہ گویا علومِ جدید ہیں۔ خط ۹۵ میں بھی علومِ جدیدہ سے بحث کی گئی ہے۔ جن کو خدا نے معاش کی عقلِ سلیم دی ہے وہ علومِ جدید کے ایسے قدرشناس ہیں کہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے خدا سے اِن کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں آمین۔ اور خدا دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسی توفیق دے تاکہ مسلمانوں سے نکبتِ افلاس دور ہو [3] مولوی نذیر احمد خاں صاحب ہمیشہ بیٹے کو ساتھ رکھتے تھے اور خود پڑھاتے تھے اب بڑے دن کی چھٹی میں دو دن رہ کر پسر بیٹے کو لے جا کر دہلی کے مدرسے میں داخل کرا آئے [4] جو لوگ کسی حاکم کے ساتھ دورے میں ہوں عملہ نوکر چاکر حشم و خدم اہلِ مقدمات سب کے مجموعے کو لشکر سے تعبیر کیا جاتا ہے [5] بواوِ معروف اُداس [6] یعنی تحصیلِ علم کا وقت [7] بڑی بھاری منزل [8] انٹرنس یعنی داخلہ کا امتحان جس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی یہ امتحان دینے سے زمرۂ طلبگارانِ علم میں داخل ہو جاتا ہے نہ گروہِ علما میں [9] ادب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آدابِ مجلس میں سے ادبِ اعظم گویائی ہے [10] پے روی [11] کہاوتیں [12] حروفِ روابط [13] جہاں سے کوئی لفظ نکلا ہو جیسے مصدر [14] یہ صرف ہے [15] یہ نحو سے متعلق ہے۔

مجھ کو دیوانِ متنبی - سبعۂ معلقہ - تاریخ یمینی کے اکثر حصے اور مقاماتِ حریری کے متعدد مقامے اور دیوانِ حماسہ کے بیشتر مقامات اور قرآن کی بہت سورتیں یاد تھیں - خلاصہ یہ ہی کہ ہر زبان میں اہلِ زبان کی بولی سند ہی - جس کو جتنا یاد تھی قدر علمِ ادب میں اُس کی استعداد سوائے زبان دانی دوسرا کوئی علم نہیں جس میں آدمی ساری عمر مشغول رہے - اسی سبب سے ادب کی بڑی قدر ہی - اگر ادب اچھا ہی تو ممتحن دوسرے علوم کی خامی سے بھی درگزر کر جاتے ہیں - پچھلے سال ہائی کورٹ کے امتحان میں ایک بنگالی اول رہا - اگرچہ اُس کے قانونی جواب سنا ہی کہ بہت عمدہ نہ تھے مگر وہ تقریراً تحریراً انگریزی کا بڑا ادیب تھا +

زبان دانی کی استعداد بے شک کتابوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہی مگر اہلِ زبان سے گفت وگو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہی اسی واسطے میں نے تم کو مدرسے میں چھوڑا ہی - جہاں تک ہو سکے بُری بھلی - غلط صحیح - ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی چاہیئے - تمھاری جماعۃ میں شاید اکثر کو انگریزی بولنے کی مہارۃ نہ ہو تو تم اونچی کلاس کے لڑکوں سے تعارف پیدا کرو اور ہر روز تین چار گھنٹے انگریزی میں بات چیت کرو تاکہ جھجک اور رکاوٹ دور ہو - تمھارے ماسٹر ہندوستانی یا انگریز جو ہوں اُن سے اُردو میں ایک لفظ مت کہو - لیسن صاحب کی میم سے تجدید تعارف کرو غرض جو ذریعہ انگریزی گفت وگو کا ہو حاصل کرو - انگریزی بول چال کے اعتبار سے اوّل یوروپین لیڈی پھر یوروپین جنٹلمین - پھر یورشین لیڈی - پھر یورشین جنٹلمین - پھر سب سے آخر میں آخور کی بھرتی ایرے غیرے پنج کلیان بنگالی بابو اور تمام انگریزی داں نیٹو بشیر! - انگریزی گفت وگو کی ضرورۃ اس وجہ کی ہی کہ میں اُس کے ظاہر کرنے کے لیئے الفاظ نہیں پاتا - تم سمجھو کہ تمھارے کالج میں داخل ہونے سے مقصودِ اصلی یہی ہی اور بس - اگر تم کو انگریزی میں گفت وگو اور اُس کا بے تکلف لکھنا آجائے تو تم گھر بیٹھے ایم - اے تک کا امتحان دے سکتے ہو +-

انگریزی مسودہ ہر روز لکھنا چاہیئے - مجھ کو ہمیشہ انگریزی میں خط لکھو اور چوں کہ راز کی باتیں نہیں ہوتیں کسی ماسٹر یا کسی اونچی کلاس کے لڑکے یا کسی متعارف سے اُس کو درست کرا لیا کرو - ایک کتاب انگریزی کمپوزیشن کی بنا لو جس میں اپنا کمپوزیشن تاریخ وار لکھ کر اُس میں سُرخی سے اصلاح لے لیا کرو اور اصلاح کو بہ نظرِ غور دیکھ کر یاد رکھو کہ پھر ویسی غلطی نہ ہو +-

میں نے سُنا ہی کہ تمھارے مدرسے میں ... ماسٹر ہیں اور وہ انگریزی کے بڑے ادیب ہیں - اُن سے تعارف پیدا کرو - ادب اور انکسار کافی ذریعہ لوگوں سے تعارف پیدا کرنے کا ہی - اگرچہ تم ابھی اجنبی ہو لیکن جب لوگ دیکھیں گے کہ تم پڑھنے کا شوق رکھتے ہو - امتحان

---

[۱] عدالتِ عالیہ جس سے اونچی ہندوستان میں کوئی عدالۃ نہیں [۲] جماعۃ [۳] اُستاد [۴] لیسن صاحب ۱۸۵۷ء کے غدر میں علاقۂ پرسٹ کے عہدہ دار تھے غالباً اسسٹنٹ سرول ان کی میم غدر سے چند روز پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے دہلی آئیں اور گھر گئیں مولوی نذیر احمد صاحب اور ان کی سسرال کے لوگوں نے ان میم صاحب کو بے سابقۂ معرفۃ اپنے گھر میں پناہ دی اور عین شورش غدر میں انگریزی کیمپ میں پونہچا دیا سرکار نے اِس خیر خواہی کی بڑی تحسین اور قدر دانی کی تو مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کو لکھتے ہیں کہ اِن میم صاحب کے ساتھ تمھاری اگلی جان پہچان ہی اس کو تازہ کرو تاکہ تم کو انگریزی بولنے کا موقع ملے مسٹر لیسن اور ان کی میم دونوں میاں بی بی ہنوز زندہ ہیں [۵] ولایۃ زا میم [۶] ہندوستان زا صاحب [۷] ہندوستان زا میم [۸] ہندوستان زا صاحب [۹] مال روی - [۱۰] ایکے ڈھکے جیسے زبان فارسی میں فلاں بہمان [۱۱] اصل میں وہ گھوڑا جس کے چاروں ہاتھ پاؤں اور ماتھا سفید ہوں جس کو عربی میں اغر محجل کہتے ہیں یہاں مراد ہی ہر قسم کے لوگ جن میں کسی طرح کی تحقیق نہیں جیسے پنج کلیاں گھوڑے میں سفیدی کے لیئے کسی عضو کی تخصیص نہیں کہ ہاتھ پاؤں ماتھا سبھی جگہ سفیدی موجود ہی [۱۲] ہندوستانی دیسی [۱۳] اعلیٰ درجے کا مدرسہ جس میں غالباً بی - اے - اور ام - اے - اور بی ایل کے درجوں تک پڑھائی ہوتی ہی [۱۴] تسوید - مسودہ - عبارت نویسی [۱۵] یہاں ادب سے اپنے بڑے کی تعظیم مراد ہی ۱۲

تمہارے اچھے ہوتے ہیں اور اُستادوں کا ادب تم کو ملحوظ رہتا ہی۔ کسی سے لڑتے بھڑتے جھگڑتے نہیں۔ اور نالائق لڑکوں سے الگ تھلگ رہتے ہو تو ماسٹر لوگ خود بہ خود تم پر مہربانی کرنے لگیں گے +

تم کو شروع سے اخیر تک کوئی سکنڈ لینگویج اختیار کرنی پڑے گی۔ یعنی انگریزی کے علاوہ دوسری زبان عربی یا سنسکرت یا فارسی۔ سو فارسی کلاسکل نہیں ہی۔ چار و ناچار عربی لینی ہوگی اور تم کو عربی میں آتا درک ہی اگر تھوڑی توجہ جاری رکھو تو کافی ہی ورنہ چند روز میں جو کچھ پڑھا ہی سب جاتا رہے گا۔ عربی ہمارا شعارِ قومی ہی میرے نزدیک ہر مسلمان پر عربی کا سیکھنا فرض ہی۔ اگر تمھاری کلاس میں فارسی کا کورس ہی وہ بھی کام کی چیز ہی کیوں کہ تم فارسی مطلق نہیں جانتے۔ اُس کو بھی پڑھو لیکن عربی سے غفلت مت کرو عربی عمدہ چیز ہی اور اُس کا پڑھنا بہت ہی نافع ہی۔ فارسی کورس کو بھی بہ نظرِ تحقیق پڑھنا چاہیئے۔ ہر ہر لفظ میں بال کی کھال نکال لیا کرو۔ مادّہ اور صیغہ اور ترکیب اور معنی اور مطلب۔

روز کا کام روز کرنا ضرور ہی۔ جو سبق پڑھا اچھّی طرح اُس کو سمجھ کر قابو میں کر لیا۔ غافل لڑکے سبق جمع کرتے جاتے ہیں اور امتحان کے زمانے میں انبارِ مصیبت ہو جاتا ہی۔ ایک نقشہ اس طرح کا بنا لو اور اُس کو خوش خط لکھ کر اپنی میز کے سامنے لگا دو۔ اِس سے تم کو معلوم رہے گا کہ کس وقت کیا کرنا ہی +

| دن کا نام | پہلا گھنٹہ | دوسرا گھنٹہ | تیسرا گھنٹہ |
|---|---|---|---|
| شنبہ | عربی | اقلیدس | فارسی |
| یک شنبہ | جبر و مقابلہ | حساب | ادبِ انگریزی |

مدرسے کے خالی گھنٹے اور فرصت کے اوقات انگریزی گفت و گو میں صرف کرو۔ تفریح کی تفریح اور فائدے کا فائدہ۔ اسی طرح اپنے باہر کے اوقات منضبط کر لو کہ فلاں وقت یہ کام کریں گے اور جب اپنے کُل اوقات منضبط کر چکو مجھ کو بھی اطلاع دو۔ اِس انتظام میں اِس کا بڑا خیال رکھو کہ طبیعت پر اتنا بوجھ نہ پڑنے پائے کہ گھبرا جائے جب تک خوش دلی ہی سب کام اچھا ہوتا ہی۔ بے دلی پیدا ہوئی اور کام بگڑا +۔

... کے ذریعے سے ... ملو۔ یہ ... کے بیٹے ہیں اور اف۔ اے کا امتحان دے چکے ہیں۔ اُن سے ملنا تم کو ضرور فائدہ دے گا۔ اِسی طرح تعارف بڑھاتے جاؤ لیکن عمدہ لوگوں سے۔ ایک بدوضعی تمام لیا قت اور تمام آب رو کو ضائع کرتی ہی۔ عادۃً کا اختیار کرنا آسان ہی مگر اختیار کرنے کے بعد چھوڑنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہی +

[1] اعلیٰ درجے کی زبان [2] شِعار اصل میں وہ کپڑا جو بدن سے لگا لپٹا رہی مراد وہ چیز جو کسی قوم کے ساتھ خاص ہو جیسے لباسِ انگریزی انگریزوں کے ساتھ یا اللل ہیند نے دار ٹوپی ترکوں کے ساتھ [3] نصاب [4] مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو ابتدا سے عربی شروع کرادی تھی۔ بس اِس سے ایک بڑی عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہی کہ لوگ اُدبدا کر پہلے فارسی پڑھاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بدون فارسی کے عربی نہیں آسکتی۔ ہمارے ملک میں پہلے فارسی سیکھنا صرف اس سبب سے لابد ہو رہا ہی کہ صَرف و نحوِ عربی کی ابتدائی کتابیں زبانِ فارسی میں ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے صَرف و نحوِ عربی کو اُردو کیا اور بیٹے کو اُردو پڑھا کر ایک دم سے عربی پر لگا دیا اگر عموماً مسلمان تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کریں تو نہایت مفید ہو کیونکہ فارسی زبان کا سیکھنا اب چنداں ضروری نہیں رہا اور عربی کلاسکل ہونے کے علاوہ مذہباً مسلمانوں کو سیکھنی ضرور ہی بس فارسی دانی کے انتظار میں بچّوں کو عربی سے محروم رکھنا بڑی غلطی ہی!

اپنی حالتِ ظاہری کو اپنی وقعت کے مطابق رکھو۔ میرا روپیہ جہاں تک تمہاری آسایش جائز میں صرف ہو ان شاء اللہ مجھ کو دریغ نہیں مگر فقط تم کو نام و نمود کا آدمی کرے تو میرا روپیہ اچھے ٹھکانے نہیں لگا۔ مجھ کو ایسے خرچ[1] میں ہمیشہ خوشی ہے۔ تم اپنی والدہ سے بے تکلف خرچ لو اُن کے پاس نہ ہو تو مجھ سے مانگنے میں بھی تامّل مت کرو +

تمہاری سب چیزیں ایک جا کر کے پرسوں یا اترسوں ان شاء اللہ نگسر[2] بھیجوں گا اور کوشش کروں گا کہ تم کو اسباب جلد ملے بشیرا۔ کتابیں تمہارے پاس بہت ہیں مگر سب رکھنے کو ہیں اگر اِن کتابوں پر نظرِ محققانہ ہو تو آدمی عالم ہو جائے۔ اب لِلّٰہ توجہ کرو اور مجھ کو ناامیدی کی مصیبت میں مت ڈالو۔ اُقلیدس کے دعوے یاد کر چلو۔ رفتہ رفتہ خیال پر چڑھ جائے گا کہ فلاں مقالے کی فلاں شکل کا کیا دعوے ہے۔ دوسرا مقالہ اگر تم چھوڑ دوگے بھول جائے گا اور اب اُقلیدس کو بہ مددِ کتاب سمجھنا چاہیئے۔ جب دو مقالے اِس طور پر سمجھ لوگے اپنی استعداد ہو جائے گی کہ باقی کتاب خود نکال لوگے۔ اُقلیدس کے نئے دعوے بہت ضرور ہیں۔ ہمیشہ امتحان میں کوئی نہ کوئی نیا دعویٰ ضرور ہوتا ہے +

اِس کو پیش نظر رکھو کہ تم کو اِسی سال دوسرے کلاس میں ترقی کر کے جانا ہے۔ اور امتحان سالانہ وہیں دینا ہے پس وہاں کا کورس ابھی سے رفتہ رفتہ اپنے بس میں لانا چاہیئے تم مجھ سے وقتاً فوقتاً ہر بات اور ہر مسئلہ پوچھتے رہو۔ جہاں تک ممکن ہوگا میں یہیں سے تم کو سمجھا دوں گا +

بشیرا اگر تم علی گڑھ جاتے تو تم کو شاید بڑی وحشت ہوتی لیکن اگر معلوم ہو کہ تم دہلی میں فائدۂ علمی حاصل نہیں کر سکتے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اب تم کو اپنا انتظام خود کرنا پڑیگا اِس کو سمجھ لو کہ لوگوں پر ہمارے حقوق کچھ نہیں اور ایسے نفوسِ قدسی جو دوسروں کو بے وجہ منفعت پونہچائیں کم ہیں پس اگر کوئی بے اعتنائی کرے تو افسردہ خاطر نہ ہونا چاہیئے خوش آمد اور ملن ساری سے اپنا کام نکالنا ہوگا۔ تمہارے پاس گرامر[3] ہے اِس کو یاد کر چلو غرض وقت سے جہاں تک ممکن ہو فائدہ اُٹھاؤ۔ اپنے حالاتِ جزو کل سے ہمیشہ مطّلع رکھو۔ والدعا ر ۵۔ جنوری ۱۸۷۶ء مقام تحصیل نگرا۔

## خط نمبر ۲۴

بیوی صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو یہ بھی ایک دنیا کا دستور قرار پا گیا ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاتا ہے لوگ اُس کی ماتم پرسی کیا کرتے ہیں۔ میں تم کو یہ خط اُس دستور کے مطابق نہیں لکھتا کیونکہ مصیبت تنہا تم پر نہیں مجھ پر بھی ہے۔ میاں بی بی کا عجب رشتہ ہے کہ مرد و عورت نکاح کے ہو جانے سے دنیا کی سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کسی اَور رشتے میں نہیں پائی جاتی۔ میرا تمہارا مال مشترک۔ گھر مشترک۔ کھانا پینا مشترک اولاد مشترک۔ آبرو مشترک۔ خوشی مشترک رنج و غم مشترک۔ اگر وہ لڑکی جیتی تو کیا تمہاری اکیلی کی بیٹی ہوتی۔ نہیں میری تمہاری دونوں کی۔ پس اب اگر مر گئی تو کیا تمہاری اکیلی

---

[1] یعنی اچھے کام میں خرچ ہوا + [2] گو حقیقت میں یہ لفظ جیم عربی سے ہے مقابلِ دخل لیکن فارسی اور اُردو کے روزمرے میں جیم فارسی سے مروّج ہے اور یہی زیادہ فصیح ہے [3] ضلع غازی پور میں ریل کا مشہور سٹیشن ہے گھوڑوں کی خرید و فروخت کا بڑا بھاری میلہ لگتا ہے [4] مولوی بشیر الدین احمد کے پاس اپنے والد کے بہت سے خطوط ہیں جن میں علمی مباحث ہیں یہ تمام خطوط بڑی قدر کی چیز ہیں مگر چونکہ ہر شخص ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا تھا میں نے ایسے خطوط سب نکال ڈالے صرف نمونے کے طور پر آسان آسان ایک دو خط رہنے دیئے [5] قواعدِ زبان یعنی صرف و نحو +

کی بیٹی مری - نہیں - میری تمہاری دونوں کی - پھر بھی میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اُس سے بڑا قوی تعلق تھا - لیکن روحانی تعلق کی وجہ سے شاید جس دن وہ مری ہی میرا دل خود بہ خود بے قرار تھا اور میں نے اُسی گھبراہٹ میں میاں بشیر کو خط بھی لکھا تاریخ ملا کر دیکھو - غالب ہی کہ خط کی تاریخ اور اُس کے مرنے کی تاریخ ایک ہوگی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ظہیر - نصیر وغیرہ کے مرنے سے یہ تو بہ خوبی تجربہ کر چکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا - رہا رنج وہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہی - میں تم پر الزام نہیں لگاتا اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ نصیر کو کس قدر پیار کرتا تھا - اُس کی قبر میری آنکھوں کے سامنے ہی اور میں سوتا بھی ہوں - ہنستا بولتا بھی ہوں - دُنیا کا کوئی کام مجھ سے نہیں چھوٹا - تو جب ظہیر - نصیر کے رنج کو ہم نے چند سال میں بُھلا دیا تو یہ لڑکی بے چاری کے دن کی تھی - آخر پھر دنیا اور دنیا کے کام - کتابوں میں بہت ٹھیک لکھا ہی کہ دانا اور احمق صبر دونوں کرتے ہیں مگر فرق اتنا ہوتا ہی کہ احمق رو دھو کر چپ کرتا ہی اور دانا شروع سے خدا پر نظر کر کے چُپ ہو رہتا ہی - غرض صبر تو آخر کرنا پڑے گا - پس کیا فائدہ کہ اپنا ثواب ضائع کریں - دل کو مضبوط کر آنسو پونچھ سنبھل بیٹھو - خدا ہمارا مالک ہی - اُس نے دیا - اُس نے لیا - خدا کو ہم سے عداوۃ نہیں بیر نہیں - جو کچھ کرتا ہی ہمارے نفع کے لئے کرتا ہی - لیکن اپنی کم فہمی کی وجہ سے ہم اُن مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں - دنیا کے انتظام پر نظر کرو تو تن درستی - مال - اولاد - حکومت - شرافت - دین داری ہزاروں طرح کی نعمتیں ہیں اور یہ نعمتیں خداوند کریم نے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کی ہیں فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ - ہم کو بھی اُس نے اپنی رحمتوں میں سے بہت بڑا حصہ عطا فرمایا ہی تو کیا ہم ٹھیکہ دار ہیں کہ خدا کی سب نعمتیں اپنے گھر میں گھسیٹ کر بھر لیں - اور پھر اولاد سے بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہی ہم محروم نہیں - اِن کی عمروں میں خدا برکت دے - اِن کو دین و دنیا کی فلاح ہو - کافی ہیں - اب زیادہ اولاد لے کر کیا کرو گی اِن ہی پر اپنی محبت صرف کرو - اِن کے حق میں خدا سے دعائیں مانگو - اور مصیبت پر صبر کرو کہ خدا کی مرضی شاید عاقبت میں اِن ہی مصیبتوں کے طفیل سے ہم پر رحم ہو - کسی اُستاد کا کیا اچھا قطعہ ہی [۱]

| | |
|---|---|
| قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے + | جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا + |
| بُلبُل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا | غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا + |

ای خدا ہم کو صبر جمیل کی توفیق دے - آمین - آدمی کو چاہیے کہ جب اُس پر کوئی مصیبت نازل ہو دوسرے بندگانِ خدا کے حال پر نظر کرے اور وہ پائے گا کہ ہزاروں آدمی اُس سے بد تر حالۃ میں مبتلا ہیں - تم گھر کے گھر میں بے چاری ... کو دیکھو - بڑی ناشکری کی بات ہی کہ ہم نوکروں احسان اور چھکڑوں سلوک بھول جائیں اور تنکے بھر رنج کی برداشت نہ کریں بشیر بچہ ہی - تم کو روتے دیکھ کر سہا جاتا ہوگا - اُس کے حال پر رحم کرو - اپنے حال پر رحم کرو کہ کیا تمہاری حالۃ ہو گئی ہی آخر یہ کالبد خاکی سدِّ سکندر تو نہیں ہی - اِسی طرح رنجوں کے مارے اس کو تحلیل کر ڈالو گی تو کیا انجام ہوگا + ۴ - جون ۱۸۷۶ء

## خط نمبر ۲۹

آج میں ... صاحب کے یہاں بیٹھا تھا - کیا دیکھا کہ ... اور ... مولوی صاحب سے سبق پڑھتے اور ہر وقت اُن کو ... صاحب اپنے رُوبہ رُو بٹھا کر یاد کراتے - دانا احمق [۲] نما اگر نہ دیکھا ہو تو ... صاحب کو دیکھو کہ اُس شخص کا قیافہ اور گفت و گو خالی

[۱] ایک سے ایک کو بڑھ کر بنایا ہی + [۲] یعنی ظاہر میں دیکھو تو معلوم ہو کہ احمق ہی مگر حقیقۃ میں بڑا سیانا ۱۲ -

از سفاہتہ[1] و سادہ لوحی نہیں - لیکن اپنے معاملات کو یہ شخص بڑے انہماک[2] اور اہتمام سے انجام دیتا ہی - رعایا سے تعلقہ کو حسنِ تدبیر سے ایسا سر کیا کہ آج وہ علاقہ شَل زَد ہو رہا ہی - اب اِن بچّوں کی تعلیم میں اِس بلا کی آمادگی اور تن دہی ہی کہ اگر اُس کی کیفیت واقعی لکھی جائے تو مبالغہ معلوم ہو - وہیں بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ یہ شخص تین بیٹے رکھتا ہی اور جائداد وافر و مستمر[3] کا مالک ہی - اگر اِس کے لڑکے نہ بھی پڑھیں تاہم کم سے کم ہر متنفس سو سو روپیہ ماہوار آمدنی رکھّے گا - میرا کیا حال ہی کہ ایک بیٹا اور پیشہ نوکری اور علم میراث خاندانی - تو جب . . . صاحب کو اپنے بچّوں کی تعلیم میں یہ سرگرمی ہی مجھ کو اُس سے ہزار چند ہونی چاہیئے - لیکن میں یہاں تم وہاں دُور بیٹھے کیا کر سکتا ہوں - سوائے اِس کے کہ خطوط کے ذریعے سے تاکید کیا کروں - لیکن پھر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آدمی کے دل کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہی - انسان کا بدن قید کیا جا سکتا - اُس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے - کان میں روئی ٹھونس سکتے - مُنہ پر مُہر لگا سکتے - پر دل کو قابو میں نہیں لا سکتے - پس نہ میں تم پر جبر کرتا نہ تاکید بلکہ بہ عجز و الحاح تم سے عرض کرتا ہوں کہ بشیر خدا کے لیے لیاقت پیدا کرو - میں ایسا احمق[1] نہیں ہوں کہ تم سے توقعات پیدا کر لوں - جب تک تم کو لیاقت حاصل ہو اور اُس لیاقت پر کوئی فائدہ مترتب ہو ضرور نہیں کہ میں جیتا رہوں - میرے باپ نے میرے پڑھانے میں بڑی جانفشانی کی تھی لیکن افسوس کہ وہ مرحوم و مغفور تغمّدہ اللّٰہ باحسانہ و اسکنہ بحبوحۃ جنانہ دنیا سے ناکام گئے - میرے ڈپٹی کلکٹر ہونے سے اُن کو مطلق نفع نہیں پونہچا - پس اُن کی محنت کا نفع نہ اُن کو ملا بلکہ مجھ کو اور تمھاری ماں بہنوں کو اور تم کو اور دوسرے اعزہ و اقارب کو - جو معاملہ میرے والد اور میرے ساتھ ہوا کیا میرے اور تمھارے ساتھ ہونا ناممکن ہی اِس سے قطع نظر خدا نے مجھ کو ایسی حالت میں رکھا ہی کہ اگر اِس کو ثبات ہو تو شاید تا دمِ مرگ مجھ کو ضرورت نہ ہو گی کہ تم کو تکلیف دوں - پس ایسی حالت میں میرا تم پر بار بار موکّد ہونا بہ خدا صرف تمھارے ذاتی نفع کے لیے ہی جس کو میں اقتضائے شفقتِ پدری اپنے ذاتی نفع پر مقدم رکھتا ہوں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند +
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را + ؎

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر + ہر آں چہ ناصحِ مشفق بگویدت بپذیر +

مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم کو سود و زیاں کا تفرقہ - نیک و بد کا امتیاز نہیں - لیکن اتنا کہوں گا - کہ تم کو بے قراری[2] کا شوق نہیں - یہ اگر ہو تو پھر وہی تمھارا اُستاد ہی وہی تمھارا ساز و سامان - آدمی خود ایجاد کرتا ہی کہ کیا کروں کیوں کر کروں تشنگی[3] از دیِ مد را دانو تشن - پس تشنگی پیدا کرو اور وہ نہیں ہی مگر طلبِ صادق جیسے زور کی بھوک - تڑاقے کی پیاس - یہ تصور کہ شاید عربی میں تم کو بہتر پڑھاتا مجھ کو اکثر ایذا دیا کرتا ہی لیکن وہی شوق ہو تو ہر اُستاد باپ سے بڑھ کر کام دے ؎

شوق در ہر دل کہ باشد رہ برے در کار نیست

اِس کہنے سے کیا فائدہ ہو گا کہ تم فلاں چیز فلاں شخص سے پڑھو - خلاصہ یہ ہی کہ اپنے وقت سے پورا پورا فائدہ لو - تم بھی نہیں کہہ سکتے کہ

[1] حمق - نادانی [2] ہر وقت ایک کام کے پیچھے پڑے رہنا [3] جس کو ہمیشہ کے لیے قیام ہو [4] خدا اُن کو اپنے احسان سے ڈھانپے اور اپنی جنتوں کے بیچوں بیچ بسائے ۱۲

[5] یعنی حاجت سے سب باتیں پیدا ہوتی ہیں [6] حاجۃ - ضرورۃ -

یہ فراغ جو تم کو ماشاء اللہ اب میسّر ہے کب تک رہے گا - پس اَن سَرٹنٹی[۵۱] کی صورۃ میں صرف اِس قدر تعطّل[۵۲] جائز ہے جو حفظِ صحت کے لیئے ضروری ہے - مَیں کیا صرف تاکید کرنے پر قانع ہوں - میرا دل کم بخت کب صبر کرتا ہے - میں تمھارے فائدے کے لیئے پس انداز بھی کرتا جاتا ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ علم سے بڑھ کر دولۃ نہیں - اور اگر دولتِ علم پر میرا دہ اختیار رہوتا جو روپے پر ہے تو بشرطِ بسم خدا کی قسم مَیں تم کو زبان تک نہ ہلانے دیتا - افسوس اِسی کا ہے کہ دولتِ علم بے اپنی محنتہ کے جمع ہو نہیں سکتی - خدا اِس کا گواہ ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا[۵۳] کہ مَیں تم سے روپے کو دریغ نہیں کرتا - اگر تم فیسِ مدرسہ کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدۂ علمی حاصل کر سکو مَیں بہ طیبِ خاطر اُس خرچ کو گوارا کروں گا چاہے وہ کتاب کے دام ہوں یا معلّم کی اجرۃ - الغرض مَیں تمھاری تعلیم میں ہر طرح کی کوشش مالی و دماغی و جسمانی و روحانی کرنے کو موجود تھا اور ہوں اور رہوں گا گو تم نے اب تک کامل شوق نہیں کیا لیکن پھر بھی مجھ کو تم سے اُمید ہے اور مَیں باور کرتا ہوں کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور شوق کروگے کیوں کہ خدا نے تم کو سمجھ اچھی دی ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ[۵۴] - اگر مَیں تم کو نام ور اور کامیاب زندگانی میں چھوڑ کر دنیا سے اُٹھ جاؤں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بڑے اطمینان سے جاؤں گا رَبِّ[۵۵] قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ❖

۱۹ جون ۱۸۷۶ء

## خط نمبر ۳۴

میاں بشیر تمھاری انگریزی نہ میرے پاس ہے اِس واسطے کہ میں نے دیکھنے کا قصد بھی نہیں کیا اور دیکھتا تو کیا دیکھتا - اگر تم سوچ کر لکھو اور پڑھنے میں طرزِ ادا اور محاورات کا لحاظ کر لیا کرو تو شاید میرے برابر لکھ سکو - اور نہ وہ انگریزی ... کے پاس ہے کیوں کہ اُن کو اتنا دماغ کہاں - البتہ ... بمددِ گرامر اُس میں اصلاح دے رہے ہیں - کیا تم کو اِس لڑکے کی افتادِ مزاج معلوم نہیں ایک دو برس کے بعد وہ متقدمین پر بھی ضرور جرح[۵۶] کرے گا ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد
میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد ❖ ❖

مولوی .... کو تو کنایۃً میاں جی بد استعداد کہنے لگا - تم کو نہ وہ پہلے کچھ سمجھتا تھا نہ اب سمجھتا ہے اور اِس کا سبب خود اُسی کی جہالت اور نادانی ہے - پس تم ایسے احمقوں سے کیا معارضہ کرتے ہو کَلِّمُوا[۵۷] النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ تم کو خدا نے اُس پر اور ایسے ہزاروں پر برتری دی ہے - وَالْحَمْدُ[۵۸] لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا فَخْرَ تم اپنی حالۃ کا موازنہ اپنے ابنائے جنس میں کرو - .... اپنے فخرِ خاندان ہیں مگر اُس خاندان کو علم و فضل سے کیا مناسبۃ - فارسی کو تو اُس نے مدّۃ ہوئی طاقِ بلند پر رکھ دیا بدیں عبارۃ موت کر چھوڑا ہے عربی میں ہر روز مولوی صاحب سے تو تو میں میں ہوا کرتی ہے - انگریزی کا حال مجھ کو معلوم نہیں - کسی سے کہتا تھا کہ گرامر ڈپٹی صاحب

---

۵۱ تذبذب - عدمِ تیقّن ۵۲ بے کاری ۵۳ اور خدا کی گواہی بس ہے ۵۴ اور یہ خدا کی دین ہے جس پر چاہے فضل کرے ۵۵ خدایا تو نے مجھ کو ملک دیا (یعنی حکومت) اور باتوں کی تاویل کا سلیقہ سکھایا - اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی آخرۃ میں میرا حامی و مددگار ہے - اُٹھا مجھ کو مسلمان اور ملا مجھ کو نکوکاروں سے ۵۶ اعتراض ۵۷ لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو ۱۲

۵۸ اور اس پر خدا کی ستایش ہے نہ نازش ۱۲ -

نہیں جانتے۔ لُنْدَن میں سنے کئی پوچھے اُن کو نہیں آئے۔ پھر نہیں معلوم انگریزی کیا جانتے ہیں۔ یہ اس کا کہنا حق تھا مگر وہ حق جس کو اَلْحَقُّ مُرٌّ کہا ہی۔ . . . کے مزاج میں ابھی کچھ سلامت روی ہی مگر عارضی ع عصمتِ بی بی ست از بے چادری + تم کو کوئی ضرورۃ اِن لوگوں سے بگاڑ کرنے کی نہیں ہی۔ میں بھی اِن لوگوں سے تفریحًا ملتا ہوں تم بھی ایسا ہی تعلّق رکھو۔ دل خوش کُن دو چار باتیں کہیں سُنیں الگ ہو گئے۔ غلطیاں جو تم نے گرفت کیں سب درست ہیں اور بہت غلطیاں تم نے نظر انداز کیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| | خط لکھا ایسا کہ سر تا پا غلط + | | خود غلط اِملا غلط انشا غلط + + |

ایک جگہ تم نے زبانِ مقطوع البیان کو زبانِ مقطوع اللسان سمجھ کر لتاڑ کی ہو زبانِ مقطوع اللسان یا لسانِ مقطوع اللسان بے شک مہمل ہی۔ مقطوع البیان بھی عبارۃ اچھی نہیں۔ قاصر البیان چاہیئے۔ لیکن کیا . . . نے یہ لفظ اپنی طبیعۃ سے ایجاد کیا ضرور کسی انشا سے لیا ہو گا عجمیوں نے عربی کی ایسی بہت سی مٹی پلید کی ہی۔ کاش اسی کاوش سے انگریزی پر نظر ہو اور اسے کاش یہی کاوش چند سے عربی میں چلی جائے۔ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○

ایک محقق کا مقولہ ہی کہ انگریزی دو قسم کی ہی کتابی اور روزمرّہ (کرنٹ انگلش) کہتے ہیں کہ روزمرّے کے واسطے اور توغّلِ تحریر زیادہ ہونے کے واسطے اور معلومات عامّہ کے واسطے مطالعۂ اخبارِ انگریزی ضرور ہی۔ تم کسی سوسائٹی یا کلب میں جایا کرو یا خود کوئی عمدہ اخبار لیا کرو + بشیر! پڑہنے کے سامنے خرچ کو نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اگر خدا برکۃ دے تو یہ خرچ ایسا ہی کہ چند روز میں اضعافًا مضاعفہ اس سے حاصل ہو گا۔ پس یہ خرچ تجارۃ رابحہ ہی

تم نے خط میں ذرا لکھ کر زرا بنایا۔ اصل میں ذرّہ عربی ہی۔ ذرّات جمع۔ تصرفاتِ عجم سے مخفّف ہو گیا تو کتابۃً ذرا درست فقط

## خط نمبر ۳۵

میاں بشیر! مولوی . . . صاحب تمھارا اسباب لے گئے ہیں۔ تم اپنی ضرورۃ کی چیزوں سے مطّلع رکھو کتاب وغیرہ جو کچھ درکار ہو لکھو بھیجو۔ میں روانہ کر دوں گا۔ تم جو چاہو فرمائش کرو میری صرف یہی ایک فرمائش ہی کہ تم پڑھو ○

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند<br>ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار + | | تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری +<br>شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری + |

تم نے آخر اپنا فارسی خط تو درست کیا کہ ہاتھ سنبھال کر لکھتے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہی۔ ذرا سا لحاظ قاعدوں کا کرو کہ کس طرح حروف کو ترکیب دیں تو اور عمدگی پیدا ہو لیکن انگریزی خط کو تم نے بیٹھ بھر کر بگڑنے دیا۔ خوش خطی کوئی کمال نہیں مگر ہنر ہی اور شروع میں تھوڑا سا اہتمام کرنے سے آدمی خوش خط ہو جاتا ہی اور جب ہاتھ نے ایک روش اختیار کر لی تو گھسیٹ میں بھی وہی شان باقی رہتی ہی۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں ہنرِ خوشخطی نہیں ہی تو کیا ضرور ہی کہ تم میرے معائب و نقائص

---

لے سچی بات کڑوی ہوتی ہی ۱۲

لے جو کچھ خدا نے چاہا۔ اور قوۃ نہیں ہی مگر خدا کی مدد سے اور کافر قریب ہی کہ تجھ کو وعظ سنتے وقت اپنی نظروں سے گا دیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہی۔ یہ آیۃ دفعِ نظر کے لیئے پڑھتے ہیں سے مجلس لے انجمن ۵ چند در چند لے پُر منفعت تجارۃ +

کی تقلید کرو خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ مگر مجھ میں کوئی صفت ہی خدا تم میں وہ صفت علیٰ وجہ الکمال پیدا کرے میرے عیوب سے خدا تم کو بچائے آمین - ذرا انگریزی خط پر توجہ کرو - اگر قلم دوات کاغذ علیٰ وفق المراد نہیں یہ چند پیسوں کی چیز ہی اور ہنر اگر ہاتھ میں آگیا تو دولتِ لازوال گو تم کو اپنی والدہ سے عارضی ناخوشی ہو لیکن بشیر تم کو خدا نے عقل دی ہی تم اُن کی پوری اطاعت کرو - ماں میں نمونہ شفقتِ الٰہی کا ہی اور ماں باپ کے جو حقوق شارع نے قرار دیئے ہیں وہ حقیقت میں تلافی ہی اُن احسانوں کی جو ماں باپ اپنی اولاد پر کرتے ہیں - ہو سکتا ہی کہ تمھاری والدہ کبھی تم سے بے سبب ناخوش ہوں لیکن ؎

آن را کہ بجائے تست ہر دم کرمے ✤ عُذرش بنہ ار کند بہ عمرے ستمے ✤

۲ - جولائی ۱۸۷۶ء

## خط نمبر ۴۵

| | علی الولد البرّ الرشید بشیر | | سَلَامٌ کَعَوْدِ الھند او کعبیر[1] | |
|---|---|---|---|---|

امّا بعد فقد ابطأ علیّ کتابک - فما جوابک - واما الاعتذار بالصوم - فلا یعصمک من اللوم - لانہ وان اخلّ بہ الاوقات - لکنّہ یزید فی الفراغ ویطیل الساعات - سیّما النھار فان لہ طولاً لا یکاد یزول ولو وافقہ الشتاء من بین الفصول - فلا اقل من رقعۃ مرفوعۃ - مرۃ او مرتین فی کل اسبوعۃ واما ارسال الحکایات اللقمانیۃ الی راجہ شیو پرشاد فلا بدّ لی من الاطلاع علیہ - قبل ان یاتینی غریم الطلب من لدیہ - ونحن ان شاء اللہ بعد شھرنا ھذا الراحلون الی سکندرپور وللہ عاقبۃ الامور - والسنۃ کما تعلمون لم یبق منھا الا شھران - فاستعدّ والامتحان - ولنعم ما قیل - وقد جری بہ التمثیل - عند الامتحان - یکرم الرجل او یھان - فیا خیبۃ من نسی ما فی الکتاب - ولم یحس الجواب - فضل وذلّ - وصغر فی اعین الناس وقلّ وانا ارجو زیارتکم فی زمان التعطیل - واللہ حسبی ونعم الوکیل - ھذا - ونحن بفضل اللہ فی اطیب حال - وعیش عن المکروھات خال - ونظن بکم کذلک - ھداکم اللہ اقوم المسالک - والسلام - وعلیہ ختم الکلام

[1] صالح اور شایستہ لڑکے بشیر کو عود ہندا ور عبیر کا سا سلام - اِس کے بعد معلوم ہو کہ تمھارے خط کے آنے میں دیر ہوئی - اِس دیر کا کیا جواب رکھتے ہو اگر روزوں کا عذر ہو تو یہ الزام سے بچانے کو کافی نہیں کیوں کہ اگرچہ روزے اوقات میں خلل ڈالتے ہیں لیکن فراغ خاطر بڑھاتے ہیں اور اوقات میں وسعت پیدا کردیتے ہیں خصوصاً دن کہ وہ تو ایسا پہاڑ ہوجاتا ہی - جیسے سر سے ٹلے ہی گا نہیں - اگرچہ موسم جاڑوں ہی کا کیوں نہ ہو - پس مناسب ہی کہ کم سے کم قلم برداشتہ ایک رقعہ ہفتے میں ایک بار یا دو بار لکھ کر بھیج دیا کرو - رہا حکایات لقمانیہ کا راجہ شیو پرشاد صاحب کی خدمت میں بھیجنا اِس کے متعلق یہ ہی کہ قبل اِس کے کہ اِن کے پاس سے پیادہ طلب آئے مجھ کو اُس کی روانگی کی اطلاع ضرور مل جائے - ہم اِس مہینے کے بعد سکندرپور جائیں گے اور انجام کار خدا کے ہاتھ میں ہی - سال کے صرف دو مہینے رہ گئے ہیں جیسا کہ معلوم ہی پس امتحان کے لیئے ابھی سے تیاری کر چلو اور کیا خوب کسی نے کہا ہی جو اب ضرب المثل کی طرح زبان زد ہی کہ تعظیم و توہین وقتِ امتحان کی معتبر ہی - پس اُس وقت کیا خرابی ہی اُس کی جو کتاب کی باتیں بھول گیا اور اچھا جواب نہ دے سکا پس بکنے لگا اور رسوائی کھینچی اور لوگوں کی نظروں میں ہیٹا ہوا اور گھٹ گیا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے تعطیل میں ملوں گا اور خدا میرے لیئے کافی ہی اور وہ بھروسا کرنے کے لیئے کیا اچھا ہی - یہ تو ہوا - اور ہم لوگ خدا کے فضل سے بہت اچھے حال میں ہیں اور مکروہات سے پاک زندگی ہی اور گمان کرتے ہیں کہ تم لوگ بھی ایسے ہی ہوگے - خدا تمھیں راہِ راست دکھائے - آگے سلام اور اسی پر ختم کلام

[2] نتھرے ہوئے کو لے لو اور گدلے کو چھوڑ دو ۱۲

عادۃ یوں پڑگئی ہو کہ شب کو دو اور تین کے بیچ میں اکثر آنکھ کھل جاتی ہو اور کبھی نہیں بھی کھلتی تو طوعاً کرہاً جاگنا پڑتا ہو اور پھر قصد بھی کرتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔ پس سحر کے بعد کچھ کتاب بینی کرتا ہوں۔ آج شاید گھڑی غلط چلی کہ دیر سے بیٹھا ہوں مگر اسفار صبح نہیں ہوا۔ جی میں آیا کہ تم ہی کو خط لکھوں۔ عربی کی سطریں میں نے غور سے نہیں لکھیں۔ امید ہو کہ تم بہ آسانی سمجھو گے۔ شاید ایک دو جگہ لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورۃ ہو۔ بڑے دن کی تعطیل میں آنا ہوا تو ان شاء اللہ ایک امتحان تمہارا میں لوں گا۔ اور اگر ثابت ہوگا کہ تم نے وقت سے استفادہ کیا تو تم کو انعام بھی ملے گا ۱۳ اکتوبر ۱۸۷۶ء

## خط نمبر ۷۸

میاں بشیر! میاں بی بی میں جو تعلق ہو وہ پیار اور ہیبۃ کا تعلق ہو یعنی دونوں ایک دوسرے سے محبۃ رکھیں اور میاں کی وقعۃ اور ہیبۃ دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں ایسا شبہہ بے جا ہو۔ اُستاد اور شاگرد اور حاکم اور رعایا میں بعینہٖ اسی طرح کا تعلق ہو۔ عورتیں بہ وجہ نقصانِ عقل و جہل و نادانی کے ممکن نہیں کہ امورِ دنیاداری کی تنہا متکفل ہو سکیں۔ یہی سبب ہو کہ مردوں کو اُن پر غلبہ رکھنا ضرور ہو وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ جوشِ جوانی میں احمق مرد عورتوں کو اس قدر بے تکلّف اور گستاخ کر لیا کرتے ہیں کہ پھر ساری عمر وہ اُن کو دبا نہیں سکتے۔ اور گھر میں دو عملی رہتی ہو۔ عورۃ اپنی راہ چلتی ہو اور مرد اپنا رستہ اختیار کرتا ہو۔ مجھ کو اپنے عزیزوں میں ایک شخص کا حال معلوم ہو کہ وہ ابتداءً بی بی کی خدمتگاری کرتا تھا اور میاں بی بی میں پیار اخلاص کے واسطے ڈھول دھپّا ہوتا تھا ایک دوسرے کو چٹکیاں لیا کرتا تھا اور گفت و گو میں بھی سخت بے تہذیبی جانبین سے ہوتی تھی انجام یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ کیسی ہی کوئی چیز عمدہ ہو ضرور ہو کہ آدمی اُس سے ملول اور سیر ہو جائے مثلاً کوئی عمدہ سے عمدہ کھانا اگر روز دو وقت کھانے کو ملے تو شدہ شدہ روکھی روٹی کی طرح بدمزہ معلوم ہونے لگے گا۔ پس جو لوگ حُسنِ ظاہر پر فریفتہ ہوتے ہیں اُن کا یہ خیال یقیناً بے ثبات ہو۔ عورتیں صرف شہوۃ رانی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ انگریزی محاورے کے مطابق بٹر ہاف۔ پس اُن کو امورِ خانہ داری کے انتظام کے واسطے موضوع سمجھ کر اُسی کام کے لائق بنانا چاہیئے۔ یہ قاعدہ نہایۃ صحیح ہو۔ دیر آمیز و دیر گُسل زود آمیز زود گُسل۔ ربط جو پیدا کرو رکاوٹ کے ساتھ اور اتحاد کو بڑھاؤ بہ تدریج۔ ایک ہیبۃ جسمانی توانائی کی بھی ہوتی ہو وہ تم اپنی بی بی پر قائم نہیں کر سکتے پس ضعفِ جسمانی کی تلافی وَقر و متانۃ سے کرو۔ عورتوں کو طمع اور چھٹورپن سے روکنا ضرور ہو ورنہ گھر میں خیر و برکۃ رہ نہیں سکتی۔ تاکید کرو کہ تمہاری بی بی لکھنا سیکھے اور اُس کے پڑھنے کی کتابیں جمع کرو اور اُس کی مدد کامل طور پر کیجائے۔ اگر فرمائشوں کی نوبۃ آئے تو اُس کو حقارۃ کے ساتھ روک دینا کہ ہماری تمہاری حالۃ پر اُس کو نظر ہو اور اِس قدر بس کرتا ہو۔ جو اُن کو مناسب معلوم ہوگا خود کریں گی۔ کچھ تھوڑا سا روپیہ دے کر دیکھو کہ کیا کرتی ہو۔ اگر وہ سودے سُلف یا عارضی نمایش کی چیزوں میں اُٹھا ڈالے تو جانو کہ احمق اور ناعاقبۃ اندیش ہو اور اگر زیور یا دوسرے عمدہ مصرف میں لگائے تو البتّہ خوشی کی بات ہو تم کو ایک مدّۃ تک بی بی کو تعلیم کرنا پڑے گا۔ اُس کے خصائص مزاجی پر غور سے نظر کرتے جاؤ۔ یہ اُسی کے حق میں مفید ہوگا کہ بیوی صاحب کے اختیارات اِس طرح رکھی جائے جیسے بیمار طبیب کے اختیار میں۔ کبھی کچھ پھٹا اُدھڑا سلا کر دیکھو کہ اس ہنر میں اُس کی دست گاہ

---

۱؎ تر کا۔ پوچھنا ۲؎ اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہو ۳؎ عمدہ تر نصف۔ ۱۲

کہاں تک ہی۔ اسی طرح ممکن ہی کہ کسی حیلے سے کھانا پکانے میں بھی اُس کا امتحان لیا جائے اور جس بات میں کوتاہی پائی جائے نرمی اور مہربانی سے اُس کو سمجھا دیا جائے فقط ۱۸۷۹ء

## خط نمبر ۱۰۶

میاں بشیر! تم مجھ سے انگریزی تعلیم کی بہت مدح سُنتے رہے ہو اس لیئے کہ تمھیں انگریزی پڑھوانی منظور تھی۔ اب کہ تم نے اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئین امپرس وکٹوریا[1] کی رعایا میں سے ہر بھلے آدمی کو ضروری ہی تو لو اب اُس کی بُرائیاں بھی سنو کیوں کہ ہر چیز میں حُسن و قبح دونوں کے محامل ہوتے ہیں۔ ع نفع کُے جملہ بگفتی ضررش نیز بگو +

یہ میری اکیلے کی رائے نہیں ہی بلکہ عام لوگوں کی اور خود انگریز بھی اس کے شاکی ہیں کہ ہندوستانی انگریزی پڑھ کر مغرور اور گستاخ اور خود پسند ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہی کہ جب ایک قوم کو خدا سلطنۃ دیتا ہی کہ وہ دنیا کی بہشت ہی تو اُس قوم کی سب چیزوں میں شانِ حکومۃ آجاتی ہی اور زبان بھی اِس عموم سے مستثنیٰ نہیں۔ انگریزی کی وُسعۃ کا تو یہ حال ہی کہ اگر علمِ فلاحۃ۔ یا کیمیا یا طب یا تشریح یا نیچرل فلاسفی غرض سائنس[3] کی کسی کتاب کو ترجمے کے ارادے سے لے کر بیٹھو تو سطر پیچھے دو چار لفظ ضرور ایسے ہوں گے کہ اُردو بیچاری کی تو کیا بساط ہی۔ کہ آدی کہ پیر شُدی۔ عربی میں جو ہماری کلاسکل لینگویج[4] ہی ان کے مُرادف نہیں ملتے پس بہ مجبوری یا تو نئے الفاظ گھڑو یا بعینہا انگریزی کے الفاظ رہنے دو اور دونوں پیرایے بھونڈے اور اِن ہی دقتوں کی وجہ سے ہم علومِ جدیدہ سے محروم۔ مصر اور قسطنطنیہ کے عربی اور فارسی کے اخبار دیکھو تو تم کو اس کی تصدیق ہو۔ جو شخص فرنچ[5] اور انگریزی کے مصطلحات نہیں جانتا اِن اخباروں کا ایک آرٹکل بھی نہیں سمجھ سکتا۔ شاہِ ایران کے روزنامچۂ سفر ولایۃ کا بھی یہی حال ہی اور خود ہماری زبان میں بھی الفاظِ انگریزی برابر داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ ضروری نتیجہ ہی انگریزوں کے غلبۂ قومی یعنی سلطنۃ کا کہ ان کی زبان دوسری زبانوں پر غالب آتی چلی جاتی ہی۔ پس وہ جو مَیں نے کہا تھا کہ جب خدا کسی قوم کو سلطنۃ دیتا ہی تو اُس کی سب چیزوں میں شانِ حکومۃ آجاتی ہی زبانِ انگریزی کی یہ ایک شانِ حکومۃ ہی۔

دوسری بات یہ ہی کہ انگریزی میں ابتذال اور خوش آمد اور مبالغہ اور جھوٹ نہیں۔ ہمارے یہاں بیسیوں انشائیں صرف القاب آداب معمولی خیر و عافیۃ رسمی شوق و انتظار کے لیئے پڑھنی پڑتی ہیں پھر اونٹ بے اونٹ تیری کون سی کَل سیدھی ؟ طرزِ مراسلۃ ایسا بگڑا ہی کہ بچپن سے عادتیں پڑی ہوئی ہیں اِس سے احساس نہیں ہوتا ورنہ آدھا جھوٹ اور باقی آدھے میں اپنی تذلیل بے سبب مخاطب کی مدح بلا استحقاق۔ لوگوں کو تعصب اور ہٹ دھرمی سے کُفرانِ نعمۃ کرنے دو۔ اپنا تو مقولہ یہ ہی کہ فارسی لٹریچر نے ہماری تہذیب کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ اب اُردو پر انگریزی رنگ آتا چلا ہی۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہو گئی ہی اور ہوتی جاتی ہی۔ سیدھی اور صاف بات میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہی۔ کچہری کا ایک ادنیٰ محرر بھی خاص کر مسلمان اپنے تئیں خانہ زاد اور نمک پرورد اور فدوی اور خاکِ پا اور حاکم کو خداوند خدایگان پیر و مرشد قبلۂ عالم نہیں کہنا چاہتا۔ غرض انگریزی نے ہر ایک کے کان میں پھونک دیا ہی کہ وہ بھی آدمی ہی۔ جان اور مال اور عزۃ رکھتا ہی۔ اُس کے سب حقوق محفوظ ہیں۔ کوئین امپرس وکٹوریا کی رعیۃ اور ایک حدّ تک حاکمِ وقت کا محکوم ہی۔ مگر کسی کا زر خرید غلام نہیں

[1] ملکۂ قیصرہ وکٹوریا فرماں روائے انگلستان و ہندوستان [2] پہلو [3] طبیعیات یا فلسفۂ طبیعی [4] طبقۂ اعلیٰ کی زبان [5] زبان فرانس +

اُس پر اپنے افسر کا ادب لازم ہی نہ پرستش۔ وہ خوشی سے سلام کرتا ہی نہ سجدہ۔ مؤدب الفاظ میں بات کا جواب دیتا ہی لیکن گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر نہیں۔ وہ اگر قصور وار ہی ضابطے کی سزا کو خوش دلی سے انگیز کرتا ہی مگر ڈام فول[۱] سننے کی اُس کو مطلق برداشت نہیں

اگر انگریزی خوانوں کے غرور کی شکایت انگریزوں ہی سے سُنی گئی ہوتی تو ہم سمجھتے کہ بعض نوجوان۔ تازہ ولایت۔ تیز مزاج انگریز پاجی[۱] خدمتگاروں میں رہ کر بد زبانی کرنے لگتے ہیں عجب نہیں کسی غیور[۲] سے پالا پڑ گیا ہو اور اُس نے بات کا بتنگڑ بنا کھڑا کیا ہو۔ مگر انگریزی خوانوں کے غرور کے اَور بہت سے شواہد ہیں اور تم خود محتسبانہ اِن کے حالات کی تفتیش کرو گے تو مان لوگے کہ انگریزی خواں کُل نہیں تو اکثر اپنی ہی سوسائٹی کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سوسائٹی میں کوئی عیب نہیں بے عیب ذات خدا کی۔ مگر ہم کو اپنے ملک کے انگریزی خوانوں سے دو طرح کی گفت وگو ہی۔ اول تو ہم کو اسی میں کلام ہی کہ جس کو انگریزی خواں عیب سمجھتے ہیں فی نفسہٖ عیب بھی ہی یا نہیں۔ انگریزی پڑھنے سے آدمی ضرور کسی نہ کسی قدر پر یجوڈسڈ[۳] ہو جاتا ہی یعنی اُس کے ذہن میں انگریزی کی خوبی قدرِ واجب سے زیادہ بیٹھ جاتی ہی۔ یوں تو حکومت کی وجہ سے انگریزوں کی تمام ادائیں تھوڑی بہت سبھی کی نظروں میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں معلوم ہوں گی پر ہوں گی اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ[۴] مگر انگریزی خواں تو گویا انگریزوں کے بھاٹ ہیں۔ ہماری سوسائٹی کے عیوب بے چارے انگریزی خواں ہم سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں۔ ہم آپ ہی نہ گنوا دیں۔ ہم میں لاکھ عیبوں کا ایک عیب تو ہی مفلسی اور مفلسی بھی لازم کہ اب سے شاید دس نسلوں تک مرفع ہوتی نظر نہیں آتی۔ اِس پر مزید تعصب۔ جہالت۔ بے ہنری۔ بے حمیتی۔ کاہلی۔ ناعاقبت اندیشی۔ خود غرضی۔ باہمی نااتفاقی یعنی تمام لوازمِ بد اقبالی۔ مگر بڑا رونا تو اِسی کا ہی کہ ہمارے انگریزی داں بھائی جو ہمارے ملک کے گُل سر سبد[۵] سمجھے جاتے ہیں اِن وجوہ سے ہم کو ذلیل نہیں سمجھتے اور کس منہ سے سمجھیں کہ یہ عیوب بِتَمَامِہَا مَعَ شَیْءٍ زَائِدٍ[۶] خود اُن میں موجود ہیں ہماری آنکھ میں تو پھلی ہی تو اُن کی بیں ٹینٹ۔ ہم کانڑے ہیں تو وہ اندھے۔ ہم ہکلے ہیں تو وہ گونگے۔ انگریزی خوانوں میں اگر بلند نظری ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔ اِن کو تو ہم میں ایک ہی عیب سوجھتا ہی کہ ہم انگریزوں کی طرح کا طرزِ تمدن کیوں نہیں اختیار کرتے اِن ہی کے سے مکان میں رہیں ان ہی کے سے کپڑے پہنیں اُن ہی کی طرح کھائیں پئیں اُن ہی کی طرح عورتوں کو آزاد کر دیں کہ ہر ڈنگیاں باہر پڑی پھریں۔ گویا اِن دانش مندوں کے نزدیک انگریزوں کا دنیاوی عروج اُن کے طرزِ تمدن کی وجہ سے ہی ع فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمتِ اوست + ارے عقل کے دشمنوں انگریزوں کی وہ صفتیں ہی دوسری ہیں جو اُن کی ترقی کا سبب واقع ہوئی ہیں۔ محنت۔ جفاکشی۔ تفتیش وتلاش۔ استقلال۔ ضبطِ اوقات۔ علومِ جدید میں توغل۔ قومی اتفاق۔

مجھ کو تمام عمر انگریزی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی اِس کی تمنا کی پس مجھ کو انگریزی سوسائٹی کا بہت ہی تھوڑا حال معلوم ہی لیکن جتنا معلوم ہی اُس کی نسبت تو میرا خیال اچھا نہیں۔ بھلا ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں داخل ہونے کی کیا کسی غیر قوم کے آدمی کو رغبت ہو گی جن کے مزاجوں میں اِس قدر اجنبیت ہو کہ ایک ہی قوم کے دو آدمی مدتوں ایک ہوٹل یا جہاز میں رہیں۔ دونوں وقت ایک میز پر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے معرفت نہ پیدا کر سکیں۔ معلوم ہی کہ انگریزوں میں عورتوں

---

[۱] پاجی گدھا [۲] غیرت مند اِس کا مرجع انگریزی ہی [۳] بے تحقیق کیے ہوئے پہلے سے ایک خیال جما لینے والا [۴] لوگ اپنے پادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں [۵] ڈالی کے سرے پر کے پھول [۶] کُل بلکہ کسی قدر زیادہ ہی +

کے پروے کا دستور نہیں - اِس سے بڑھ کر یہ کہ مرد ہو یا عورۃ علیٰ رؤس[1] الاشہاد ناچنے کا عیب نہیں - اور ناچنا بھی ہمارے ملک کا سا نہیں بلکہ مرد اور عورۃ ایک وضعِ خاص سے بغل گیر ہو کر ناچتے ہیں - خیر یہ تو ہر ملکے و ہر رسمے - مجھ کو اس مقام پر اور ہی بات کہنی منظور ہے کہ اگر ناچنے میں مثلاً جیمس اور میری کا جوڑا الگ جائے تو یہ اختلاط داخل ملاقاۃ نہیں - پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی کے اجنبی - چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہ لوگ پڑھنے کے لیے ولایۃ بھیج ہی دیتے ہیں - تم نے بھی خیال کیا ہوگا کہ یہ لوگ چاہے اکیلے ہوں مگر اکثر رہیں گے الگ کوٹھی میں - اِن باتوں سے ایسا مستنبط ہوتا ہے کہ انگریزوں کی طبیعتیں اُنس پذیر کم ہیں - آدھے وحشی تو ہم اب سمجھے جاتے ہیں - اگر کہیں ایسے رُوکھے مزاج ہمارے ہوتے تو پورے وحشی نہیں بلکہ ڈیوڑھے پون دونے وحشی ہونے میں کیا کسر تھی +

رہ گیا طرزِ تمدّن - اِس میں عورتوں کو بڑا مدخل ہے - اور کیوں نہ ہو آخر وہ بھی تو سوسائٹی میں داخل ہیں - ہم میں اور انگریزوں میں بڑا اختلاف اِن عورتوں کی وجہ سے ہے اب اِس کا محاکمہ کون کرے کہ عورتوں کے ساتھ کون سی سوسائٹی کی مدارات مناسب ہے - اِس مقام پر مجھے ایک نقل یاد آئی - میرے ایک معزز دوست کہتے تھے کہ ہمارا سارا خاندان کا خاندان شیعہ ہے - میں نے بڑے ہو کر سُنّی شیعوں کے اختلافات کی تحقیقات کی اور آخرِ کار میری رائے اِس پر قرار پائی کہ سُنّی بر سرِ حق ہیں چنانچہ میں سُنّی ہو گیا تو خاندان کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثات رہتے تھے اور ہر ایک کو سُنّی ہو جانے کی ترغیب دیا کرتا تھا - ایک بی بی میری بزرگ تھیں - اُن سے بھی میں ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ سُنّی ہو جاؤ - وہ بی بی میری باتوں کا جواب تو کیا دیتیں سُن کر چپ ہو رہا کرتی تھیں ایک دن میں نے اِن بی بی سے کہا کہ آخر کچھ بیان تو کرو کہ تم کو سُنّی ہو جانے میں تامل کیوں ہے تو اُن بی بی نے فرمایا کہ بیٹا بات یہ ہے کہ مجھ کو اِن موؤں (صحابِ ثلاثہ) کے نام ہی بُرے معلوم ہوتے ہیں - سچ ہے انسان ایسا ہی ضعیف مخلوق ہے کہ اُس کی رائے پر سوسائٹی کا تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا ہے - یہ انگریزی خوانوں کے صرف مُنہ سے کہنے کی باتیں ہیں ذٰلِكَ[2] قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ - کہ ہمارا طرزِ تمدّن انگریزی ہو جائے سو دوسرے اختلاط تو درکنار - مجمع میں کوئی اِن سے اِن کی جورو کا مزاج شریف پوچھ بیٹھے گا یا اِن کے رُو در رُو اُس کی خوب صورتی کی تعریف کرے گا تو ممکن نہیں کہ سر سے پانو تک میاں کے تن بدن میں پتنگے نہ لگ جائیں ؟

ہماری تمام اخلاقی عمارۃ عورتوں کی پردہ داری پر مبنی ہے - جس دن عورتوں کی پردہ داری میں ذرا بھی خلل پڑے گا ساری عمارۃ متزلزل ہو جائے گی - اگرچہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اِس معاملے میں کسی ہندوستانی یا کسی انگریز کی رائے بر سرِ صواب نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہر شخص بہ تصنّع نہیں بلکہ بالطبع اپنی ہی سوسائٹی کی جانب داری کرے گا مگر میں حتی الوسع انصاف کے ساتھ تم پر اتنی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے طرزِ تمدّن کی جس قدر بُرائی کی جاتی ہے اُس قدر بُرائی کا وہ سزاوار نہیں کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی عورتیں دائم الحبس ہیں - شوہروں کے انتخاب میں اِن کا اختیارِ واجب زبردستی سلب کر لیا گیا ہے - اِن کو ظلماً گھروں کی چار دیواری میں قید رکھ کر جائز تمتعات سے محروم کیا گیا ہے - یہ اور اِس قسم کے اور اعتراضات جو ہندوستانیوں[3] کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے پردے کے رواج پر وارد کیے جاتے ہیں انگلش[4] پوائنٹ آو ویو یعنی انگریزوں کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہمارے وحشی اور بے رحم اور سنگ دل

---

[1] لوگوں کے سامنے کُھلے خزانے [2] وہ اُن کے مُنہ کی دِکھائی ہوئی باتیں ہیں [3] اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کا پردہ مسلمانوں سے چلا ورنہ ہندوؤں میں پردہ نہ تھا اور اب جو ہے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہے [4] انگریزوں کے زاویہ خیال سے - انگریزوں کی آنکھ سے +

ہونے کی بڑی قوی دلیل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جو عورتیں رواجاً پردہ نہیں کرتیں (اور ہندوستان میں خاص کر دیہات میں ایسی قومیں بہ کثرۃ ہیں) اور خود انگریزوں کی عورتیں بھی میں اپنے پندار میں سب کو مردوں کے اختلاط سے گریزاں پاتا ہوں یعنی پردہ تمام جہان کی نسوان کا تقاضائے طبیعۃ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہو تاہم انگریز تو خیر غیر قوم۔ غیر مذہب۔ اور غیر ملک کے ہیں یہ تو پردہ دار خاندانوں کا حال کیا جان سکتے ہیں۔ مگر ہم ہی میں کے بگڑے ہوئے مسلمان جن پر انگریزی کی سنک سوار ہے اور جو انگریزوں سے بڑھ کر پردے کی برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں ایک تو ہمارے منہ پر کہہ دے کہ اس نے کبھی کسی پردہ دار عورۃ کو پردے کی سختی کا شاکی پایا ہے۔ اِس کو بھی جانے دو۔ اس کلیے سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اَلْعَادَۃُ طَبِیْعَۃٌ ثَانِیَۃٌ یا انگریزی خوانوں کے یقین دلانے کے لیئے اُنسی بولی میں کیوں نہ کہو جس کی وقعت اِن کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے ہیبٹ اِز دی سکنڈ نیچر تو اگر پردہ داری عام صنفِ نسوان کا تقاضائے طبیعۃ نہ بھی ہو تاہم رواجِ مستمر نے اُس کو طبیعۃ بنا دیا ہے۔ پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لائے تو کچھ قیدی رہا کیئے گئے۔ اِن میں ایک دائم الحبس آغازِ جوانی میں قید ہوا تھا۔ رہا کیا گیا تو بوڑھا ہو گیا تھا چند روز بعد اس نے عرضی دی کہ مجھے جیل خانے کے باہر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چالیس پچاس برس کی قید اس شخص کو جیل خانے سے مانوس کر دے اور صدہا برس کی آمّاً عن جدّۃٍ متوارث پردہ نشینی کے بعد عورتوں کا دیدہ ہوائی رہے کسی کی عقل اس کو قبول کرے گی؟ غرض عورتوں کی طرف سے وکالۃً جو پردہ داری کی شکایۃ کی جاتی ہے محض لغو اور بے اصل ہے۔ مجھ کو حقیقۃ میں ہنسی آتی ہے کہ پردے کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کی کچھ قدر نہیں کرتے اور میں کہتا ہوں کہ پردہ ہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ جیسا اپنی عورتوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں دنیا میں کوئی قوم نہ رکھتی ہوگی ؎

| غیرۃ از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم ؛ | گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم ؛؛ |
|---|---|

جتنے اعتراض عورتوں کے پردے پر وارد کیئے جاتے ہیں سب میں یہ اعتراض کسی قدر جان دار ہے کہ شوہروں کے انتخاب میں پردہ دار عورتوں کو آزادی نہیں۔ لیکن ساری دُنیا اور خاص کر ہندوستان میں یہ مشکل مقدمہ عورتوں کو ایسی ابتدائی عمر میں پیش آتا ہے جب کہ ناتجربہ کاری اور نقصانِ عقل کی وجہ سے اُن کو اس کے قابلِ اطمینان فیصلے کی قابلیّۃ نہیں ہوتی اور زن و شو کی حالتوں میں آخرِ عمر تک معمولی غیر معمولی ایسے ایسے عظیم تبدلات واقع ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دانش مند پختہ کار کی عقل بھی اُن پر احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس صورۃ میں ایسے سترگ معاملے کا تصفیہ طرفین کے بزرگوں کی تجویز سے ہونا قرینِ مصلحت ہے۔ اور عورتوں کی کیا تخصیص ہے ہم تو اپنے یہاں کے مردوں کو بھی اِس معاملے میں قریب قریب ایسا ہی بے اختیار پاتے ہیں۔ میں اِس کو مانتا ہوں کہ انگریزوں کی عورتیں اِن سے بہ مدارج بہتر ہیں اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ انگریزنوں میں بعض صاحبِ تصانیف ہیں بعض نے مردوں کے ساتھ کمپیٹ کر کے بی اے اور ام اے کے خطاب اور ڈپلومے پائے ہیں۔ غرض اِن عورتوں نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ جسمانی توانائی کو چھوڑ کر کہ وہ ایک قدرتی بات ہے باقی دنیا کے سارے کام جو مرد کر سکتے ہیں عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ مگر خوب سمجھے رہو کہ مجھ کو اِس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ ہندوستان کی عورتوں کو اِن کی حالۃ کے مناسب تعلیم کرنا نہایۃ ضرور ہے مگر ساتھ ہی رواجِ پردہ کی موقوفی کا میں سخت مخالف ہوں۔ اوّل تو میں انگریزنوں کا کوئی کارِ نمایاں ایسا نہیں دیکھتا جس کو میں سمجھوں

---

لہ عادۃ دوسری طبیعۃ ہے ۵۲ ماںانی سے چلی آنے والی ۵۳ مقابلہ بالمسابقۃ ۵۴ اسناد ۱۲

کہ پردہ اس میں حارج ہو سکتا ہی - اور اگر ہو بھی تو بے پردگی کے خراب نتیجے اخباروں میں پڑھتے پڑھتے کلیجا پک گیا - ایسے فائدوں کو (اگر ہوں) سلام ہی جو سوسائٹی کو گندہ کریں - ہماری بیبیاں بلا سے پھوہڑ ہوں - بے ہنر ہوں - بے سلیقہ ہوں - بے علم ہوں کہ بچوں کا ہاتھ مُنہ دھلانے - پھٹا اُدھڑا سینے - روٹی دال پکانے کے سوائے اَور کچھ نہ جانتی ہوں - ساری دنیا میں کوئین امپرس وکٹوریا کی جوبلی[۱] کا غُل ہوا اور اِن کو خاک خبر نہ ہو - سوداں اور بلغاریہ اور برہما کے نام تک اِن کو معلوم نہ ہوں روس کے جھگڑے اور فرانس کے ٹنٹے اِن کے کانوں تک نہ پَہنچے ہوں - غرض ہماری بیبیاں جانور ہوں پتھر ہوں بلکہ اِن سے بھی بدتر ہوں - ہم کو قبول - خدا نے سر چارلس ڈائک اور مدراس والے راس اور ایک ڈائک اور ایک راس ایسے ایسے پچاس کی فضیحتہ اور رسوائی سے تو بچایا ہی +

ابارہا انگریزی لباس - اِس میں سے عورتوں کی فُل ڈرس[۲] اگر بہتر ہی تو بلا مبالغہ اِس شعر کا مصداق ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| تن عُریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس + | | یہ وہ جامہ ہی کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا | |

اور فُل ڈرس کی بھی ایک ہی کہی ع بر عکس نہند نامِ زنگی کافور +

غرض فُل ڈرس اور اُس کے نام سے انگریزوں کا مذاقِ لباسی معلوم ہوا - زیادہ صراحۃ کی کیا ضرورۃ ہی - کیا خوب کہا ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| ہر یکے ناصح برائے دیگراں + + | | ناصح خود یافتم کم در جہاں + | |

دوسروں کو کیسا مُنہ بھر بھر کے جانور اور وحشی اور نامہذّب کہہ بیٹھتے ہیں اور اپنا یہ حال کہ سچ پوچھو تو تن بدن ڈھانکنے تک کا سلیقہ نہیں - اِن لوگوں کے مردانہ لباس میں انضمامِ حکومۃ سے البتہ ایک شانِ وقعۃ پیدا ہو گئی ہی ورنہ فی حدّ ذاتہ مُرجھے ہوئے کپڑوں پر ایک پِھچھور پَن سا برستا ہی - اور خود انگریزوں کو دیکھا ہی کہ گرمی کے موسم میں بَوکلا بَوکلا اُٹھتے ہیں - اپنے قومی لباس کے متحمّل نہیں ہو سکتے - اور گھروں پر اوقاتِ خاص میں ہماری طرح کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے رہتے ہیں - ہم تو اِن کو پابندی رسم ورواج سے آزاد نہیں مانتے - ایک وضع کو موجبِ راحۃ سمجھا تھا تو پھر اِس کے اختیار کرنے میں جھینپنا کیا معنے +

مَیں سمجھتا ہوں کہ انگریزی لباس ہی نے انگریزوں کو اِس بات پر مجبور کر رکھا ہی کہ دِن رات کُرسی - کوچ پر لدے رہتے ہیں ورنہ اگر ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو جو آسائش فرش پر بیٹھنے میں ہی اُس کا عُشرِ عشیر بھی کُرسی کوچ میں نہیں - کُرسی پر ایک ہی وضع سے آدمی کو بیٹھنا پڑتا ہی - بہت کیا تو ذرا پیٹھ لگائی یا اکیلے ہوئے تو میز پر ٹانگیں سیدھی کر لیں مگر یہ ڈولی ڈنڈے کا طور قابلِ دید ہوتا ہی - اور وہاں ایک وضع اَور بھی ہی - پیروں پر زور دے کر کُرسی سمیت پیچھے کو تن گئے - مرکزِ ثقل جگہ سے بے جگہ ہوا ٹانگیں اوپر اور سر نیچے تیلوں کی قینچی چڑھی ہوئی ہی اور پڑے چلا رہے ہیں کہ آدمی آئے تو اٹھا کر کھڑا کرے - فرش پر آدمی اتنی اوضاع کثیرہ سے بیٹھ سکتا ہی کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا اور از روئے اُصولِ طب فرش پر بیٹھنا تن درستی کے لیے نہایۃ مفید ہی - مگر حکومۃ کے آگے آسایش اور طب پر کون عمل کرتا ہی - ایک عالَم اِسی خبط میں مُبتلا ہی کہ بے جا ہو یا بے جا جہاں تک ہو سکے انگریزوں کی تقلید کیجیے - اور یہ نہیں سمجھنے کہ ہر ملک کے لوگ خصائصِ ملکی کے لحاظ سے ایک خاص طرح پر زندگی بسر کرنے کے خوگر ہیں

[۱] پچاسویں سالگرہ کی تقریب [۲] پوری پوشاک ۱۲

یعنی اُن کے لیے آسایش کی وہی ایک خاص طرح ہے۔ اُس کو بے داعیۂ قوی بدلنا ضرور تکلیف دہ ہوگا۔

جو لوگ وضعِ انگریزی کے گرویدہ ہیں کیوں کر ہو سکتا ہے کہ لباس انگریزی ہو۔ نشست برخاست انگریزی ہو۔ اور کھانا انگریزی نہ ہو۔ انگریزی کھانے کے ایک تو یہ معنی کہ میز کرسی کانٹا چھری ہو یعنی ویسی کھانا انگریزی طور پر کھایا جائے۔ دوسرے یہ کہ کھانا بھی انگریزی ہو۔ ہم ہیں کے ایک نئے رفارمر بگڑے ہیں۔ انھوں نے ہاتھ سے کھانے پر (کہیں یہ مت خیال کر لینا کہ رفارمر صاحب کُتّے کی طرح منہ سے یا کوّے کی طرح پانوں سے کھاتے تھے بلکہ چھری کانٹے سے) ہندوستانیوں کو کیسا کیسا لتاڑا ہے کہ توبہ ہی بھلی مگر ان کی ساری بکواس کا ماحصل اتنا ہی تھا کہ ہاتھ سے کھانا غلیظ پن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہاتھ سے کھانے میں ہاتھ تو خواہ مخواہ تھوڑا بہت بھرتا ہی ہے مگر پھر ہم کہتے ہیں کہ رغبۃ اور نفرۃ عام نہیں بلکہ عادۃ پر موقوف ہے سارڈین[2] وغیرہ انگریزوں کی بہت چیزیں ہیں کہ ہم کو اُن سے گھن آتی ہے۔ کھانے کے بعد کُلّی نہ کریں تو ہماری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے۔ اور بعض کو تو بے تبدیلِ ذائقہ چین نہیں پڑتا۔ غرض صفائی اور طہارۃ کا قومی بلکہ شخصی سٹینڈرڈ[3] مختلف ہے اور کسی کو کسی پر جرح وطعن کا منصب نہیں۔

ایک بار ایک دُکان پر ایک خاص طرح کی چائے کی پیالیاں دیکھنے میں آئیں۔ پیالی کے کنارے پر اندر کی طرف کو ایک چھجّا سا نکلا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ موچھوں کے بچاؤ کے لیے یہ تجویز سوچی گئی ہے۔ اُسی وقت مجھ کو قُصّوا الشّوارِبَ واعفُوا اللُّحیٰ[4] یاد آیا اور خیال ہوا کہ شارع نے کس قدر ہمارے مصالح کا حفظ کیا ہے پھر اس طرف ذہن منتقل ہوا کہ پابندیِ رواج بھی کیا بُری چیز ہے۔ یہ تکلفات کرتے ہیں اور اتنا نہیں ہو سکتا کہ لبیں پوا ڈالیں۔ ہاتھ سے کھانا انگریزوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہوگا مگر اس میں ایک تو مفادِ صریح یہ ہے کہ جس خوبی کے ساتھ ہاتھ لقمے کو گرفت کر سکتا ہے ممکن نہیں کہ چھری کانٹا ہاتھ کا کام دے سکے دوسرے اطبا ہی کے ڈاکٹر قائل ہو چلے ہیں کہ ہاتھ میں ایک قوۃِ مقناطیسی ہے اور وہ ہاتھ سے کھانے میں داخلِ لقمہ ہو کر ممِدِّ ہضم ہوتی ہے۔ انگریزی کھانوں میں اول تو مزہ ہی کیا خاک دھرا ہے۔ سالنوں میں ابلا ہوا بسا ہندا ادھ کچرا گوشت۔ مٹر کی گھنگنیاں۔ اُبلے ہوئے آلو۔ پسا یا یا ہوا خشکہ چپاتی پراٹھوں کی جگہ نان پاؤ۔ ایک پیالی میں نمک دوسری میں سیاہ مرچیں۔ وہ نقل شاید تم نے سُنی ہو کہ ایک شہری کُتّے نے ایک دیہاتی کُتّے کو مہمان کیا ایک کبابی کی دکان پاس بٹھادیا۔ جب کبابی دکان بڑھا کر چلا گیا دیہاتی کُتّا لگا ہر طرف سونگھنے۔ کہیں مرچوں کا دونا پڑا رہ گیا تھا۔ جوں اُس میں مُنہ ڈالا مرچیں مغز کو چڑھ گئیں۔ کھانستے کھانستے اور چھینکتے چھینکتے باؤلا ہو گیا۔ شہری دوست سے شکایۃ کی تو اُس نے کہا یاں ان ہی چٹخاروں کے لیے تو ہم شہر میں پڑے ہیں۔ غرض ہم لوگوں بے موہنوں کو تو چٹخارے لگے ہیں۔ انگریزی کھانوں میں کیا مزہ آئے۔ ایک حکایۃ اور اینڈ دی انگلش ڈنر از اوور[5]۔ غدر سے پہلے اُمرائے شاہی میں سے کسی امیر نے دہلی کالج کے پرنسپل[6] کی دعوۃ کی۔ کھانے کی ٹُھنگیاں بھجوا دیں۔ انگریزی قاعدے سے کھانا میز پر چنا جا چکا تو آدمی نے صاحب کو اطلاع کی۔ ہر قسم کا کھانا میٹھا سلونا شاہی رکاب داروں نے پکایا تھا۔ اور دعوۃ تھی تو بلا شبہہ اہتمام بھی ضرور ہوا ہوگا۔ سبحان اللہ اُس کے ذائقے کا کیا پوچھنا ہے۔ جس وقت سے کھانا آیا ساری کوٹھی مہک اُٹھی تھی مگر پیچھے سُنا کہ جوں صاحب نے کھانے کے کمرے کے اندر پانوں رکھا اور مشک اور زعفران اور گلاب اور کیوڑے کی بھبک آئی اُلٹے پانوں باہر نکل آئے۔ اور کھانا کیسا انھوں نے آنکھ بھر کر کھانے کی طرف کو دیکھا تک بھی تو نہیں۔

[1] کفیلِ صلاح [2] ایک قسم کی مچھلی جو ولایۃ سے پیک کر آتی ہے [3] پیمانہ نصاب [4] مونچھیں گھٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ [5] اور انگریزی کھانا تمام ہے [6] مدرسے کا اعلیٰ افسر ۱۲

پس جو لوگ انگریزی تمدّن انگریزی تمدّن پکار رہے ہیں اِس تہ کو نہیں پونہچتے کہ مذاقوں کے اختلاف قدرتی باتیں ہیں یہ کسی کے میٹے مٹتی نہیں؟ اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ جس کا جو طرز ہے وہ اُسی کو پسند کرتا ہے۔ اُسی میں اُس کو راحۃ ملتی ہے۔ اور آخر تک اُس کو اُسی طرز پر چلا جانا چاہیئے۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریز اپنی تمام حالتوں میں نمایاں ترقی کر رہے ہیں اور اپنے طرزِ تمدّن کی اصلاح سے بھی غافل نہیں۔ بااینہمہ یہ فرض کر لینا کہ اِن کا تمدّن اعلیٰ درجے کی شایستگی کو پونہچ گیا ہے فرضِ غلط ہے۔ کھانے کپڑے کی تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ ہم کو تو اِن کی سوسائٹی میں بہت سی بڑی بڑی باتیں کھٹکتی ہیں۔ عورتوں کی بے پردگی کا مذکور تو ضمناً اوپر ہو چکا۔ اَور لو بادہ خواری۔ اِس میں تو کسی کو کلام کرنے کی گنجایش ہی نہیں کہ جس طرح کھانسی اُمّ الامراض ہے من حیث الاخلاق[1] شراب اُمّ الخبائث۔ اور تمام جہان کے ڈاکٹروں کا اجماع ہے کہ یہ ملعون عرق تن درستی کو بھی سخت مضر ہے۔ باوجود اتنی بُرائیوں کے جس کثرۃ سے اِس کا رواج انگریزوں میں ہے شاید روے زمین پر کسی دوسری قوم میں ہو۔ پس اِس خیال نے غضب ڈھا رکھا ہے کہ اعتدال کے ساتھ اِس کے استعمال میں کوئی قباحۃ نہیں۔ مگر شراب اور اعتدال فکرِ باطل خیالِ محال +

انگریزوں کے طرزِ تمدّن میں ایک عیب اَور ہے جس کا نقصان انگریزوں کو شاید کم محسوس ہوتا ہو یا نہ بھی ہوتا ہو لیکن اگر ہم لوگ اِن کی وضع پر رہنا چاہیں تو یقیناً بربادی کا موجب ہے۔ وہ کیا ہے۔ ہائی لائف۔ یعنی اونچی شان دار زندگی جو بڑے مصارف کے بدون ایک دن نہیں نبھ سکتی۔ ظاہر میں دیکھو تو سیدھے سادے موٹے ڈھٹ کپڑے اکیلے کوسوں پیادہ پا چلے جائیں۔ کسی بات کی عار نہیں۔ کسی طرح کی شیخی نہیں مگر سواری اور مکان اور سامانِ آرایش اور شاگرد پیشہ کے خرچ دیکھو تو عقل دنگ ہو کر رہ جائے۔ اور اگر کہیں میم صاحب کی بلا بھی سر پر مسلط ہوئی تو پھر کچھ ٹھکانا نہیں۔ دو دو تین تین درزی ہیں کہ صبح سے شام تک سوئی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی اور بیڈیم پائل[2] کی تہائی تنخواہ کی قسط علاوہ۔ غرض اِس ارزانی کے ملک میں بی بی بچے والا انگریز میرے حساب سے ہزار روپے ماہوار سے کم میں جنٹلمینلی یعنی شریفانہ فارغ البالی اور آسایش سے نہیں رہ سکتا

ہم تو ہندوستانیوں ہی کو ملامۃ کرتے تھے کہ اِن کو دولۃ کی نگہ داشت کا سلیقہ نہیں اور اِن کا بہت روپیہ نمود و نمایش میں ضائع ہوتا ہے۔ انگریزوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہندوستانیوں پر بھی سبقۃ لے گئے ہیں۔ ہندوستانی تو پھر بھی زیوروں اور باسنوں کے پیرایے میں اپنی دولۃ کا ایک معقول حصّہ پس انداز کرتے ہیں۔ اِن کے یہاں کاٹھ اور کانچ اور گلٹ کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ قلعی تو اُس وقت کھلتی ہے کہ جب کسی کی بدلی ہوتی ہے اور اسباب نیلام کیا جاتا ہے۔ کسی کے خوش آمدی اونے پونے خرید لیں تو وہ بات ہی دوسری ہے اور وہ حقیقۃ میں ایک قسم کی رشوۃ ہے ورنہ نیلام میں روپے کے آٹھ آنے تو بندھے ہیں +

خیر شاید انگریز تو اِس شان میں رہ بھی سکتا ہے۔ اُس کو روپیہ کمانے کے بہت سے ڈھب یاد ہیں۔ اُس کی ہمۃ بلند اور اُس کا حوصلہ وسیع ہے۔ اُس کو تمام روے زمین خشکی اور تری جنگل اور پہاڑ آبادی اور اُجاڑ اپنا اور بیگانہ سب یکساں ہے۔ نوکری تو اُس کی جوتیوں سے لگی پڑی ہے مگر وہ اِس کا پابند نہیں۔ ایک ذراسی بات خلافِ مزاج پیش آئی اور وہ فوراً اُس کو لات مار کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی قوم کا ماٹو ہے[3] ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست۔ وہ چل پھر کر کہیں نہ کہیں اپنا ٹھکانا کر کے رہے گا شاید وہ کوئی سکول کھول بیٹھے۔ وکالۃ کرنے لگے۔ کسی قسم کا کارخانہ جاری کرے۔ سوداگر بن جائے۔ کہیں کسی جنبر کی کان

[1] اخلاق کے اعتبار سے [2] بیڈیم پائل ایک مشہور ٹیلر یعنی درزی ہے جو بیبیوں کے سلائے کپڑے دیتا ہے [3] نقش نگین۔ دستور العمل

ڈھونڈ نکالے۔ یا کوئی موقع مناسب دیکھ کر کالونی بسانے کا ڈول ڈالے۔ غرض یہ کہ وہ کسی جگہ اور کسی پیشے پر بند نہیں۔ ایسے آدمی کو معاش کی کیا کمی۔ پھر اُس کی سوسائٹی کا یہ دستور نہیں کہ کمانے والا ایک اور کھانے والے بیس۔ کیا مرد کیا عورۃ سب اپنی اپنی جگہ خوش دلی کے ساتھ محنۃ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ محنۃ ہی کے لیئے ہم پیدا کیئے گئے ہیں اور محنۃ ہمارا فرض ہی بھلا ہندوستانی کاہل بے ہنر قاصر الہمۃ سے کیا اِن کی ریس ہو سکتی ہی اور کرے گا تو مفلس جیئے گا اور قرض دار مرے گا +

انگریزی سوسائٹی کا آخری نقصان دی لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ لامذہبی ہی۔ جہاں تک مجھ کو اِن لوگوں کے حالات سے آگہی ہی اگرچہ تھوڑی ہی مگر نمونے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں) میں تو یہی کہتا ہوں کہ اِن لوگوں میں اکثر کی تمام ہمۃ صلاحِ دنیا کی طرف مصروف ہی اور یہ اِنہماک اِس درجہ سے زیادہ تر قابلِ اعتراض ہی کہ اُس کا منشأ فطری غفلۃ نہیں ہی۔ جس سے کوئی فردِ بشر بری نہیں۔ بلکہ مذہب کا استخفاف مذہب کی بے وقعتی کہ میری نظر میں یہ مکروہ ترین پیرایہ ہی الحاد کا۔ اور در حالے کہ صرف انگریزی تعلیم سے (وہ بھی ادھوری) ہمارے ملک کے انگریزی خواں ایز لٹے باڈسی لامذہب ہوتے چلے جاتے ہیں ضرور لامذہبی کا رنگ انگریزی سوسائٹی میں بہت گہرا ہونا چاہیئے اور افسوس کہ ہی بھی۔

انسان کے تمام افعال معلّل بالاغراض ہوتے ہیں اِس اُصول کے مطابق انگریزی طرزِ تمدّن کے اختیار کرنے میں بھی کوئی مفاد منوّی ہونا چاہیئے اور اب تک جس قدر میں نے لکھا ہی اُس سے تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ انگریزی تمدّن جس جس چیز سے عبارۃ ہی اُن میں بعض چیزیں تو بے مفادِ محض نہیں بلکہ ہمارے حق میں بے مفاد ہیں۔ لیکن لوگ ایک اُور ہی مفاد کی طمع سے انگریزی تمدّن کی طرف کو دوڑتے ہیں اِن کو یہ توقع ہی کہ انگریزی تمدن کے اختیار کرلینے سے انگریز ہم کو اپنی سوسائٹی میں لے لیں گے۔ کہیں لے نہ لیں۔ جب تک انگریزوں میں اور ہم میں حاکم و محکوم۔ فاتح و مفتوح۔ غالب و مغلوب کے تفرقے باقی ہیں ہماری اِن کی مثال تیل پانی کی ہی۔ نہ ملے ہیں نہ ملیں گے۔

میری یہ تحریر بہت لمبی ہو گئی مگر تم دیکھتے ہو کہ مطلب بھی مہتم بالشان تھا۔ جس طرح بعض جسمانی امراض بعض اوقات کثرۃ سے شائع ہو جاتے ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ لامذہبی کے شیوع کا ہی۔ بہت تھوڑے سر انگریزی تقلید کے مالیخولیا سے خالی ہیں۔ میں نے تم کو اپنی سمجھ کے مطابق آگاہ کر دیا ہی وما علینا الا البلاغ۔ فقط

موعظۂ حسنہ میں مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے سوا اُور لوگوں کے نام کے بھی خطوط ہیں۔ کُل خطوط کی تعداد تقریباً ایک سو نو ہی۔ اِس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ مولٰنا کی کُل خط و کتابت کا یہی مجموعہ ہی۔ یا باقی اُور خطوط خانہ داری سے تعلّق رکھتے ہیں۔ نہیں ابھی مولٰنا کے صدہا خطوط ایسے موجود ہیں کہ اُن کو اگر مجموعے کی صورۃ میں چھپوا دیا جائے تو موعظۂ حسنہ سے زیادہ ضخامت ہو جائے اور یقیناً اُس سے زیادہ دلچسپی اور زیادہ فائدہ ہو ہم نے مکتوب کی صورۃ میں یا انشا کے طور پر اُور لوگوں کے خطوط بھی چھپے ہوئے دیکھے ہیں مگر ہم موعظۂ حسنہ کے مقابل میں اُن کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے۔ اور یہی طرح اردوئے معلّٰی کے بارے میں ہماری رائے ہی۔ کیوں کہ وہاں لٹریچر کے سوا تفریحِ طبع زیادہ ہی اور یہاں کوئی خط فوائدِ علمیہ سے معرّی نہیں۔ اور لٹریچر کی خوبی اور اخلاق آموزی سے کوئی سطر خالی نہیں۔

---

ا۔ نو آبادی ۲۔ آخری گو مرتبے میں سب سے اخیر نہیں ۳۔ من حیث المجموع ۴۔ مضمر۔ پوشیدہ ۵۔ اور ہمارا کام صرف پونہچا دینا ہی +

**ابن الوقت** یہ کتاب اُس وقت کی تصنیف ہی جب مولنا حیدرآباد سے پنشن لے کر دہلی تشریف لائے ہندوستان کے اکثر لوگ پنشن کے یہ معنے سمجھتے ہیں کہ اب اِن کو دنیا و دین کے کسی کام سے تعلق نہیں۔ صرف آرام و آسایش سے زندگی بسر کرنا اور دن بھر گاؤ تکیئے سے لگے بیٹھے حقہ گڑ گڑانا یہی نتیجہ ہی پنشن لینے کا۔ ممکن تھا کہ ہمارے مولنا بھی انھیں احدیوں کی طرح اطمینان سے گھر بیٹھ کر پنشن کی سانی اڑایا کرتے۔ مگر اِنھوں نے اِس زمانے میں بھی اپنا وقت کبھی ضائع نہیں کیا جب کہ وہ تنگ دستی کے زمانے میں ناداری کے پائے لنگ سے سختی کے پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے اور نہ کبھی اُس وقت ضائع کیا جب کہ حکومت کے دامن دولت کے سائے تلے وہ اطمینان اور خوشی کے ساتھ بے فکری کی زندگی بسر کرتے تھے اور نہ اب جب سے کہ پنشن ملی ایک لمحے کے لیئے بے کار رہنا پسند کیا۔ ابتدا سے آج تک جہاں اور جس جگہ ہمارے مولنا رہے کہیں بھی علمی شغلے کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ غرض پنشن لینے کے بعد مولنا نے سب سے اول ۱۸۸۸ء میں یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

ابن الوقت ایک نہایت دل چسپ ناول ہی۔ اِس میں دکھایا گیا ہی کہ وضعِ ظاہر لباس اور طرزِ تمدن میں انگریزوں کی تقلید مسلمانوں کو نقصان پہنچاتی ہی۔ انگریزی وضع اور انگریزی طرزِ ماند و بود کے متعلق ہندوستان کے اخباروں رسالوں اور کلبوں اور پرایوٹ جلسوں میں بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ شروع شروع میں تو اِس پر ایسا غُل مچا اور نہ صرف عوام میں بلکہ عوام سے بڑھ کر خواص میں کہ گویا انگریزی کپڑے پہن لینا یا انگریزوں کی طرح یا اُن کے ساتھ میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کفر و ارتداد ہی۔ اور اِس کے فتوے غالباً لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لیکن زمانہ جو سب کی عقلوں کو ٹھیک بنا دیتا ہی اس غلطی کی بھی اصلاح کر رہا ہی اور بہت کچھ کر بھی چکا ہی۔ بہر کیف کفر و ارتداد کو نہ کسی نے مانا اور نہ وہ قابلِ پذیرائی تھی۔ لیکن بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ لوگ بحث کے اصلی مقصد پر آ گئے۔ یعنی یہ کہ ہندوستانیوں کے لیئے یا ہندوستان کے مسلمانوں کے لیئے انگریزی وضع اور طرزِ ماند و بود مفید اور زیبا ہی یا نہیں۔ مؤیدین و مخالفین نے بڑی بڑی موشگافیاں کیں۔ اور بال کی کھال کھینچ کر رکھدی۔ لیکن عقلِ باریک بین نے طرف دارانِ وضعِ انگریزی کے دعوے کو ڈسمس کر دیا مگر اِسی کے ساتھ مُدّعیانِ طرزِ ہندوستانی کو بھی ڈگری نہیں دی بلکہ زمانے کا پاس و لحاظ کر کے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ انگریزی وضع میں فضول خرچی اور شیخی دونوں عیب شامل ہیں۔ اور ہندوستانی طرزِ ماند و بود اور وضع میں بدتمیزی اور ستر ناپوشی اور زیادہ بد تہذیبی ہی اِس لیئے دونوں کو متروک کرنا چاہیئے۔ اور ہندوستانی انگریزی اور اَور ملکوں کی وضعِ ظاہر اور طرزِ ماند و بود سے خُذ ما صَفا وَدَع ما کَدِر کے طور پر کوئی ایسی وضع اختیار کرنی چاہیئے کہ جو نہ بدتمیزی میں شامل ہو اور نہ فضول خرچی کا اُس پر اطلاق ہو سکے۔ لوگوں نے اِس فتوے کو تہِ دل سے منظور تو کر لیا ہی لیکن اِس مخمصے میں پڑے ہیں کہ زمانے کے موافق کس قسم کی وضع اختیار کی جائے لوگوں نے اگر تھوڑی سی بھی توجہ کی تو اپنے حال کے مناسب و ضرور کوئی وضع اختیار کر لیں گے۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو سکے گا۔ ابھی تو لباس آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو رہا ہی۔ غرض ابن الوقت میں وضعِ ظاہر اور انگریزی طرزِ ماند و بود کی جو بُرائیاں دکھائی گئی ہی وہ ضرور بُرائیاں ہیں۔ اِس ناول کے ہیرو ابن الوقت نے انگریزی وضع اختیار کی اور انگریزوں کی طرح ماند و بود کرنے لگا اور اِس کی وجہ سے جو کچھ اُس کو نقصان پہنچے وہ مضامینِ ذیل سے ظاہر ہیں +

## ابن الوقت نے انگریزی وضع اختیار کرلی نوبل صاحب نے اس کی دعوۃ کی

نوبل صاحب کے پاس سے اٹھا تو جان نثار ابن الوقت کو سیدھا اس کے بنگلے پر لے گیا اور جاتے کے ساتھ حجامت کرواکر اصطباغ دی یعنی نہلا دھلا موسم اور وقت اور موقع کے لحاظ سے فیشن کے مطابق انگریزی سوٹ[1] پہنا نکٹہ ڈمی پوری یعنی بر بستر ٹائی کالر سب کس کسا کر اس کو اچھا خاصا عین تین یورپین جنٹلمین بنا دیا۔ ابن الوقت نے آئینے میں دیکھا تو اپنے تئیں انگریزوں کے ساتھ اشبہ پایا بے اختیار تن کر لگا کپڑے بدلنے کے کمرے میں پینترے[2] بدلنے۔ کھانے کے بعد اس کے کئی گھنٹے کوٹھی کی دیکھ بھال میں گزرے گرمی کے دن چاروں طرف خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی ہیں تھرمنٹیڈوٹ[3] سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے ہیں کوچ پر دراز ہونا تھا کہ آنکھ لگ گئی جاگا تو ہوا خوری کے کپڑے بدل باہر نکل گیا کوئی دو گھڑی رات جاتے جاتے لوٹ کر آیا تو نوبل صاحب کے یہاں جانے کا وقت قریب تھا ڈنر کے لیے تیاری شروع ہوئی کچہری نہیں دربار نہیں۔ کوئی پارٹی نہیں اس پر بھی دن کے گیارہ بجے سے لے کر اب یہ تیسری بار ہے کہ انگریزی تہذیب کپڑے بدلنے کی متقاضی ہے۔ سٹرک بیچ تو نوبل صاحب کی کوٹھی تھی جب معلوم ہوا کہ اور مہمان آنے شروع ہوئے یہ بھی اپنے بنگلے سے اٹھ جا موجود ہوئے کھانے سے پہلے اور کھانے میں صاحب لوگ اس کو اجنبی سمجھ کر بار بار دیکھتے تھے لیکن چونکہ کسی نے اس کو انٹرڈیوس[4] نہیں کیا تھا کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا تھا کہ تم کون ہو اور نہ یہ کسی سے بات کر سکتا تھا نوبل صاحب مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگے تھے ان سے لمحہ دو لمحہ چھٹکارا پاتے تو ابن الوقت سے ایک دو بات کر جاتے ڈنر تھا کہ اچھا خاصا پہر ڈیڑھ پہر جھمیلا تھا جہان کے قصے اور دنیا بھر کی بکواس خیر خدا خدا کر کے ڈنر سے چھٹی پائی ابھی سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں کہ نوبل صاحب نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی صاحبو! - یوں تو آپ صاحبوں سے اکیلے دوکیلے یا مجمع میں ملنا ہمیشہ خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر آج رات کی ملاقات ایک خاص وجہ سے بڑی بہت بڑی خوشی کی بات ہے آپ کو دعوت کے رقعوں سے معلوم ہوا ہو گا کہ آج کی دعوۃ سے ایک نئے دوست کو آپ کی سوسائٹی میں انٹرڈیوس کرنا منظور تھا (چیرز) اگرچہ میرے اکثر حالات غدر بھی آپ سب صاحبوں نے بار بار میری زبان سے سنے ہیں مگر میرے حق میں وہ ایسے دل چسپ ہیں کہ ہر بار کے بیان کرنے میں مجھ کو ایک نیا مزا ملتا ہے اور اس میں قیاس اور امید بھی کرتا ہوں کہ محل پر ان کا با تفصیل اعادہ کرنا نہیں بلکہ مختصر طور پر ان کی طرف اشارہ کر دینا کسی صاحب کی طبیعت پر ناگوار نہیں گزرے گا (ہر گز نہیں ہر گز نہیں) یہ ہر گز میرے خیال میں نہیں آیا کہ غدر میں مجھی پر سب سے زیادہ مصیبت پڑی مگر اتنا تو میں ضرور سمجھتا ہوں کہ میرے حصے کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی مجھ کو غدر نے اچانک آ دبایا جب کہ میں بہ عزم ولایت بمبئی جاتے ہوئے علالت مزاج کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مسافرانہ دہلی کے ڈاک بنگلے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرا جان پہچان یا دوست یا درد مند جو کچھ سمجھو میرا ایک ذاتی ملازم تھا جو اب بھی میرے پاس ہے اور وہ بمبئی تک میرے ساتھ جانے والا تھا۔ مجھ کو اس شدت کا درد سر تھا کہ تکیے پر سے سر نہیں اٹھا سکتا تھا دفعۃً دین دین اور علی علی کا غل سن پڑا اور ایک منٹ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ شہر کی بازاری خلقت بنگلے میں ٹوٹ پڑی میرا آدمی مجھ کو پیچھے معلوم ہوا میری دوا کے لیے شفا خانے گیا ہوا تھا ان ہی لٹیروں میں سے پانچ چار نے مجھ کو

---

[1] جوڑا ۱۲ [2] چرخ کی طرح کا انگریزی پنکھا ۱۲ [3] تقریب ملاقات ۱۲

کشاں کشاں کشمیری دروازے باغیوں کے گارد میں لے گئے وہاں میں نے دیکھا کہ اور چند انگریز مرد اور عورتیں اور بچے قیدیوں کی طرح زمین پر بیٹھے ہیں مجھ کو بھی اُن ہی میں بٹھا دیا مگر ہم ایک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دردِ سر جو ایک لمحے کے لئے مفارقت نہیں کرتا تھا اور جس نے مجھ کو ولایت جانے پر مجبور کیا تھا اُس وقت بالکل زائل ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے آدمی کو دیکھا کہ تماشائیوں میں ملا ہوا مجھ کو دیکھ رہا ہے اُس کا چہرہ اُداس تھا اور اُس کی صورۃ پریشان مگر وہ ٹکٹکی باندھ کر میری طرف کو دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور دیکھ بھی سکتا تو وہ مجھے کیا فائدہ پونہچا سکتا تھا۔ لیکن جب جب میں نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا کسی نہ کسی طرف اُس کو کھڑا ہوا پایا اس سے میں سمجھا کہ وہ میری مصیبت پر متاسف ہے حالات کی مصیبت کا بیان کرنا دیر طلب بات ہے اور میں اُس کے تذکرے سے سکوت کرتا ہوں کیوں کہ مجھ کو کچھ اور بھی کہنا ہے تیسرے دن ہم سب کو گھیر کر میگزین کے میدان میں لے گئے اور جب تک قلعے کے حوالاتی آئے ہم کو کھڑا رکھا پھر سب کو بٹھا کر باڑ مار دی اُس وقت تک بھی میں نے اپنے آدمی کو کالج کے دروازے کے پاس دیکھا شاید میرا دماغ مدّتوں کے دردِ سر سے ضعیف ہو رہا تھا کہ باڑ کے صدمے سے یا زخموں کی وجہ سے مجھ کو غش آگیا۔ اِس وقت تک جو کچھ میں نے بیان کیا وہ میری ذاتی معلومات ہے اس کے بعد جو میں نے آدھی رات کے بعد آنکھ کھولی اور مجھ کو ہوش آیا تو میں نے اپنے تئیں (ابن الوقت کی طرف اشارہ کر کے) اِن کے مکان میں پایا جن سے ملنے کو میں نے آپ صاحبوں کو بلایا ہے (چینرنا)[1] میں یہ بات کچھ اس نظر سے نہیں کہتا کہ اپنے وفادار نوکر کی خیر خواہی کو میں اعلیٰ درجے پر نہیں خیال کرتا۔ مگر اُس پر میرے احسانات اور نمک کے حقوق ثابت تھے۔ مگر اِن صاحب کو بلکہ اِن کے معزز خاندان میں سے کسی کو کبھی کسی انگریز سے کسی طرح کا تعلق نہیں رہا۔ اِنھوں نے چند سال تک دہلی کالج میں مشرقی علوم کی تعلیم پائی اور کالج کو چھوڑنے کے بعد اپنی موروثی خدمت پر شاہی ملازموں میں جا ملے پس عام ہمدردی اور نیک دلی کے سوائے اَور کوئی خیال اِن کی میری پناہ دہی کا محرک نہیں ہو سکتا تھا آپ میری شکل وصورت کو دیکھتے ہیں کہ اگر میں بھیس بدل کر ہندوستانیوں میں ملنا چاہتا تو رنگ اور بال اور آنکھیں ہر چیز میرا پردہ فاش کرنے کو موجود تھی اِس کے علاوہ اِن کا گھر خانقاہ ہے جس کو مجاہدین کا اکھاڑا کہنا چاہیے بہت ہی قریب ہے پس میرا پناہ دینا بڑی خطرناک بات تھی خصوصاً ملازم شاہی کے حق میں پھر مدارات جو اِنھوں نے کی شروع سے اخیر تک یکساں تھی اور یہ بھی اِس بات کی ایک دلیل ہے کہ میری پناہ دہی میں کسی غرضِ دنیاوی کو دخل نہ تھا میں اِن باتوں کو چنداں اپنی احسان مندی ظاہر کرنے کے ارادے سے ذکر نہیں کرتا بلکہ آپ صاحبوں کے ذہن سے اِس غلط اور بے اصل خیال کو نکالنا چاہتا ہوں کہ حکومتِ انگریزی کا سب سے بڑا دشمن مذہبِ اسلام ہے بانیٔ اسلام نے بالتخصیص عیسائیوں کی نسبۃ قرآن میں اپنی رضامندی اور خوشنودی صاف طور پر ظاہر کی ہے اُنھوں نے اپنے معتقدین کے لئے ہمارے ساتھ کھانا اور رشتہ و پیوند کرنا جائز قرار دیا ہے اور میں نے قسطنطنیہ اور دوسری اسلامی سلطنتوں میں مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ انگریزوں کے ساتھ بے تامل کھاتے پیتے ہیں اور اُن کا لباس بالکل ہم لوگوں کا سا ہے صرف قرآن کا شعارِ قومی مابہ الامتیاز ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں ساتھ کھانا اور رشتہ و پیوند کرنا دو بڑے ذریعے اتحاد پیدا کرنے کے ہیں اور اُن دونوں باتوں کی اجازت سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر صاحب کو منظور تھا کہ اُن کے گروہ کے آدمی ہم لوگوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھیں

[1] نعرۂ تحسین ۱۲۔

اور ہندوستان کے مسلمانوں کے سوائے اَور ملکوں کے مسلمان اِس حکم کی پوری پوری تعمیل کرتے ہیں ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی صحبت نے بڑے نقصان پہونچائے ہیں - ازانجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہو کہ یہاں کے مسلمان اُن ہی کی طرح تنگ اور وہمی ہو گئے ہیں پس جو نفرت ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں سے ہو ہرگز مذہبی نہیں ہو بلکہ ایک رسم ہو جو انھوں نے ہندوؤں سے اخذ کی ہو اور جتنے مسلمان اپنے مذہب سے بخوبی آگاہ ہیں ہرگز اِس نفرت میں شریک نہیں مجھ کو معلوم ہو کہ دہلی کے مسلمانوں میں جو مستند عالم تھے باغیوں نے ہرچند اُن پر سختی کی مگر اُنھوں نے جہاد کا فتوےٰ دینے سے انکار کیا اور اُن ہی انکار کرنے والوں میں یہ میرے دوست بھی تھے - اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ باغیوں میں بہت سے مسلمان بھی ہیں مگر کون مسلمان اکثر عوام الناس یا جی کمینے رذیل جن کے پاس رسم و رواج کے سوائے مذہب کوئی چیز نہیں یا اگر کسی ذی وقار مسلمان نے بغاوۃ کی ہو تو مذہب کو اُس نے صرف آڑ بنایا ہو اور اصل میں غصہ یا لالچ یا کوئی اَور سبب محرک ہوا ہو جس طرح ہماری قوم ہمیشہ سے بہادری میں نامور رہی ہو اسی طرح ہمارا سچا مذہب بردباری اور درگزر میں اور خدا کی مقدس مرضی نے ہم کو اِن دونوں صفتوں میں آزمانا چاہا ہم بہادری کی آزمائش میں خدا کے فضل سے پورے اُترے اب ہم کو دوسری آزمائش میں پورے اُترنے کی کوشش کرنی چاہیئے جب تک ہم مغلوب تھے ہم نے بہادری سے کام لیا اب ہم کو خدا نے غلبہ دیا ہو تو چاہیئے کہ بردباری اور درگزر سے کام لیں قدرۃ پا کر معاف کر دینے سے ایشیائی قومیں ہم کو ضعیف سمجھنے کے عوض بہت زیادہ طاقتور خیال کریں گی - سلطنۃ کی عمارۃ میں بہادری نے اگر گارے کا کام کر دیا ہو تو بردباری چونے گچ کا کام دے گی (ابن الوقت کی طرف اشارہ کر کے) انھوں نے مجھ پر اپنا یہ ارادہ بھی ظاہر کیا ہو کہ آئیندہ ہندوستانیوں یعنی کم سے کم اپنے ہم قوم مسلمانوں اور انگریزوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اگر انھوں نے ایسا کیا اور مجھ کو پورا بھروسا ہو کہ ضرور کریں گے تو گورنمنٹ کو چاہیئے کہ میری پناہ دہی سے بڑھ کر اِن کی اُس کوشش کی قدر کرے میری پناہ دہی کے صلے میں گورنمنٹ نے اِن کو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کے منافع کی زمینداری عطا فرمائی ہو اور اکسٹرا اسسٹنٹی کی خدمۃ جو ہندوستانی کے لیے اعلیٰ درجے کی نوکری ہو - تمام زمانۂ غدر میں اِن کے پاس رہنے سے مجھ کو اِن کے تفصیلی حالات معلوم ہیں علوم شرقی کے یہ بڑے عمدہ سکالر ہیں انھوں نے دہلی کالج میں جغرافیہ و تاریخ اور پولیٹکل اکانمی اور ریاضی وغیرہ علوم بہ خوبی پڑھے ہیں اِن کی عام معلومات اونچے درجے کی اور قابل قدر ہو اِن کو اخبار بینی کا بڑا شوق ہو اِن کے خیالات وسیع اور شگفتہ ہیں غرض آپ لوگ اگر اِن کے ساتھ ارتباط پیدا کرنا چاہیں گے تو مجھکو امید ہو کہ آپ اِن کی ملاقات سے ہمیشہ محظوظ ہوں گے اب شاید آپ صاحبوں کو زیادہ دیر تک باتوں میں لگائے رکھنا موجب تصدیع ہوگا اِس واسطے شکرِ قدوم پر تقریر کو ختم کرتا ہوں -

**انگریزی وضع کے ساتھ اسلام کا نبھنا مشکل ہو**

مذہب نام ہو انسان کے خاص طرح کے دلی خیالات کا اور اِس لفافے کو خدا نے ایسی مضبوطی کے ساتھ بند کیا ہو کہ ایک کے ضمائر پر دوسرا شخص کسی ڈھب سے مطلع ہو ہی نہیں سکتا علاوہ بریں مذہب ایک معاملہ ہو بندے میں اور خدا میں اور کسی شخص کو یہ حق نہیں اور ضرورت بھی نہیں کہ دوسروں کے مذہبی معاملات میں دخل دے - اِن اصول کی بنا پر ہم کو ابن الوقت کے مذہب سے متعرض ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر از بس کہ وہ مسلمانوں کی دنیا و دین دونوں کی اصلاح کا مدعی تھا ہم کو چار و ناچار دیکھنا پڑا کہ اِس کے

ل۷ سیاستِ مدن ۱۲-

مذہبی خیالات کیا تھے ہم اُن لوگوں سے سُنی ہوئی کہتے ہیں جن کو ابن الوقت کے ساتھ رات دن کی نشست برخاست ہمسایگی اور قرابتِ قریبہ کے تعلقات تھے کہ اٹھارہ بیس برس کی عمر تک ابن الوقت کا یہ رنگ رہا کہ جیسے بڑے عابد متشرع مسلمان ہوتے ہیں وہ نوافل اور مستحبات کا اس قدر اہتمام رکھتا تھا کہ ایسا اہتمام فرض و واجب کا خدا ہم کو نصیب کرے پانچوں وقت جامع مسجد کی اوّل جماعت کی تکبیرِ تحریمہ ناغہ نہیں ہونے پاتی تھی اور تہجد اور اشراق کے علاوہ تحیۃ المسجد صلوٰۃ التسبیح منزل نفل دلائل الخیرات حزب البحر اور خدا جانے اور کتنے اوراد و وظائف جمعے کے دن کبھی اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو پہر دن چڑھے سے نماز جمعہ کی تیاری ہو رہی ہے ایامِ بیض کے روزے داخل معمولات تھے پھر مدت تک ترکِ حیوانات اور چلّہ کشی وغیرہ مذہبی ریاضتوں کی زحمت اُٹھاتا رہا اُن ہی دنوں لوگ خیال کرتے تھے کہ شاید وہ شاہ حقانی صاحب سے بیعت کرنے والا ہے پھر ایک زمانے میں اس کو ہندو جوگیوں اور سناسیوں کی طرف میلان رہا پھر جو سنبھلا تو اہلِ حدیث میں جا شامل ہوا جن کو لوگ تعنتاً وہابی کہتے ہیں غدر سے چند روز پہلے وہ پادریوں کا ایسا گرویدہ تھا کہ بس کچھ پوچھو ہی نہیں نوبل صاحب کی صحبت میں اس کے مذہبی خیالات نے دوسرا رنگ پکڑا یہاں تک کہ انگریزوں میں جا ملا۔ اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا کہ اس کے مذہبی خیالات میں ایک طرح کا تنزل ضرور تھا۔ مگر تبدیلِ وضع تک ضروریاتِ دین میں اُس سے کمی سرزد نہیں ہوئی بلکہ تبدیلِ وضع کے بعد بھی لوگوں نے اس کو مسجد میں جماعت سے تو نہیں بارہا اکیلے نماز پڑھتے دیکھا یہاں تک کہ شروع شروع جن دنوں اس کو نماز روزے کی بہت پرچول تھی کچہری کے عملے ہندو مسلمان سب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ کیسے ہی کام میں مصروف ہوں اویر سویر کی تو کہی نہیں جاتی مگر نماز ابھی تک چھوڑی نہیں ہم تو ہر روز پرائیوٹ روم میں ظہر کی بلکہ جس دن دیر تک کچہری رہتی عصر کی بھی نماز پڑھتے دیکھتے ہیں لیکن انگریزی وضع کے ساتھ نماز روزے کا نبھنا ذرا تھا مشکل کوٹ تو خیر اتار الگ کھونٹی پر لٹکا دیا کم بخت پتلون کی بڑی مصیبت تھی کہ کسی طرح بیٹھنے کا حکم ہی نہیں اُتارنا اور پھر پہننا بھی دقّت سے خالی نہ تھا اس سے کہیں زیادہ دقّت طہارت کی تھی جو نماز کی شرطِ ضروری ہے پھر اکثر اتفاق پیش آجاتا تھا کہ ابن الوقت اپنے پرائیوٹ روم میں نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی صاحب اس کی کچہری میں آنکلے اور اجلاس خالی دیکھ کر واپس چلے گئے یا نماز کا وقت ہے اور انگریزوں نے آگھیرا ہے اُن کو چھوڑ کر جا نہیں سکتے یا کوئی صاحب کچہری برخاست کر کے جانے لگا تو ابن الوقت کے پاس سے ہو کر نکلا کیوں مسٹر ابن الوقت ہوا خوری کو چلتے ہو یا چلو ذرا انٹا کھیلیں یہ اور اس طرح کے دوسرے اتفاقات ہر روز پیش آتے تھے اور نماز کا التزام ممکن نہ تھا کہ باقی رہ سکے۔ ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ اکثر انگریز مطلق پابندیِ مذہب کو حمق اور سخافت سمجھتے تھے غرض نماز پر تو انگریزی سوسائٹی کا اثر یہ دیکھا کہ پہلے وقت سے بے وقت ہوئی پھر نوافل پھر سُنن جا کر نرے فرض رہے وہ بھی پانچوں وقت پہلی رکعت میں سورۂ عصر تو دوسری میں سورۂ کوثر پھر جمع بین العصرین والمغربین شروع ہوا پھر قضائے فائتہ پھر بالکل چٹ کھانے پینے میں احتیاط کے باقی رہنے کا کوئی محل ہی نہ تھا ابن الوقت کو انگریزوں کے پرچ جانے کی پڑی تھی اور وہ بے شراب کے پرچ نہیں سکتے تھے ابن الوقت نے کون سی بات اُٹھا رکھی تھی کہ وہ شراب خوری کے الزام سے ڈرتا مگر ہم کو تحقیق معلوم ہے کہ وہ شراب سے نہ بہ پاسِ مذہبِ اسلام محترز تھا بلکہ اس وجہ سے کہ ڈاکٹر نے اس کو ڈرا دیا تھا کہ اگر تم شراب پیو گے تو کوڑھی ہو جاؤ گے اس پر بھی بہت سے انگریزی کھانے ہیں کہ شراب ان کے مسالے میں داخل ہے بہتیری دوائیں ہیں کہ بدون شراب کے نہیں بن سکتیں بلکہ ان لوگوں کی

طب میں شراب خود دوا ہی کثیر الاستعمال انگریزی تمدن اختیار کرنا اور شراب سے پرہیز رکھنا ایسا ہی کہ کوئی شخص کوئلوں کی دوکان میں رہے اور مونھ کالا نہ کرے رہی انگریزی سوسائٹی کے بڑے معزز ممبر کتے کیوں کر ممکن تھا کہ جان نثار جو ابن الوقت کی تبدیل وضع میں مشاطہ کا کام دے رہا تھا انگریزیت کی شرط ضروری کو بھول جاتا اُس نے پہلے ہی سے ابن الوقت کے بیئے کئی قسم کے کتے بہم پونہچا رکھے تھے اِن میں ایسے بھی تھے کہ ہر وقت ہمزاد کی طرح ابن الوقت کے ساتھ لگے رہتے تھے غرض تبدیلِ وضع سے ایک ہی مہینے کے اندر اندر ظاہر اسلام کا کوئی اثر ابن الوقت اور اُس کے متعلقات میں باقی نہ تھا اگر کوئی انجان آدمی ابن الوقت کی کوٹھی میں جا کھڑا ہوتا ہرگز نہ پہچان سکتا کہ اِس میں کوئی انگریز رہتا ہی یا ہندوستانی بھلا آدمی جس کو انگریزی کے خبط نے گھر سے خاندان سے ابنائے جنس سے شہر سے چھڑا کر تنِ تنہا جنگل میں لا کر ڈال دیا ہی کسی انسان سے کسی طرح کی غلطی ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں مگر یہ کہ خدا نے اُس کو معصوم پیدا کیا ہو ابن الوقت سے بھی ایک غلطی ہوئی کہ اُس نے تبدیلِ وضع کو مفید سمجھا یہاں تک اِس غلطی سے اِس کے یا کسی دوسرے کے حق میں کوئی بڑی قباحت پیدا نہیں ہو سکتی تھی مگر آدمی تھا ذہین کم بخت لگا اپنے افعال کے جواز و استحسان کی تاویلیں گھڑنے اول تو اصرار خلقۃً اُس کے مزاج میں داخل تھا دوسرے مسلمانوں نے جو اِس کی تمام حرکات و سکنات کو ارتداد کہنا شروع کیا اِس سے اِس کی ضد اور بھی بڑھتی گئی اور مسلمانوں کو تو خیر اُس سے کوئی فائدہ پونہچا ہو یا نہ مگر بابِ تاویل مفتوح کر کے اِس نے مذہبِ اسلام میں تو بڑا بھاری رخنہ ڈال دیا۔ انگریزی تعلیم کی گھوس عمارتِ مذہب کے پیچھے ایسے پنجے جھاڑ کر پڑی ہی کہ کھود کھود کر سارے مذہبوں کی جڑیں کھوکلی کر دیں حتیٰ کہ عیسائیۃ کی بھی اسلام کے حصے کی دیمک اور نکل پڑی قیدِ مذہب سے طبیعتیں تھیں ملول اُفتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملا کیا کریں دل تو ہمارا بھی بہت للچایا ہی کہ چلیں ابن الوقت کے ہاتھ پر بیعۃ کر لیں اور امر و نواہی کی کشمکش سے نجات ملے مگر کانشنس[1] بھی چین لینے دے۔

## ابن الوقت کا انگریزی طرز سے متاذی ہونا

الغرض ابن الوقت کی نسبت لوگوں کے اِس قسم کے خیالات تھے ہندوستانی سوسائٹی میں بہ استثنار معدودے چند جنھوں نے اُس کی وضع کی تقلید کر لی تھی کوئی اُس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ انگریزوں میں اعلیٰ درجے کے انگریز وہ بھی سب نہیں البتہ اُس کے خیالات کی قدر و وقعت کرتے تھے بہر کیف اُس کے مخالف بہت تھے اور یہ بات خود ابن الوقت کو بھی معلوم تھی اور یہ خیال اُس کو اکثر رنجیدہ رکھتا تھا اُس کے اپنے بی بی بچے تو سب غدر سے پہلے مر کھپ چکے تھے اور یہ بے تعلقی اگر باعث نہیں ہوئی تو اُس کی آزادی میں مؤید تو ضرور ہوئی تاہم وہ بھائی بھتیجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی مفارقت کے خیال سے بھی متاذی ہوتا تھا رشتہ دار تو رشتہ دار اُسے ہندوستانی سوسائٹی کے چھوٹ جانے کا بھی افسوس تھا اور ہم نے تحقیق سنا ہی کہ اُس نے بارہا اپنے رازداروں سے کہا کہ میرے یہاں کے کھانے کی ساری چھاونی میں تعریف ہی مگر میرا یہ حال ہی کہ انگریزی کھانے کھاتے ہوئے اتنی مدت ہوئی سچ تو یہ ہی کہ ایک دن مجھے سیری نہیں ہوئی اور میں اکثر خواب میں اپنے تئیں ہندوستانی کھانا کھاتے دیکھتا ہوں۔ ابن الوقت کے خاص خدمتگار کی زبانی معتبر روایۃ ہی کہ ایک بار اُس کو سخت تپ لاحق ہوئی اور عادت کے موافق لگا بکنے تو وہ ہندوستانی کھانوں کے نام لے لے کر روتا تھا اور کھانے بھی

[1] قلب۔ دل ۱۲

ضرور ہی اور اُس کی جہاں اَور بہت سی تدبیریں ہیں ایک یہ بھی ہی کہ ہم اُن کے ساتھ اُن ہی کی زبان میں گفت وگو کر سکیں اُن ہی کے طور پر رہیں کہ اس سے اختلاط میں آسانی ہوتی ہی اور ان وغرضوں کے علاوہ ایک اہم مطلب اَور ہی کہ مسلمانوں نے جو اپنے مذہب کو ہندوؤں کے دھرم کی طرح چھوئی موئی بنا رکھا ہی ذرا ٹھیس لگی اور کُملایا - اور یہ خیال اُن کو پنپنے اور اُبھرنے نہیں دیتا - یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مُونہ سے کہتا اور دل سے اُس کا عقیدہ رکھتا اور عقیدہ نہ رکھے گا تو اس آزادی کے زمانے میں مُونہ سے کہنے ہی کیوں لگا - کوٹ پتلون پہنے ہی اور مسلمان ہی میز پر چُھری کانٹے سے کھا رہا ہی اور مسلمان ہی - انگریزی زبان بول رہا ہی اور مسلمان ہی - غرض اُس کا سارا ظاہر انگریزوں کا سا ہی اور مسلمان ہی ۔" اِس سے معلوم ہوا کہ ہمارے مولٰنا نے سرسید کے پردے میں ابن الوقت تصنیف نہیں کی - صرف وضع انگریزی کی بُرائیاں ظاہر کی ہیں اور اگر مولٰنا سرسید کی وضع پر اعتراض کرتے تو ابن الوقت کے پردے میں کیوں کرتے جب کہ رُو در رُو سرسید کے مُونہ پر بے تکان اعتراض کر بیٹھتے تھے اور سرسید اُس کا ذرا بُرا نہیں مانتے تھے - جیسا کہ بارہا لکچروں کے مواقع پر ہوا ہی - ابن الوقت اور اُن کے بھائی مولوی حجۃ الاسلام صاحب سے جو مباحثِ مذہبی ہوئے ہیں وہ بہت دل چسپ ہیں اُن تین بحثوں میں سے ہم نے صرف ایک مباحثہ نمونۃً ذیل میں درج کیا ہی جو نہایت ہی دل چسپ ہی -

## حجۃ الاسلام اور ابن الوقت کی ملاقات اور مذہبی گفتگو کی ابتدا، بحث

نماز کے بعد دونوں بھائی ملے تو ابن الوقت نے کہا بنگلے کو تو آپ دیکھ چکے ہیں اب اپنی آسایش کے موافق اسباب کے جہاں تہاں رکھنے کا حکم دیجیے اور تمام بنگلے پر تصرف کیجیے افسوس ہی کہ کمرے کم ہیں اور چھوٹے ہیں لیکن میں نوبل صاحب کی کوٹھی میں بھی چلا جا سکتا ہوں - حجۃ الاسلام - میں نے جس وقت دہلی آنے کا ارادہ کیا اُسی وقت یہ بات بھی دل میں ٹھیرا لی تھی کہ تمھارے ہی پاس ٹھیروں گا چنانچہ تم کو لکھ بھی بھیجا تھا اب اگر تم دوسری کوٹھی میں چلے گئے تو میرا یہاں ٹھیرنا بھی بے لطف ہی - ابن الوقت - لیکن تنگی کے ساتھ رہنے میں اس سے زیادہ بے لطفی ہوگی - میں بھی مجبوری اس بنگلے میں پڑا ہوں اس کی ساخت سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ بنگلہ رہنے کے لیے نہیں بنایا گیا - بلکہ شاید کسی خاص طرح کا آفس یا گودام رہا ہوگا میں شروع سے چھاؤنی میں رہتا تھا وہ بنگلہ اس قدر وسیع تھا کہ کبھی کبھی چار چار صاحب لوگ بھی میرے یہاں مہمان رہے ہیں اتنا بھی تو نہیں معلوم ہوا کہ کدھر پڑے ہیں مدۃ کے قیام میں اُس کو میں نے اپنی مرضی کے مطابق درست کر لیا تھا کمروں کی وسعت کے مناسب فرنیچر بہم پونچایا تھا بڑی محنت سے غانۂ باغ آراستہ کیا تھا گرمی کی وجہ سے کچھ یوں ہی سی روارۃ ہوا ہی ہوئی کمانڈنگ افسر نے ڈر کے مارے فوجی عہدہ داروں کے علاوہ جتنے لوگ چھاؤنی میں تھے دفعتہً سب کو اُٹھا دیا ہر چند تلاش کیا کوئی بنگلہ ڈھب کا نہ ملا ہار کر یہ بنگلہ لیا تو اِس میں بھی دو کمرے میں نے اپنی تجویز سے زیادہ کئے ہیں اِس پر بھی مطلق گنجایش نہیں اسباب برآمدے میں پڑا پڑا خراب ہو رہا ہی - لوکیلٹی چنداں بُری نہیں مگر خوف ہی کہ کہیں تنگی کی وجہ سے تن درستی میں خلل نہ آ جائے - حجۃ الاسلام - سچ ہی انسان بھی عجیب قسم کا مخلوق ہی پھیلنا چاہے تو یہاں تک کہ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند اور سکڑنے پر آئے تو اتنا کہ دہ درویش در گلیمے بخسپند مجھے تو صرف ایک کمرہ کافی ہی اور میں اپنے گھر بھی ایسے ہی مختصر طور پر رہتا ہوں یوں تو مکان بہتیرا وسیع ہی مگر میرے ذاتی استعمال میں صرف ایک دالان اور ایک حجرہ ہی جن دونوں

کا مجموعہ تمھارے اس بڑے کمرے کے شاید برابر ہو مگر میں تو سمجھتا ہوں کچھ چھوٹا ہی ہو گا سو دالان اور حجرہ بھی میرے
استعمال میں اس طرح پر ہی کہ جاڑے کے دنوں میں تو میں دالان میں کبھی پانو بھی نہیں رکھتا حجرے میں میری چارپائی بچھی رہتی
ہی چارپائی کے آگے اتنی جگہ ہی کہ فراغت سے پانچ چھے اور ذرا تنگی سے سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں لوگوں سے ملنا جلنا لکھنا
پڑھنا کھانا نماز پڑھنا غرض میری اکثر ضرورتوں کے لیئے وہی ایک حجرہ کفایت کرتا ہی اور جب یہ خیال کرتا ہوں کہ اتنی بڑی
زمین میں سے آخرِ کار مجھے چند روز کے لیئے ایک قبر کی جگہ ملے گی نہیں معلوم کہاں اور اس کا بھی پورا یقین نہیں تو بے اختیار
حضرت لقمان کا مقولہ یاد آتا ہی ع ان ہذا لمن یموت کثیر[۱] - ابن الوقت - مجھ کو حیرت ہی کہ اس طرح کی زندگی میں آپ کی تن درستی
کیوں کر باقی رہتی ہی - حجۃ - اُسی طرح باقی رہتی ہی جس طرح اور لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کی باقی رہتی ہی اور جس طرح اب سے
ڈھائی تین برس پہلے خود تمھاری باقی رہتی تھی - ابن الوقت کیا خاک باقی رہتی ہی ابھی پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ صدہا
آدمی شہر میں ہیضہ کر کے مر چکے ہیں لگا تو ہمارے یہاں بھی لگ چلا تھا شروع شروع میں کچھ آدمی بازار میں مرے پھر بعض
صاحب لوگوں کے شاگرد پیشوں میں ہیضہ تو کئی نے کیا مگر شاید صرف دو آدمی ہلاک ہوئے خیر ان لوگوں میں اگر ہیضہ پھیلا تو کچھ
تعجب کی بات نہیں کیوں کہ کتنی ہی تاکید کی جائے یہ لوگ صفائی کا اہتمام جیسا چاہیئے نہیں رکھتے پر نہیں رکھتے مگر بارک ماسٹر کے بنگلے
میں تین صاحب لوگ اور ٹھیرے ہوئے تھے چار گھنٹے میں آگے پیچھے سب نے ہیضہ کیا ایک انجنیر تو مرا باقی بچ گئے چھاونی میں
اس کا بڑا غل ہوا اور کمانڈنگ افسر نے ڈاکٹر سے کیفیت طلب کی ڈاکٹر صاحب نے بہتیری ہی تحقیقات کی کچھ پتہ نہیں چلتا تھا
کہ بارک ماسٹر کے بنگلے میں ہیضہ کہاں سے آ کودا - بنگلہ بڑے اونچے ٹیلے پر واقع اطراف و جوانب میں بنگلے کے شاگرد پیشوں میں
کہیں بیماری کا نام نہیں - بنگلے کے آس پاس کیا بلکہ سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے تک تالاب نہیں نالی نہیں خندق نہیں
کھیتی نہیں جھاڑ جھنکاڑ نہیں قبرستان نہیں چاروں طرف کفِ دست میدان پڑا ہی صاف ستھرا آخر سُراغ لگاتے لگاتے
کیا معلوم ہوا کہ چائے کے لیئے جس گھوسی کے یہاں سے دودھ آتا ہی بھینسوں کو موضع دکھیاری کے تالاب میں لے جا کر
پانی پلاتا ہی اور دکھیاری میں اس بیماری کا بڑا ہی زور تھا - حجۃ الاسلام یہ سُن کر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ واقع میں
ڈاکٹر صاحب نے سبب تو خوب گھڑا ہیضہ گانو سے تالاب میں آیا تالاب سے بھینس میں بھینس سے دودھ میں دودھ سے
چائے میں چائے سے صاحب لوگوں میں مگر ان ہی ڈاکٹر صاحب سے یہ بھی پوچھنا چاہیئے تھا کہ دکھیاری میں کہاں سے
آیا - ابن الوقت - عموماً ہندوستانیوں کا اور خصوصاً دیہاتیوں کا اور غربا کا طرزِ تمدن اس طرح کا واقع ہوا ہی کہ ہندوستان
کی سرزمین میں ہر جگہ ہیضے کا بیج موجود ہی گرمی پڑی اور بیج پھوٹا دکھیاری میرا دیکھا ہوا ہی ہوا خوری کی تقریب سے میں
کئی بار اُس گانو میں ہو کر نکلا ہوں کوئی دو پونے دو سو گھر کی بستی ہی اور ابھی حال میں دس برس کے اندر اندر آباد ہوا ہی معلوم
ہوا کہ جس کسی کو گھر بنانا منظور ہوتا ہی ایک جگہ مقرر کر کے وہیں سے مٹی کھود کھود کر دیواریں کھڑی کر لیتا ہی اور یہی سبب ہی کہ کوئی گھر
نہیں جس کے پاس گڑھا نہیں گھر کا کوڑا کرکٹ گوبر الابلا ان ہی گڑھوں میں ڈالتے رہتے ہیں ہر گڑھا کھاد کا کھتّا ہی برسات کے دنوں
میں پانی بھر کر سارے برس پڑا سڑتا ہی یہ تو بستی کی کیفیت ہی گانو کے قریب ایک تالاب ہی اُسی میں عورت مرد نہاتے اور مویشی پانی پیتے
ہیں بیچ میں سنگھاڑے بوئے ہیں ایک طرف کو بہت دور تک سن کے انبار پڑے ہیں اور وہیں دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں حجۃ الاسلام

[۱] یہ اُس شخص کے لیئے جو مرنے والا ہی بہت ہی

کیا اسی تالاب نے انجنیر صاحب کو مارا ہی - ابن الوقت - نہیں جناب وہ تو سوا نے پر کا دوسرا تالاب ہی اور گاؤں کے تالاب سے کسی قدر صاف بھی ہی - حجۃ الاسلام - جو کیفیۃ تم نے دکھیاری کی بیان کی حقیقۃِ نفس الامری ہی اور دکھیاری پر کیا موقوف ہی تمام دیہات کا ہی بلکہ صفائی کے اعتبار سے اِس سے بدتر حال ہی مگر یہ تو کہو اِسی حالۃ میں بعض جو مبتلائے ہیضہ ہوئے اُن میں سے بھی بعض جیتے رہے بلکہ یوں کہو کہ کم مبتلائے ہیضہ ہوئے اور ان میں سے بھی کم مرے تو اگر بارک ماسٹر اور کون اور کون چار انگریزوں کے ہیضہ کرنے کا اور اگر ان میں سے ایک انجنیر کے مرنے کا موضع دکھیاری بہ وسائطِ چند در چند باعث ہوا ہی تو جو لوگ بالکل ہیضے سے محفوظ رہی اُن کے محفوظ رہنے کا اور جو مبتلائے ہیضہ ہو کر جان بر ہوئے اُن کے جان بر ہونے کا بھی کچھ نہ کچھ سبب تو ضرور ہوگا یعنی اگر مرض اور موت کے لیئے سبب درکار ہی تو تن درستی اور زندگی کے لیئے بدرجۂ اولیٰ کیوں کہ مرض اور موت کے واقعات کم ہیں اور تن درستی اور زندگی کے کہیں زیادہ - ابن الوقت - میں ایسا سمجھتا ہوں کہ لوگوں کے مزاج ہیں متفاوت بعض طبائع میں متاثر اور مغلوبِ مرض ہونے کی استعداد قوی ہوتی ہوگی بعض میں ضعیف - حجۃ - تفاوتِ امزجہ سے تمھاری مراد صفراوی بلغمی دموی سوداوی کا اختلاف ہی کیا - ابن الوقت - نہیں نہیں ان تمام مزاجوں کے آدمیوں کو یکساں طور پر مبتلا ہوتے بھی دیکھا اور مرتے بھی دیکھا بلکہ وہ کسی خاص قسم کی کیفیۃ ہوتی ہوگی جو طبیعۃ کو قبولِ مرض کے لیئے پہلے سے آمادہ کر رکھتی ہوگی - حجۃ - تو جس کو تم سبب سمجھتے تھے سبب نہ رہا کیوں کہ بدون استعداد طبیعۃ کے اس کا عمل معطل ہی اس کے علاوہ بعض اوقات یورپ کے ایسے مقامات بھی مبتلائے ہیضہ ہوئے ہیں - جن میں صفائی کے بڑے اہتمام ہیں پس تمھارے اصول کے مطابق اُن مقامات میں ہیضے کے پیدا ہونے کا کوئی محل ہو نہیں سکتا مدتوں تک ڈاکٹر اس مرض کو متعدی مانتے رہے بایں شدۃ کہ جو شخص بدقسمتی سے اس مرض کی چپیٹ میں آجاتا کوئی اُس کی تیمارداری تک کو کھڑا نہ ہوتا مرے پیچھے اُس کے کپڑے لتّے سب جلا ڈالتے مکان میں دھونیاں سلگاتے قلعی پھرواتے مٹی تک کھود کر پھنکوا دیتے اور ابھی تک اکثر بندرگاہوں میں کوارنٹائن (قرنطینہ) کے قواعد کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ مرعی ہی بہ ہر کیف مرض کے متعدی ہونے کی صورۃ میں ممکن ہی کہ ہیضے کا وطنِ اصلی اور اُس کی پیدائش کی جگہ ہمارا ہی ملک ہو اور لوگوں کے اختلاط کی وجہ سے یورپ میں جا نکلتا ہو مگر اب تو بڑے بڑے ڈاکٹروں کا اجتماع اس پر ہی کہ تعدیہ کی کچھ اصل نہیں - بات یہ ہی کہ ہر چند فی زماننا ہزارہا بہت سے جدید علوم ایجاد ہوئے ہیں فنِ طبابۃ میں بھی بڑی نمایاں ترقی ہوئی ہی مگر تاہم ظنی ہی اور انتظامِ الٰہی مقتضی ہی کہ ظنی رہے - جب لوگ ہیضے کے متعدی ہونے کے معتقد تھے وہ بھی ایک امرِ مظنون تھا اب اگر عدمِ تعدیہ کے قائل ہیں تو یہ بھی امرِ مظنون ہی ڈاکٹر اپنی طرف سے بھتیری ٹاںک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں مگر اس وقت تک کہیں سے کچھ پتہ نہیں چلا کہ ہیضہ ہی کیا چیز کیوں کر پیدا ہوتا اور ترقی کرتا اور کیوں کر معدوم ہو جاتا ہی اور جس طرح سانپ کے کاٹے کا کوئی تریاق محقق نہیں اسی طرح ہیضے کا کوئی حکمی علاج معلوم نہیں پس بھائی ہم تو اپنے ایمان کو ڈانوا ڈول نہیں ہونے دیتے دل میں یہ بات ٹھن گئی ہی کہ اپنی خوشی دنیا میں آ نہیں گئے خدا نے پیدا کیا ہی اُسی نے ہر فردِ بشر کی حیاۃ کی ایک مدۃ مقرر کر دی ہی اور اُس مدۃ کی خبر بھی اپنے ہی تک رکھی ہی کسی کو اُس سے آگہی نہیں وقت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا پھر کیوں گھبرائیں اور وعدہ پورا ہوئے پیچھے کوئی رُک نہیں سکتا تو کس برتے پر اترائیں - اذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون[۱] - ابن الوقت - آہا معلوم ہوتا ہی کہ آپ دنیا کو عالمِ اسباب نہیں جانتے بلکہ شاید عقل و تدبیر کو بھی نہیں مانتے - حجۃ - بس ایسا ہی عالمِ اسباب مانتا ہوں کہ متصرف فی الامور وہ خود ہی اور کسی مصلحۃ سے اُس نے اسباب کا جال پھیلا رکھا ہی اسباب و نتائج میں جو تعلق ہی اُس کو میں اسرارِ الٰہی میں سے سمجھتا ہوں فہمِ بشر سے خارج اسباب کو ایجاد و تکوین میں

---

[۱] جب لوگوں کی موت کا وقت آ پہنچا ہی تو وہ نہ ایک ساعۃ پیچھے ہٹ سکتے نہ ایک ساعۃ آگے بڑھ سکتے ہیں ۱۲

اتنا بھی تو مدخل نہیں جتنا ایک کاریگر کے اوزار کو اُس کے عمل میں ہوتا ہی کاریگر اوزار کا محتاج ہی اور خدا جلّ و علاشانہ کو کوئی سبب درکار نہیں مگر ہاں عادۃ الٰہی یوں ہی جاری ہی الاماشاء اللہ کہ ہر واقعے کے لیئے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہی اسباب نامتناہی ہیں اور ان پر بتمامہا احاطہ کرنا مقدورِ بشر نہیں مگر خدا نے جب جب جتنا مناسب سمجھا انسان پر منکشف کیا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا[۱۵] - اگرچہ عقل انسانی کسی حالۃ میں خطا سے محفوظ نہیں - مگر اسباب کے بارے میں تو لوگ ایسی ایسی مکروہ غلطیاں کرتے ہیں کہ معاذ اللہ عالم اسباب میں پیدا ہوئے عالمِ اسباب میں رہے کوئی واقعہ نہیں جس کے لیئے ان کو سبب کی تفتیش نہ ہو اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہی کہ اصلی سبب کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تو ادّعائی اسباب ٹھیرا لیتے ہیں - نجوم اور جفر اور رمل اور قیافہ وغیرہ بہت سے لغویات ہیں جن کا ماخذ سوائے اسباب اِدّعائی کے اَور کچھ نہیں اور کبھی سبب تو ہوتا ہی ٹھیک مگر اُس کے شرائط کا خیال نہیں رہتا مثلاً فرض کرو کہ سیسے کی ایک گولی ہو اور اُسی قدر قامتہ کی دوسری کوئی روئی کی ہو ہلکی پھلکی اور قطب صاحب کی لاٹ پر جاکر دونوں گولیوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیں تو ضرور سیسے کی گولی پہلے گرے گی اب یہ ایک واقعہ ہی اور اس کا سبب ہی ثقل مگر اِس کے ساتھ ایک شرط بھی ہی کہ لاٹ کی چوٹی سے زمین تک گولیوں کے رستے میں خلا نہ ہو کیوں کہ خلا ہوگی تو گرنے میں ہلکی بھاری دونوں برابر - پھر انسان سبب بھی اپنی مرضی کا ڈھونڈتا ہی یعنی جس قسم کے اسباب سے خوگر ہی مثلاً اگر کوئی مریض کیسی ہی ردی حالۃ اُس کی کیوں نہ ہو اگر کسی دوا سے دفعۃً اچھا ہو جائے اگرچہ وہ دوا چولھے کی راکھ ہی کیوں نہ ہو تو کسی کو بھی استعجاب نہ ہو کیوں کہ دوا درمن سے اچھا ہونا ایک معمولی بات ہی لیکن فرض کرو کہ بجائے دوا کے کوئی شخص دم کر دینے سے یا نظر بھر کر دیکھ لینے سے سلب مرض کر دے تو سننے والوں میں سے تو شاید سو میں ایک کو بھی یقین نہ آئے اور دیکھنے والے بھی اکثر جادو اور نظر بندی اور مغالطہ دہی پر محمول کریں اور اسی بنا پر فلاسفہ اور دہری معجزاتِ انبیاء پر (علیٰ نبینا و علیہم السلام) بڑے شد و مد کے ساتھ اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں میں نے کسی دہری کی تحریر دیکھی ہی جس میں اُس نے لکھا تھا کہ قانونِ فطرۃ یا عادۃ اللہ شہادۃ کے لیئے کسوٹی ہی شہادۃ وہیں تک معتبر ہو سکتی ہی کہ قانونِ فطرۃ کے مطابق ہو یعنی اُس کا مقولہ یہ تھا کہ قانونِ فطرۃ کے خلاف ہم کسی شہادت کو نہیں مان سکتے یا یہ عبارت دیگر مخالفہ قانون فطرۃ شہادۃ کے متّہم بالکذب بلکہ مردود کرنے کو کافی ہی - یہ صاف مصادرہ علی المطلوب ہی - جب ایک شخص کہتا کہ فلاں واقعہ خلافِ معمول مستمر واقع ہوا - مثلاً یہ کہ ایک شخص نے ایک ڈول پانی سے ایک لشکر کو سیراب کر دیا تو اب صرف اِس وجہ سے کہ یہ واقعہ عجیب و غریب ہی - وقوعِ واقعہ سے انکار کرنا ہیکڑی اور ہٹ دھرمی اور کٹھ حجتی نہیں تو کیا ہی -

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتہم تاویلہ[۱۶] کذلک کذب الذین من قبلہم فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین[۱۷] اسباب کے بارے میں ایک کثیر الوقوع اور خطرناک غلطی یہ ہی کہ نتائج کو اسباب کی طرف اِس طرح منسوب کیا جاتا ہی - گویا اسباب ہی فاعل اور مکون اور متصرف ہیں - پانی غلہ اُگاتا ہی - کونین دافعِ تپ ہی - سنکھیا سم قاتل ہی - اور یہی ہی مظنۂ شرکِ خفی اعاذنا اللہ منہ[۱۸] اور میرے پندار میں وما یومن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون[۱۹] میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہی غرض اسباب کا مسئلہ بڑا نازک اور مشکل اور مزلۃ الاقدام ہی -

ابن الوقت - یہ تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ طب کے احکام مسائلِ ہندسی کی طرح یقینی ہیں مگر اس فن میں اِس قدر ترقی ضرور ہوئی ہی کہ یوروپ میں عمروں کا اوسط بڑھا ہوا ہی مردم شماری کی افزائش کا پرتہ زیادہ ہی خاص خاص امراض کے ایسے

[۱۵] اور تم لوگوں کو بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہی ۱۲ [۱۶] بلکہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جس کا ان کو علم نہیں جھٹلا دیا حال آنکہ اُس کی تاویل ابھی تک اُن کے پاس نہیں آئی اِسی طرح اُن لوگوں نے جھٹلایا جو اُن سے پہلے تھے تو دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہوا ۱۲ [۱۷] ... [۱۸] خدا ہم کو اُس سے محفوظ رکھے ۱۲ [۱۹] اور اُن میں سے بہتیرے تو خدا پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ شرک کرتے ہیں ۱۲

پلاؤ زردہ متنجن بریانی نہیں بلکہ مونگ کی دال کا بھرتا دھوئی ماش کی پھریری دال قلمی بڑے کباب امرودوں کے کچالو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چٹپٹی چیزوں کو ترس گیا تھا۔ معلوم ہو کہ ابن الوقت ابتدائے تبدیل وضع سے گھر بار چھوڑ کر باہر چھاؤنی میں جا رہا تھا اُس کے پاس اتنے نوکر چاکر تھے کہ اُس کی کوٹھی کا احاطہ بجائے خود ایک چھوٹا سا محلہ تھا لیکن اُس کی زندگی ویسی ہی اُداس زندگی تھی جیسے ایک بچلیر[۱] کی ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ وہ نوکروں کے حق میں بڑا سیر چشم آقا تھا۔ اُس کے یہاں نوکروں کی ایسی بھاری تنخواہیں تھیں کہ دلی کی اتنی بڑی چھاؤنی میں بس دو چار ہی جگہ اور ہوں گی اس لیے کہ اس کے تمام نوکر سلیقہ مند اور مستعد تھے۔ اور حق بات یہ ہے کہ انہی نوکروں نے انگریزی سوسائٹی میں اُس کی اتنی بات بھی بنا رکھی تھی مگر نوکر کیسے ہی ہوشیار کیوں نہ ہوں پھر بھی مالک کی تائید کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ انگریزی زندگی ایسے بکھیڑے کی زندگی تھی کہ ابن الوقت کو جتنا وقت کچہری اور ملاقات سے بچتا تھا صفائی کی نگرانی اور ہر چیز کی خبر گیری کے لیے بمشکل وفا کرتا تھا یہ سچ ہے کہ اُس کے نوکر انگریزی مذاق سے خوب واقف تھے مگر ابن الوقت سے خود صبر نہیں ہو سکتا تھا اور وہ اپنی طرف سے ایسی خراش تراش ایجاد کرنے لگا تھا کہ خواہی نخواہی اُس کو دیکھنا پڑتا تھا۔ دعوت ایسے مزے کی چیز ہے کہ کھلانے والا اور کھانے والا دونوں ہی خوش ہوتے ہیں مگر ابن الوقت کے یہاں کی دعوت اُس کے حق میں ایک مصیبت ہوتی تھی کھانا تو کہیں جا کر رات کے نو دس بجے نصیب ہوتا اور اہتمام کی آندھی صبح سویرے سے چلنی شروع ہو جاتی تھی ہم کو تو کوئی دعوت ایسی یاد نہیں کہ ابن الوقت تکان کی وجہ سے اُس کے بعد علیل نہ ہوا ہو پھر چھٹے چھمّاہے دعوت ہو تو خیر یہاں ہر مہینے کچھ نہ ہو تو بڑے کھانے دو تین۔ بلکہ بعض اوقات تو ابن الوقت گھبرا کر بول بھی اُٹھتا تھا کہ یہ میں نے کہاں کا کٹھراگ اپنے پیچھے لگا لیا ہے یہ تو میزبانی کی لذتیں تھیں مہمانی کے ذائقے اِن سے بھی زیادہ تلخ۔ اگر سٹیشن میں کسی انگریز کے یہاں کھانا ہے اور اُس نے ابن الوقت کی دعوت نہیں کی اور ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا تو اُس کے دل پر ایک صدمہ گزرتا تھا اور وہ اُس کو اپنی تذلیل سمجھتا تھا نہ صرف انگریزی سوسائٹی میں بلکہ جی ہی جی میں اپنے نوکروں تک سے کئی کئی دن شرمندہ رہتا تھا اور اگر اُس کا بھی بُلاوا ہوا تو صاحب خانہ کے گھر میں قدم رکھتے ہی اُس کو ان فکروں نے آ گھیرا کہ کسی کی کیسی آؤ بھگت ہوئی کون لیڈی کس صاحب کے پاس بیٹھی اور اگر یہ مخمل رہ گیا یا کوئی چیز اپنے یہاں سے بہتر نظر پڑ گئی تو وہ دعوت اُس کے لیے عداوت ہو جاتی تھی۔ الغرض انگریزی سوسائٹی کے داخل ہونے کے خبط نے اُس کو ایسا بے چین کر رکھا تھا کہ دن رات میں دو چار منٹ کے لیے وہ بھی شاید اُس کو خوشی ہوتی ہو تو ہوتی ہو ورنہ جب دیکھو منقبض جب سنو آزردہ۔ ذرا سوچنے اور خیال کرنے کی بات ہے کہ جو شخص دنیا میں اس قدر منہمک ہو اُس کو دین داری سے کیا سروکار سچی دین داری کی بڑی شناخت ہے زہد جتنا جس سے ہو سکے اور کجا زہد اور کجا یہ فضول و لایعنی بکھیڑے سو بھی ہم نے ابھی تک سب نہیں بلکہ نمونے کے طور پر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کا تذکرہ کیا ہے ابن الوقت بیچارے مصیبت کے مارے کو ایک سے ایک سخت مشکل در پیش تھی کہ وہ تو وہی ہٹ کا پورا تھا کہ اِن آفتوں کو کسی طرح جھیلتا رہا دوسرا تو کبھی کا بھاگ کھڑا ہوتا اور پھر ساری عمر انگریزی سوسائٹی کا نام نہ لیتا ہاتھیوں کے ساتھ گنّے کھانا ایسا کیا کچھ لڑکوں کا کھیل ہے۔ ابن الوقت غدر سے پہلے بھی اچھا خاصا خوش حال تھا قلعے کی تنخواہیں تو تھوڑی تھیں مگر اوپر سے انعام اکرام وغیرہ ملا کر بہت کچھ بڑھ رہتا تھا ہمارے اندازے میں ابن الوقت کی آمدنی پچاس روپے ماہوار سے ہرگز

[۱] مجرد [۲] اکیلا

کم نہ تھی اور غدر کے بعد سے تو کچھ پوچھنا ہی نہیں نہ سو نہ سوا سو ماشاء اللہ ایک دم سے پانسو اس آمدنی پر اچھے سے اچھا کھاتا اچھے سے اچھا پہنتا غرض امیرانہ خرچ رکھتا مگر ہندوستانیوں کا سا تو چند سال کے عرصے میں اُسکے پاس معتد بہ سرمایہ ہو جاتا لیکن اُس نے کرنی چاہی انگریزوں کی ریس پورا سال بھر بھی خیریت سے گزرنے نہیں پایا تھا کہ لگا اُدھار کھانے جس وقت اُس کو جان نثار نے نہلا دُھلا کر پہلے پہل انگریزی کپڑے پہنائے تو کوٹھی کا ساز و سامان اور اپنی شان دیکھ کر اُس کو اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ اپنے آپے میں نہیں سماتا تھا اور ابھی اِس خوشی کا اثر طبیعت پر باقی تھا کہ ایک چپراسی بڑا لمبا چوڑا لفافہ لیئے ہوئے برآمدے تک آیا قاعدے کی مطابق بیرے[۵۱] نے لفافہ کشتی میں رکھ نئے صاحب کے حضور میں پیش کیا کھولا تو جنرل سپلائر کا بِل تھا۔ کتنے کا۔ کچھ اُوپر پانچ ہزار کا۔ پانچ ہزار کی رقم دیکھ کر قریب تھا کہ حواسِ خمسہ مختل ہو جائیں۔ مگر سنگ آمد و سخت آمد چون و چرا کرنے کا موقع نہیں قہرِ درویش برجانِ درویش دینا ہی پڑا مگر کیوں کر ہزار کا توڑا گوبل صاحب کا دیا ہوا سربند رکھا ہوا تھا وہ لیا اور بہ ہزار مشکل دو ہزار گھر میں سے فراہم کیے پھر بھی سوا دو ہزار اَور رہوں تو بنڈ چھوٹے بارے غدر سے پہلے نواب معشوق محل بیگم صاحب کی سرکار میں ابن الوقت کی معرفت گڑ والوں کا لین دین تھا ڈرتے ڈرتے اُن کو رقعہ لکھا اسامی تھی کھری اور جان دار اُنھوں نے بے تامل روپیہ حوالے کیا یوں جنرل سپلائر کا پوت پورا ہوا رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ لیکن ابن الوقت نے تو خرچ کا ڈربا کھول دیا تھا جس نسبت سے اُس کی آمد بڑھی تھی اگر اُسی نسبت سے خرچ بھی بڑھتا تو چنداں حرج کی بات نہ تھی پر اُس نے لپٹنے کے ساتھ چادر کے باہر پانو پھیلا دیئے اول سرے گھر کے تہرے چوہرے مکان ہوتے ساتے چالیس رو پے مہینے کا بنگلہ پھر فٹن ٹمٹم (ڈینڈم) بروم۔ پالکی گاڑی چار قسم کی بگھیاں اور چار کے چار گھوڑے اور ایک زین سواری کا پانچ۔ دھوبی۔ سقا۔ چوکیدار۔ فراش مشعلچی۔ باورچی میٹ۔ سائیس۔ گراس کٹ۔ مالی۔ بیرا۔ دو ڈھائی درجن کے قریب شاگرد پیشہ۔ اُن کی تنخواہیں اور تنخواہوں کے علاوہ وردی اُسی کی مناسبت سے دوسرے مصارف باستثنائے مبہر کہ اُس کا کچھ اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مہینے میں اچھے جید دو کھانے بھی ہو گئے تو ساری تنخواہ پہ پانی کا پھر جانا کچھ بات نہیں۔ ابن الوقت نے شروع شروع میں شاید تین یا چار تنخواہیں وقت پر لی ہوں گی اِس کے بعد سے تو خزانچی کے ساتھ معاملہ ہو گیا ایک چھوڑ دو مہاجن دینے والے جب ضرورت ہوئی جس سے جتنا چاہا منگوا لیا۔ تنخواہ تو اوپر سے اوپر خزانچی لے لیا کرتا تھا اور زمینداری کا محاصل گڑ والوں کی کوٹھی میں چلا جاتا تھا ان بچہ کو انگریز بننے کی دُھن میں اتنی بھی خبر نہ تھی کہ سر پر کتنا قرضہ لدتا چلا جا رہا ہے یہ تو اپنے ان خیالات میں مست تھا کہ صاحب کمشنر مجھ کو مائی ڈیر[۵۲] ابن الوقت اور اپنے تئیں یور سینرلی[۵۳] لکھتے ہیں۔ چیف کمشنر نے سالانہ رپورٹ میں میری کارگزاری کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جوڈیشل کمشنر نے ایک فیصلے میں میری نسبت یہ لکھا ہے کہ اس کی طبیعت کو قانون سے فطرۃً مناسبت ہے فنانشل کمشنر نے فلاں سرکلر کا مسودہ مجھ سے طلب کیا تھا اُن کی چٹھی موجود ہے اب جو چھپ کر آیا تو میں دیکھتا ہوں ایک لفظ کا رد و بدل نہیں کیا۔ قانونِ شہادت کی فلانی دفعہ میرے اصرار سے بڑھائی گئی یعجس لیٹف کونسل کے لیگل ممبر نے مجھ کو چٹھی میں اطلاع دی مگر نہیں معلوم اپنی اسپیچ میں میرا تذکرہ کیوں نہیں کیا یا تو رپورٹر کی فروگزاشت ہے یا ممبر صاحب کو اُس وقت خیال نہ رہا ہو گا۔ فلاں صاحب نے ولایت سے میرا فوٹوگراف منگوایا ہے اور لکھتے ہیں کہ میم صاحب متقاضی ہیں۔ او ہو مس جوزفا جو ہمارے ڈائننگ روم[۵۴] کی تصویروں کو بہت پسند کرتی تھی اور گھنٹوں ہمارے کتوں سے

[۵۱] انگریزوں کا خدمتگار ۱۲ [۵۲] عزیز من ۱۲ [۵۳] تمہارا مخلص ۱۲ [۵۴] کھانے کا کمرہ ۱۲

کھیلا کرتی تھی ابھی ولایت کی ڈاک میں اُس کی ماں کی چٹھی آئی ہے ایک بڑے سوداگر کے ساتھ اُس کی شادی ہونے والی ہے۔ میجر صاحب نے آئیس کریم (ملائی کی برف) جمانے کے لیئے ہمارے آدمی کو بلا بھیجا ہے یہاں سے برف ہی جما کر نہ بھیج دی جائے۔ کرنیل صاحب کا اسباب نیلام ہوگا تو دو گھوڑے ہم ضرور لیں گے کیونکہ ہم نے خوب خیال کر کے دیکھا تو ہمارے دو گھوڑے ہمیشہ صاحب لوگوں کی سواری میں رہتے ہیں اور چڑیوں اور پھولوں کے گملوں کو تو ہم اُن سے زبانی کہہ چکے ہیں پرسوں گیا اتفاق ہوا کہ میں ٹھنڈی سڑک پر جا رہا تھا کپتان صاحب اور اُن کی میم آتے ہوئے ملے بڑے تپاک سے صاحب سلامت ہوئی میم صاحب کے ہاتھ میں ایک پھول تھا اُنھوں نے میری طرف پھینک دیا کپتان صاحب بولے مسٹر ابن الوقت میرے پاس کوئی پھول نہیں کہ میں تم کو دیتا تو میں نے کہا آپ کے پاس تو نہایت خوب صورت گلدستہ ہے میم صاحب نے اس کا بڑا شکریہ ادا کیا اور دونوں میاں بی بی ہنستے ہوئے برابر سے نکل گئے۔ فرنڈ آف انڈیا[لہ] نے ایک آرٹکل میں مجھ کو مسلمانوں کا مشہور رفارمر لکھا ہے۔ غرض جس طرح ایک آدمی کو کسی بات کی زٹ نہیں لگ جاتی بس ابن الوقت کو انگریز بننے کی زٹ تھی شروع شروع میں تو اس کو مسلمانوں کے حال پر بھی ایک طرح کی نظر تھی لیکن چند روز کے بعد اُس کی ساری رفارم اسی میں منحصر ہوگئی تھی کہ انگریزی اوضاع و اطوار میں سے کوئی وضع اور کوئی طور چھوٹنے نہ پائے کم بخت آپ بھی برباد ہو رہا تھا اور اُس کی دیکھا دیکھی کچھ ایسی ہوا چلی کہ مسلمانوں کے نوجوان لڑکے خصوصاً جنھوں نے ذرا سی انگریزی پڑھ لی تھی یا جو گھر سے کسی قدر آسودہ تھے تباہی کے لچھن سیکھتے چلے جاتے تھے۔ اِس کے اندرونی حالات کی تو کسی کو خبر نہ تھی ظاہر میں دیکھتے تھے کہ انگریزوں میں ملتا جلتا ہے جو بات کسی ہندوستانی عہدہ دار کو نصیب نہیں اُس کو حاصل ہے اور لوگوں کی نظر میں انگریزی وضع کی ہیبت بھی ہے بس احمقوں کو اتنے موجباتِ ترغیب کافی تھے مگر ہے یہ کہ انگریزی وضع خدا کے فضل سے جو کسی ایک کو بھلی ہو سبھی نے تو اپنی اپنی جگہ تھوڑا بہت نقصان اُٹھایا اور شاید نقصان نہ بھی اُٹھایا ہو تو کسی کو کسی قسم کا فائدہ تو نہیں ہوا۔ کسی جگہ شروع کتاب میں لکھا جا چکا ہے کہ نوبل صاحب کو ایک طرح کا ہلکا ہلکا دردِ سر ہر وقت رہتا تھا اور اُسی کے علاج کے لیئے رخصت لے کر ولایت جا رہے تھے کہ غدر کی وجہ سے دلّی میں گھر گئے کیا خدا کی شان ہے کہ نہ دوا نہ درمن سارے غدر اور غدر کے بعد بھی مدتوں تک اب اُس درد کا کہیں پتہ نہ تھا ہر چند اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیئے اُن کا جی ولایت جانے کو چاہتا تھا مگر دیکھتے تھے کہ سلطنت متزلزل ہو رہی ہے کام کی ہر جگہ کثرت ہے ایسے وقت میں تو اگر صاحب ولایت بھی ہوتے تو اُن سے ایک دن وہاں نہ ٹھیرا جاتا کیسے ہو سکتا تھا کہ اس حالت میں چلے جائیں چنانچہ اُنھوں نے اپنے گھر لکھ بھیجا تھا کہ جب تک تمام ملک میں انتظام سابق دستور نہ ہو جائے میں قصد نہیں کر سکتا جوں جوں بغاوت فرو ہوتی گئی اُس درد کی کسک اُبھرتی چلی ایک بار اُنھوں نے ولایت جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو چیف کمشنر صاحب نے فرمایا کہ تم جا تو سکتے ہو مگر میں چاہتا تھا کہ تحقیقاتِ بغاوت کا کام تمھارے ہاتھ سے اختتام پاتا۔ خیر یہ پھر چپ ہو رہے لیکن دردِ سر روز بروز زور پکڑتا جاتا تھا یہاں تک کہ سنہ ۱۸۵۹ء کی گرمیوں میں تو یہ حال ہو گیا کہ جس روز گرمی کا اشتداد ہوتا سارے سارے دن ان سے اُٹھا نہیں جاتا تھا اور ڈاکٹر تو مدتوں سے کہہ ہی رہا تھا اب اُس نے بھی سختی کی کہ اگر تم برسات میں ٹھیرو گے یقیناً ہلاک ہو جاؤ گے میں نے تمھارے دردِ سر کی نسبت بہ خوبی تشخیص کر لی ہے کہ سمندر کی ہوا کے سوائے اس کی اور کوئی دوا نہیں مگر صاحب کا ارادہ تھا

[لہ] ایک انگریزی اخبار ۱۲

کہ آخری رپورٹ روانہ کروں تب جاؤں کام بھی بہت سمٹ آیا تھا لیکن قاعدہ ہی کہ کام کا پیچھا ہی بھاری ہوتا ہی برسات چلی آرہی تھی اور ابھی رپورٹ کا لکھنا بھی شروع نہیں ہوا تھا مگر کیا استقلال ہی اور کس قدر کام کا درد ہی کہ ڈاکٹر بھی متقاضی تھا اور درد سر بھی بر سر ترقی تھا نوبیں صاحب کا یہ حال تھا کہ درد سر نے بہت ستایا پڑ رہے پھر ذرا طبیعت سنبھلی اُٹھ بیٹھے کام کرنے لگے غرض اس بندۂ خدا نے رخصت کا نام ہی لینا چھوڑ دیا صاحب کمشنر نے اپنے طور پر اس کی اطلاع چیف صاحب کو دی وہاں سے حکم آیا کہ باقی ماندہ کام صاحب کلکٹر کو دو اور تم رپورٹ کا مواد لے کر فوراً ولایت کو روانہ ہو جاؤ چیف صاحب یقین کرتے ہیں کہ جہاز میں تمھاری طبیعت درست ہو جائے گی اور تم ولایت جا کر رپورٹ طیار کرنا اور تمھارے سفر اور قیام ولایت کا زمانہ سروس میں شمار کیا جائے گا اور تم کو پوری تنخواہ دی جائے گی۔

**لطیفہ** غرض جس وقت یہ ناول شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آیا تو چاروں طرف ایک کہرام مچ گیا جو لوگ پرانی ہندوستانی وضع پر قائم تھے لگے بغلیں بجانے اور خوشی کرنے بلکہ پابندانِ وضعِ انگریزی پھبتیاں اُڑانے اور جو لوگ انگریزی وضع کے پابند تھے وہ لگے کھچڑی پکانے کہ یہ ہم لوگوں پر آوازہ کسا گیا ہی چناں چہ ایک مرتبہ آنریبل مسٹر سید محمود مرحوم نے مولنا سے شکایت کی کہ ابن الوقت آپ نے میرے والد پر لکھی ہی خلافِ توقع۔ مولنا نے کہا کہ انگریزی وضع کے مقلدوں کو ملّاحی گالیاں دی ہیں جو چاہے گالیاں اپنے اوپر لے۔ مسٹر محمود مرحوم کے اس اعتراض کا ایک یہ جواب تو مولنا نے دیا دوسرا جواب اُن کے پاس یہ ہی کہ سید احمد خاں کو باؤلے کُتّے نے کاٹا تھا کہ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنے تئیں انگشت نما کر لیا۔ نہیں نہیں سید احمد خان کے درد کو ہر شخص نہیں پا سکتا اُن میں بڑی صفت یہ ہی کہ ہم میں سب سے پہلے زمانے کی رفتار کو پہچانتے اور مسلمانوں کو آگاہ کر دیتے اُن کی مثال مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہی کہ گرمی کے دنوں میں ہمارے ہندوستان کے بعض مقامات میں ایسی سخت لو چلتی ہی کہ خدانخواستہ آدمی کو لگ جائے تو پھٹکا نہ کھائے۔ ایسی ہی جگہ ایک شخص نے مئی جون کی ساری رات لغویات میں بسر کی صبح ہوتے سویا۔ دن چڑھتا چلا آتا اور وہ دھوپ میں کھلی چھت پر غفلت کی نیند میں پڑا سوتا ہی اور لو کوئی دم میں چلی کی چلی۔ اس کا ایک رفیق دردمند اس کو جھنجھوڑتا اور چلّاتا کہ خدا کے لیئے کیا غضب کرتا ہی اُٹھ بھاگ۔ اور یہ شخص ہی کہ اُلٹا اُس رفیق پر جھنجلاتا کہ کیوں میری نیند خراب کرتا ہی معلوم ہی کہ دھوپ کی تیزی اُس کو سونے نہیں دے گی۔ اور یہ جاگے اور اس کا اچّھا جاگے مگر اس کا بھی تو ڈر ہی کہ کہیں سوتے کا سوتا ہی نہ رہ جائے۔ اسی طرح جو کچھ سید احمد خاں کہتے ہیں مسلمان اگر دنیا میں رہنا چاہیں گے تو کریں گے اور اس سے بڑھ کر کریں گے۔ مگر ابھی نہیں۔ اچھی طرح مٹ لیں گے پیٹ بھر کر خراب ہو لیں گے۔ تب کہیں جا کر سمجھیں تو سمجھیں میں جانتا ہوں اور افسوس کرتا ہوں کہ سب لوگ کیوں نہیں جانتے کہ سید احمد خان کے دل میں انگریزی وضع کی ذرا بھی وقعت نہیں اور وہ سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ وضع ہماری ملکی حالت کے بھی مناسب نہیں۔ مگر ان کو اس وضع کے اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور کیا ہی دو چیزوں نے اوّل یہ کہ انگریز ٹھیرے حکّامِ وقت ان کی نسبت سے ان کی کُل چیزوں میں وقار آگیا ہی از انجملہ وضع میں بھی تو وہ مسلمان وہ وقار کیوں پیدا نہ کریں دوسرے یہ کہ دنیاوی ترقی کے لیئے جہاں تک ممکن ہو ہم کو چار و ناچار انگریزوں کے ساتھ سازگاری رکھنی اور اُن کی پیروی کرنی

حکمی علاج دریافت ہوئے ہیں کہ سارے ملک میں کہیں اُن بیماریوں کا نام نہیں بہت سے روگ جو درماں پذیر نہ تھے اب ڈاکٹر دعوے کے ساتھ اُن کا علاج کرتے ہیں حفظانِ صحت کے قواعد اگرچہ ظنّی ہیں مگر یقینیات کے لگ بھگ غرض اتفاقات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی ہو کہ انسان کی تدبیر کو اُس کی تندرستی اور زندگی میں بڑا دخل ہو اور اس سے انکار کرنا گویا بداہتہ سے انکار کرنا ہو۔ حجۃ۔ کیوں کیا ہمارے ملک میں لوگوں کی بڑی عمریں نہیں ہوتیں۔ ہمارے یہاں بھی لوگ کثیر الاولاد ہوتے ہیں اور ایسے لوگ بہت نکلیں گے جو ہمیشہ یا اکثر تن درست رہتے ہیں اور اُن کو علاج کی ضرورۃ پیش نہیں آتی بلکہ میرا تو یہ خیال ہو کہ جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں وہی زیادہ بیمار ہوتے ہیں۔ ابن الوقت۔ میں خلافِ قاعدہ کو داخلِ اتفاقیات سمجھتا ہوں۔ حجۃ تم نے اچھی طرح غور نہیں کیا اول تو سرے سے علمِ طب ہی فی حد ذاتہ مکمل نہیں۔ ہو ناقص ناتمام مظنون جیسا کچھ ہو اگر ساری دنیا کی مردم شماری پر نظر کی جائے تو سو میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ٹھیرے گا جو احکامِ طب کی پوری پوری پابندی رکھتا ہو بات یہ ہو کہ خداوند کریم نے ہر انسان کی طبیعت کو اُسی کے ساتھ پیدا کیا ہو اُس کی طبیعۃ انسان کی تن درستی پر داخلی اور خارجی بے شمار خطرات ہیں اور اُن میں سے خدا جانے کتنے ہیں جو اس وقت تک مخفی ہیں اور کتنے ہیں جو معلوم ہیں مگر انسان کے بس کے نہیں تو اُن کا جاننا نہ جاننا برابر الغرض کسی کو خبر نہیں کہ کل بلکہ اب سے چند لمحہ بعد کون سی آفۃ اُس کی تن درستی پر آنے والی ہو کہ اُس کی روک تھام کرے۔ نزولِ آفۃ پر فوراً اُس کی طبیعۃ مرض کی مقاومۃ پر آمادہ ہو جاتی ہو۔ طبیعۃ صرف مدبّر و معالج نہیں بلکہ اسی طبیعۃ میں سب طرح کے امراض کی دوا بھی ہو اگر حیاۃ باقی ہوتی ہو طبیعۃ مرض پر غالب آجاتی ہو ورنہ مغلوبِ مرض ہو کر آدمی ہلاک ہو جاتا ہو رہ گئی دوا وہ صرف طبیعۃ کی تقویۃ ہو بلکہ مجھ سے پوچھو تو صرف طبیعۃ ہی کی نہیں بلکہ بیشتر اُوپر والوں کی۔ بڑے بڑے حاذق طبیبوں کو دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں سے مریض مرتے بھی ہیں اور شفا بھی پاتے ہیں مرے تو کہتے ہیں خدا نے اتنی ہی حیاۃ لکھی تھی۔ حکیم جی نے اپنی سی بہتیری کی زندگی ہی نہ ہو تو کیا کریں اور اچھے ہوئے تو نہ خدا ہو نہ تقدیر ہو حکیم صاحب ہیں اور اُن کی تشخیص و تدبیر ہو۔ ابن الوقت۔ آپ تو کچھ جبریوں کی سی باتیں کرتے ہیں آپ کی تقریر کا ماحصل یہی معلوم ہوتا ہو کہ تدبیر لاحاصل ہو اور انسان کی تن درستی اور زندگی محض ایک امرِ تقدیری ہو من جانب اللہ انسان کو اُس میں کسی طرح کا دخل نہیں مگر یہ آپ کی منفرد رائے ہو ایک عالم طب کا معتقد ہو۔ طب سے میری مراد ہومیوپیتھی[91] یا ایلوپیتھی یا یونانی یا ویدک[92] کی کسی خاص طرح کی طبابۃ نہیں بلکہ میری غرض اسی قدر ہو کہ ساری دنیا سدا سے اس امر کی معتقد چلی آئی ہو کہ حفظِ صحۃ دفعِ مرض یا ابقائے حیاۃ جن لفظوں سے چاہیئے تعبیر کر لیجیئے تدبیر پذیر ہو اس سے بحث نہیں کہ وہ تدبیر فی نفسہٖ صحیح ہو یا غلط جادو اور منتر اور ٹونے اور ٹوٹکے اور تعویذ اور گنڈے اور ہر طرح کی دوا درمن سب داخلِ تدبیر ہیں۔ الغرض ہر زمانے میں اس بات پر تمام عالم کا اجماع رہا ہو کہ زندگی اور تن درستی میں انسان کی تدبیر کو دخل ہو اور یہ میرا پہلا دعویٰ ہو اور ہر زمانے کے عقلا اور جہلا اور حضری اور بدوی سب کا اجماع اس دعوے کا ایسا قوی ثبوت ہو کہ اس سے زیادہ قوی کوئی ثبوت ہو نہیں سکتا آپ ایچ دار باتیں کر کے اصل مطلب کو کہاں گم کئیے دیتے ہیں۔ میرا دوسرا دعویٰ جو پہلے دعوے پر متفرع ہو یہ ہو کہ جتنی تدبیریں حفظانِ صحۃ کے لئے عمل میں لاتے ہیں سب میں رو بہ صواب طب انگریزی اور اُس کی متعلقات ہیں اس دعوے کے ثبوت کے لئے میں

[91] انگریزی طبابۃ کی دو قسمیں ہیں جن کے اصول مختلف ہیں ۱۲ [92] ہند کی طب ۱۲

واقعات پیش کرتا ہوں جن کو مردم شماری کے کاغذات سے استنباط کیا گیا ہی۔ حجۃ۔ ہاں جی ہاں میں تمہارے مطلب کو خوب سمجھتا ہوں تم کو اگر میرے مدعا کے سمجھنے میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہی تو اب پھر سنو۔ صرف اتنی بات سے کہ ہر زمانے میں لوگ حفظانِ صحۃ کی تدبیریں عمل میں لاتے رہے ہیں لازم نہیں آتا کہ انسان کو اپنی تندرستی میں مدخل ہی تم نے اتنی ہی بات ثابت کی کہ لوگوں کو حفظ صحۃ کی حاجۃ ہی اور ہر شخص فی زعمہ اُس کی کچھ تدبیر کرتا ہی صحیح یا غلط درست یا نادرست اسی طرح ہر شخص کو علم مستقبلات کی حاجۃ ہی اور ہر زمانے میں لوگ اِس کے بھی درپے رہے ہیں نجوم اور رمل اور جفر اور فال اور شگون اور تعبیر خواب اور قیافہ اور سعد و نحس اور ہاتھ کی لکیریں اور سانس اور کیا اور کیا سارے پاکھنڈ اسی غرض سے ہیں اور یہ نہ سمجھنا کہ صرف ایشیا کی وحشی قومیں اِس خبط میں گرفتار ہیں جہاں تک مجھ کو معلوم ہی اہل یوروپ بھی اس الزام سے بری نہیں۔ غرض فکرِ مستقبل سے کوئی فرد بشر فارغ نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان کو علم غیب میں دخل ہی پھر دخل ایک مشتبہ لفظ ہی اگر اِس سے ملابستہ مراد ہی اگرچہ ادنیٰ درجے ہی کی کیوں نہ ہو یعنی تعلق تو دنیا کا سارا کارخانہ انسان کے لیئے ہی اور اُس کو موجوداتِ عالم سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہی یا ہو سکتا ہی موجوداتِ عالم میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں اُس کو تصرف کا اختیار ہی اگرچہ اُس کا اختیار محدود ہی مگر اُسی اختیار کی وجہ سے اِس کو خلیفۃ اللہ[ا۵] فی الارض کہا جاتا ہی جسمانی توانائی کے اعتبار سے وہ چنداں زبردست مخلوق نہیں مگر عقل کے بل پر وہ آسمان تک اُچھل جانے کا ارادہ رکھتا ہی کسی شاعر نے کیا عمدہ طور پر انسان کا حال بیان کیا ہی ؎

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور  فرش سے لے عرش تک کر رہا ہی اپنا زور
سینے میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ رہا  بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

وہ زمین پر بیٹھا بیٹھا اجرامِ فلکی پر اگر زیادہ دست رس نہیں تو ان کی رفتار سے اپنے اوقات کو منضبط کرتا ہی۔ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ[۵۲]۔ روے زمین پر اُس نے اپنا ایسا تسلط بٹھا رکھا ہی کہ نہ صرف جمادات اور نباتات میں تصرفات اور عناصر پر حکم رانی کرتا ہی بلکہ بڑے سے بڑے قوی اور خوں خوار جانور اُس سے ڈرتے اور اُس کی خدمۃ کرتے ہیں بایں ہمہ انسان کسی کام کا فاعلِ مستقل اور کسی چیز میں حقیقی موثر نہیں اِس مطلب کو سورۂ واقعہ میں بڑی ہی عمدگی سے بیان کیا ہی۔ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَہٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ۔ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ۔ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۔ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۔ اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ

۵۱ زمین پر خدا کا نائب ۱۲۔

۵۲ اُس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور اور اُس کی منزلیں ٹھیرا دیں تاکہ تم کو برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو ۱۲

جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ - اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ - ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ
نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ - اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ
نے چار چیزوں کو بیان فرمایا ہی - اولاد اور کھیتی اور پانی اور آگ اور ان چاروں میں سے ہر ایک میں جہاں تک
انسان کو دخل ہی اُس کی بھی صراحۃ کی اور پھر تبکیت[1] کے لیے پوچھا کہ بھلا پھر اولاد کو تم نے پیدا کیا یا ہم نے اور کھیتی کو
تم نے اُگایا یا ہم نے اور پانی بادل سے تم نے برسایا یا ہم نے اور آگ کا ایندھن تم نے بنایا یا ہم نے - ہم نے
تمھارے لیے موت کا ٹھیراؤ کر دیا ہی اور کسی کی مجال نہیں کہ ہماری پکڑ سے نکل بھاگے - ہم چاہیں تو کھیتی کو ڈانٹ[2]
بنا دیں کہ اُس میں پھل کا کہیں نام نہ ہو - ہم چاہیں تو پانی کو کھاری کر دیں غرض انسان کا اختیار اور اُس کی بے اختیاری
دونوں حالتیں دکھا دی گئی ہیں جس کا خلاصہ ہی - اَمرٌ بین الجبر والاختیار[3] - ابن الوقت - ہمارے آپ کے
درمیان لفظی اختلاف ہی انسان کا اختیار آپ بھی مانتے ہیں مگر محدود اور ہم بھی کہتے ہیں کہ انسان کا اختیار ابھی تک محدود رہا ہی
مگر اُس کا اختیار اُس کی جہالۃ کی وجہ سے محدود ہی اب جو نئی نئی چیزیں ایجاد ہوتی چلی جاتی ہیں تو انسان سمجھتا جاتا ہی کہ اُس کو
بڑی قدرۃ ہی کتنی مدۃ کے بعد اب اُس نے جانا کہ مثلاً سٹیم اور الکٹریسٹی کیا چیز ہی اور میں اُس پر کیا اختیار رکھتا ہوں -
اسی طرح اُس نے اپنی تن دُرستی اور زندگی پر بھی اپنا اختیار معلوم کرنا شروع کیا ہی بہت سے امراض کو اُس نے اپنے بس
میں کر لیا ہی کہ چاہے تو اُن کو پیدا ہی نہ ہونے دے یا اگر پیدا ہوں بھی تو اُن کو جس وقت چاہے معدوم کر دے اور اگر
علوم طب اور کیمیا اور طبیعیات وغیرہ اسی نسبۃ سے ترقی کرتے رہے جیسے کہ پچھلے سو برس میں تو وہ دن کچھ دور نہیں
کہ انسان اپنی تن دُرستی پر آپ حاکم ہوگا اور کیا عجب ہی کہ اپنی زندگی پر بھی -

حجۃ - نعوذ باللہ من ذٰلک - کیا تمھارے بُرے عقائد ہیں تو تم حقیقۃ میں اِس بات کے منتظر ہو کہ انسان
کچھ دنوں میں معاذ اللہ خدا ہونے والا ہی -

ابن الوقت - دہریے تو کہتے ہیں خدا کو کس نے دیکھا ہی - یہ بھی لوگوں کا ایک خیال ہی -

حجۃ - لا حول ولا قوۃ الا باللہ خدا کو دیکھا نہیں تو اُس سے لازم آگیا کہ خدا ہی نہیں - ہم نے روح کو بھی نہیں
دیکھا اور نہیں دیکھ سکتے تو روح کے ہونے سے بھی انکار کرو -

ابن الوقت - واہ واہ تعریف المجہول بالمجہول وہ روح ہی کو کب مانتے ہیں -

حجۃ - تمام فلاسفہ کا اجماع ہی کہ آدمی کو اپنی ذات کا علم حضوری ہی اور بدیہیات اولی میں سے ہی ہر شخص اپنے
تئیں لفظ مَیں سے تعبیر کرتا ہی اور کہتا ہی میرا دل میرا دماغ میرا جسم یعنی ہر شخص کو جسم کے علاوہ اپنی ہستی
کا اذعان ہی - میں نہیں سمجھتا کہ کسی اَور ثبوت کی بھی ضرورۃ ہی اور اگر تمھارے نزدیک ہی تو تم کو خبط ہی

[1] قائل کرنا پھر بات کرنے کا موقعہ نہ رہا ہی ۱۲

[2] ڈنٹھل جس میں دانہ نہ ہو ۱۲

[3] انسان نہ مجبور مطلق ہی نہ مختار مطلق بلکہ ایک اعتبار سے مجبور اور دوسرے اعتبار سے مختار ۱۲

اور تم قابلِ خطاب نہیں مگر تم مسلمان ہونے کا دعوے کرکے اسلام کو کیوں بدنام کرتے ہو اور لوگوں کو کیوں دھوکے میں ڈالتے ہو۔ یہ سچ ہی کہ مجامع میں تحریرات میں تم اسلام کے نام سے فخر اور اُس کی مدح و حمایت کرتے ہو مگر وہ اسلام ادّعائی اسلام ہی جس کو صرف امتیازِ قومی کہنا چاہئیے۔ تم جیسے ڈھل مل یقین چند مسلمان میں نے اَور بھی دیکھے ہیں اُن کو بھی اسی طرح کے شکوک عارض ہوئے لا مذہبوں اور دہریوں اور عیسائیوں غرض اسلام کے مخالفوں سے کچھ اعتراض سن ملئے جواب سوجھے نہیں یا سوجھے اور تسکین نہیں ہوئی انھوں نے سمجھ کر یہ شیوہ اختیار کرلیا کہ لگے اسلام ہی کے اصول میں تاویلات کرنے وہ اپنے پندار میں اسلام کی تائید کرتے ہیں مگر حقیقت میں اسلام کو کسی مخالف سے اتنا نقصان نہیں پونہچا جتنا اُن کی تاویلات سے اُنھوں نے حدیث کو تو یہ کہہ کر الگ کیا کہ پیغمبر صاحب کے ڈیڑھ سو برس بعد اُس کی تدوین شروع ہوئی۔

حاضری بہنر پر حجۃ الاسلام۔ لو صاحب مجھ کو اجازت دو مجھے شہر جانا ہی۔

ابن الوقت۔ کیا آپ میرے ساتھ کھانا کھانا یا میرے بنگلے میں رہنا خلاف انصاف سمجھتے ہیں۔

حجۃ۔ بس مذہبی چھیڑ چھاڑ رہنے دو۔ مذہب ایسی چیز نہیں ہی کہ مباحثے اور مناظرے سے کسی کے دل میں اُتار دیا جائے بلکہ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء خداوند تعالیٰ خاص طبیعتیں پیدا کرتا ہی جو مذہبی باتوں سے متاثر اور اُس کو قبول کرلیتی ہیں۔

ابن الوقت۔ پھر آپ جبریوں کی سی باتیں لائے۔ اگر خدا خاص طبائع مناسب مذہب پیدا کرتا ہی تو پھر مواخذہ کیوں ہی

حجۃ۔ مواخذہ بقدرِ مناسبۃ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ یہ کہہ کر حجۃ الاسلام اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس کے ساتھ ابن الوقت بھی اُٹھا اور کہنے لگا کیا واقع میں آپ میرے پاس نہیں رہنا چاہتے۔

حجۃ۔ نہیں بھائی نہیں۔ ابن الوقت۔ آخر کچھ سبب تو بتائیے۔

حجۃ بات یہ ہی کہ میرے یہاں ٹھیرنے سے تم کو بھی تکلیف ہوگی اور مجھ کو آسائش نہیں ملے گی۔

ابن الوقت۔ آپ میری تکلیف کا خیال کیجئے نہیں اور آپ اپنی آسائش کے لیئے بے تکلف جس طرح کہیئے انتظام کردیا جائے

حجۃ۔ تم کس کس بات کا انتظام کروگے۔ اول تو میری نماز ہی کا ٹھکانا نہیں جس کمرے میں جاؤ تصویر۔ بنگلہ کیا ہی خاصہ بُت خانہ ہی پھر تم نے کُتے اِس کثرۃ سے پال رکھے ہیں کہ اذان تک کے دینے کا حکم نہیں اور جب تک مسجد میں جماعۃ کے ساتھ نماز نہ پڑھوں میرا جی نہیں خوش ہوتا میں نے اُترتے کے ساتھ ہی پہلے تمام بنگلے کو اندر باہر سے بالتفصیل دیکھ لیا ہی تم سمجھو تو میں ایک دن بھی ایسے مکان میں گزر نہیں کرسکتا مجھے کسی طرح کا سُبیتا دکھائی نہیں دیتا۔

ابن الوقت۔ اچھا تو کھانا کھاکر جائیے۔ حجۃ۔ بس کھانے سے بھی معاف ہی رکھو میں آپکے باورچی اور کھلانے کا سب حال سن چکا ہوں

ابن الوقت۔ کیا ہمارا باورچی ہیلے کچیلے بھٹیاروں سے بھی گیا گزرا ہوا آپ کھانے کی میز کو ایک نظر دیکھئے تو سہی۔

حجۃ۔ بھائی جان ظاہری صفائی تو بلاشبہ تمہارے کھانے میں بہت ہوگی میں نے تم کو نہیں دیکھا تو بارہا انگریزوں کو

کھاتے ہوئے دیکھا ہے مگر مجھ کو تمھارے باورچی کی نسبت شبہ ہے۔
ابن الوقت ـ بے شک مجھ کو معلوم ہے کہ وہ سب کچھ کھاتا پیتا ہے مگر ہمارے کھانے میں کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی کہ آپ اُس سے احتراز کریں
حجتہ ـ ارے میاں کیا کہتے ہو میں نے خود تمھارے یہاں ایک الماری میں شراب رکھی ہوئی دیکھی ہے۔
ابن الوقت ـ وہ صاحب لوگوں کے واسطے ہے میں کبھی شراب نہیں پیتا اور اگر پیوں تو ہلاک ہو جاؤں میرا پھیپڑا اس قابل نہیں۔
حجتہ ـ جب خود تمھارے پاس شراب کا ذخیرہ ہے اور صاحب لوگوں کو پلاتے ہو اور تمھارا باورچی بھی کسی چیز سے احتراز نہیں رکھتا
تو مجھ کو تمھارے کھانے کی طرف سے اطمینان نہیں۔
ابن الوقت ـ بوائے[۵۱] ملازم ـ یس سر[۵۲] ـ ابن الوقت ـ کک[۵۳] کو بلاؤ ـ کک حاضر ہوا تو ابن الوقت نے پوچھا آج کھانے میں کیا کیا ہے
باورچی ـ سوپ[۵۴] ـ مٹن چاپ[۵۵] ـ کٹ لس[۵۵] آسٹن (آکس ٹنگ[۵۶]) بیل ریس ـ ڈیوائل ریس[۵۸]) پڈنگ[۵۹]۔
ابن الوقت ـ ان چیزوں میں سے کسی میں شراب پڑتی ہے۔
باورچی ـ کسی میں نہیں مگر پڈنگ میں خمیر کے لیئے شراب کا بھپارا دینا ہوتا ہے۔
ابن الوقت ـ پڈنگ نشہ لاتا ہے۔
باورچی ـ ذرہ نہیں ـ باورچی رخصت ـ
حجتہ ـ آپ نے دیکھا۔
ابن الوقت ـ کیا دیکھا آپ کے سامنے باورچی کہہ نہیں گیا کہ پڈنگ نشہ نہیں لاتا ـ اسلام میں شراب کے حرام ہونے
کی اصل وجہ نشہ ہے جب نشہ نہیں تو پھر کیا حرج ہے اور اگر آپ کے نزدیک حرج ہے تو آپ پڈنگ نہ کھائیے۔
حجتہ ـ مجھ پر خدانخواستہ ایسی کیا مصیبت پڑی ہے کہ اپنے گھر کا رزق طیب مزیدار چھوڑ کر تمھارا مشتبہ پھیکا بساندا کھانا کھاؤں۔
ابن الوقت ـ یہ بلائی تو گرمی پڑ رہی ہے آپ شہر میں جا کر بے فائدہ اپنی تن درستی کو خطر میں ڈالتے ہو۔
حجتہ ـ میری زندگی ایسی کون سی انوکھی زندگی ہے ـ آخر اتنا بڑا غدار شہر بستا ہے جو اور سب کا حال وہ میرا حال۔
ابن الوقت ـ آخر پھر ملاقاۃ کی کیا صورۃ ہوگی۔
حجتہ ـ تم تو میرے پاس آنے کا قصد کرنا مت کیوں کہ تمھارے دل میں آب و ہوائے شہر کا پہلے ہی سے ڈر
بیٹھا ہوا ہے کل ہی جمعہ مجھ کو فرصت ہونے کی نہیں ـ پرسوں لوگوں سے ملنا ملانا ہوگا ان شاء اللہ اتوار کو دس بجے
ساڑھے دس بجے میں خود آؤں گا اگر کوئی وجہ مانع نہ ہو۔
لطیفہ ـ مولنا ایک روز ایک مضحک ابن الوقت کے متعلق بیان فرماتے تھے کہ ایک لڑکا جس کی عربی سکینڈ
لنگویج ہے ایک روز آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی ایک تصنیف میں نے تمام تلاش کی نہیں ملتی ـ میں نے کہا
کون سی کتاب ـ جتنی کتابیں ہیں سب نذیر حسین کے ہاں موجود ہیں ـ اُس نے کہا ابن الوقت ـ میں بھی پہلے

---

[۵۱] لفظی معنی لڑکا مرادی معنی خدمتگار ۱۲ [۵۲] جی حضور ۱۲ [۵۳] باورچی ۱۲ [۵۴] شوربا ۱۲ [۵۵] انگریزی کی پسندہ ۱۲ [۵۶] انگریزی قیمہ ۱۲ [۵۷]
بیل کی زبان ۱۲ [۵۸] خشکہ ۱۲ [۵۹] انگریزی فیرینی ۱۲

چکرا ایا ہ مگر پھر فوراً خیال آیا کہ ابن الوقت کے جویا ہیں۔ ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ پھر جب نذیر حسین آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ بھائی ابن الوقت دیتے کیوں نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کتاب تو میرے پاس نہیں۔ میں نے کہا کہ ابن الوقت کی خرابی ہی

**محصنات** اِس ناول میں تعدّدِ ازدواج کے خراب نتیجوں کو ایک دل چسپ قصے کے پیرائے میں دکھایا ہی تصنیف تو یہ بھی ہمارے مولانا ہی کی ہی جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی لیکن ہم لوگوں کو مولانا سے بڑھ کر مولوی بشیر الدین احمد صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے کیوں کہ اُنھوں نے اِس کتاب کے لکھنے میں مولانا کی اتنی مدد کی ہو کہ فی الواقع شریکِ تصنیف ہوئے اور شریک بھی شریک غالب۔ اس کتاب کی لوح پر یہ شعر درج ہو

ہم معتقدِ دعوے باطل نہیں ہوتے سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

مولانا نے سببِ تالیف بطور دیباچہ کے حسب ذیل تحریر فرمایا ہی۔ غرض اس کتاب میں بتلا ایک ہیرو ہی اور وہ اگرچہ ابتدا ہی سے خراب اطوار لے کر اُٹھا تھا لیکن اپنے باپ کے انتقال کے بعد وہ بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ اول اول ماں کے لاڈ پیار نے اُس کو بگاڑا مکتب میں بٹھایا گیا تو بڑے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہوا۔ یہ آوارگی مرتے دم تک اُس کے ساتھ رہی مکتب میں وہ کیوں بھیجا ہوا اُس کا حال اس طرح مولانا فرماتے ہیں۔

**بتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور بڑے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا**

بتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے مگر عورتوں کو بتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی ناچار پورے چھٹے برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اُس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا۔ اب میاں جی کا بھی سرمایہ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی متداول کتابیں سب بتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہی کہ بتلا کے سر میں اب اَور ہوا بھری ہوئی تھی اُس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر بیٹھیں باپ نے کچھ اَور سوچا بتلا نے کچھ اَور غرض سب کی صلاح سے بتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو بتلا نے چھ برس مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اُس کا جی بہلنے کے لیئے چار پانچ ریزگی لڑکے اَور بٹھالیئے گئے تھے یعنی بحساب[1] چودہ برس کی عمر تک بتلا بھونرے میں پلا اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لے کر بیس بیس پچیس پچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ انگریزی عربی فارسی سنسکرت ریاضی کی جماعتیں علیحدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرا الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا امتیاز آزادانہ ملتے بات چیت کرتے

[1] یعنی ایک حساب سے ۱۲

اور کھیلتے ہیں۔ مبتلا کو یہ حال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے۔ اب تک وہ یہی جانتا تھا کہ میاں جی ہوئے مولوی ہوئے بڈھے ہی ہوتے ہوں گے کیوں کہ اُس نے اپنے میاں جی کو دیکھا تھا پلکیں تک سفید یہاں مدرسے میں آ کر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب العلم تھے امتحان دیا کامیاب ہوئے زمرۂ مدرسین میں داخل کر لیے گئے اُس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض بعض طالب العلموں سے بھی کم سن ہیں جس جماعت میں مبتلا داخل ہوا چوں کہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعت تھی اِس میں طالب العلموں کی بڑی کثرت تھی۔ رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے اِن میں سے ایک تہائی کے قریب مبتلا سے بہت بڑی عمر کے تھے اِس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے اُن کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے عمر میں قد و قامت میں وقعت و وجاہت میں یعنی قسمت سے مدرس بھی ملے تو یارِ اُستاد۔ لونڈا تھا اُکھیلا اور طرح دار مدرسے کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ کر ایسی بُری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں۔ پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں۔ اب ایک بڑی بھاری اَور نئی ٹولی مبتلا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقتِ واحد میں ایک اُستاد سے پڑھتے مگر ایک جماعت بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھیرا رکھی تھی جس کو ہم نے ٹولی سے تعبیر کیا۔ جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا ماسٹر صاحب کی خدمت میں آ حاضر ہوا اِسی طرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آ پہنچتے یا جب ایک بجے نماز کے لیے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست ہونے کے بعد ان تینوں وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اُس میں آ ملتا اور بعض نُچّیل بھی پڑے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور اُن کی اغراض مشترکہ تمام تر بیہودہ۔ مدرسے کے سارے انتظام اچھے تھے۔ چیزیں وہ پڑھاتے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنے کو امتحان کا قاعدہ نہایت عمدہ تھا فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعت جماعت کو پڑھانے کا نہایت مفید طریقہ تھا اس سے لڑکوں میں ایک طرح کی منافست پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک ایک کی مدد کر سکتا تھا تیسرے لڑکوں کی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ لڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنے کے لیے ترتیب نشست کا رد و بدل بھی بہت مؤثر تھا پڑھائی اِس قدر تھی کہ لڑکوں کے تمام وقت کو مشغول رکھنے کے لیے بخوبی کافی تھی نوبت بنوبت مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملول اور کُند نہیں ہونے پاتی تھی غرض سبھی انتظام بھلے تھے مگر افسوس لڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ تھی ہر مدرس اسی فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اُس سے متعلق ہو اُس چیز کے امتحان میں لڑکے بُرے نہ رہیں جہاں تک کوئی لڑکا اس شرط کو پورا کیے جاتا ہی اگرچہ چوری چھپے ناجائز طور پر دوسروں سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اُس کے کردار سے بحث نہیں

چوری کرو جھوٹ بولو۔ سر بازار جوتی پیزار لڑو گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ شرافت کو بٹا لگاؤ بدمعاشوں میں رہو اور بدمعاش بنو۔ گیٹریاں کھیلو پتنگ لڑاؤ اکھاڑے میں جا کر ڈنڑ پیلو مگدر ہلاؤ گاؤ بجاؤ غرض جو تمہارا جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ بھی ہے انعام بھی ہے۔ سرخ روئی بھی ہے آفریں اور تحسین بھی ہے واہ واہ بھی ہے چھٹی ہے سرٹیفکٹ بھی ہے اور آخر کار نوکری بھی ہے۔ مدرس خوش پرنسپل صاحب راضی مبتلا کی افتاد تو روز پیدائش سے بگڑی ہوئی تھی۔ زنانخانے میں پرورش پاتا تھا کہ اُس کے دل میں بدی کا بیج بویا گیا مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا۔ اب مدرسے میں آکر وہ درخت پھولا اور پھلا۔ گھر میں بچھڑا تھا مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو اُس سے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اُس نے نہ کی ہو۔ جس طرح مبتلا مدرسے کے بُرے لڑکوں کی صحبت میں بانکا بنا چھیلا بنا طرحدار بنا مسخرہ بنا کوچہ گرد بنا ننگِ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھ کر شاعر بنا اور نصیحتیں تو رفتہ رفتہ بھول بسری ہو گئیں شاعری کی یادگار اُس کا منحوس تخلص رہ گیا۔ ہم کو تو اُس کے نام سے اس قدر نفرت ہو گئی ہے کہ اُس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سننے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر خیر مُونھ پر بات آئی رُک نہیں سکتی آٹھ برس یہ کم بخت مدرسے میں رہا آخر کچھ نہ کچھ تو پڑھتا ہی ہو گا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اُس نے ترقی کی دس روپیہ مہینا وظیفہ پاتا تھا برس کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے ایک سال نا کہ ایسا اچھا امتحان دیا کہ تمغا ملا یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام دفع ہو سکتا ہے ہم کو اس کی ذکاوت کا حال معلوم ہے۔ وہ اِس بلا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی کی اُس کے آگے کچھ حقیقت نہ تھی برس میں ایک بار تو امتحان ہوتا تھا اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے آگے سے وہ طیاری کر لیتا ہو گا۔ لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا ہی ہو تو بدون فیض کو پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل اِس سے جاہل بمدارج بہتر آن پڑھ کہیں بھلا۔ مدرسے سے پھر سوا پہر رات گئے کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کا تو اُس کا گھر میں آنے کا معمول شروع سے تھا اور پھر اچھی طرح سورج نہیں نکلا کہ اُس کے شیاطین الانس[ط] لگے گھر پر آکر کُنڈی کھٹکھٹانے دستک دینے اور پکارنے سیٹی بجانے اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ تین تین چار چار دن تک برابر غائب ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے مگر اب اس کی محبت کا دوسرا رنگ تھا بیٹے سے اِس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے اُس کے دل میں آپ سے آپ یہ خوف سما گیا تھا کہ بیٹا ہے ماشاء اللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا بُرا مان کر کہیں کو نکل جائے یا اپنے تئیں ہلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی اس ڈر کے مارے بے چاری کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اُس کے نزدیک ایسا ہوا بنا رکھا تھا کہ جب اُس کی صورت دیکھتی ہکا بکا ہو کر رہ جاتی پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی باپ سے پردہ داری کی جاتی تھی اب انھیں شرارتوں کی دگرواریاں ہو گئی تھیں اِدھر شرارتوں میں ترقی ہوئی اُدھر پردہ داری میں زیادہ اہتمام ہونے لگا مگر باپ نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی تھی بڈھا اُس کی چال ڈھال سے اُس کی گفتگو سے اُس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا مگر بی بی کا مغلوب تھا اور خوب جانتا تھا کہ اُس کو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف ہے اور یوں بھی ہر کام میں مساہلت کرنا اُس کی ہمیشہ کی عادت تھی اور انھیں وجوہ سے اُس نے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ کی اب جوان بیٹے کے کیا مُونھ لگتا ایک کہتا تو دس سُنتا آخر اس کے سوائے اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اُس کو پابند کر دیا جائے

[ط] شریر لڑکے ۱۲

## مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر متقی ایک مدۃ سے نواب رام پور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں اُنھوں نے اپنا نکاح بھی کر لیا تھا۔ مبتلا اُن دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلّی ہو کر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے۔ ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارت کا کر کے گئے تھے مگر وہاں پونہچ کر یہ خیال ہوا کہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب بمشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم کہ اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو لاؤ لگے ہاتوں جہاں تک ہو سکے زیارتیں تو کر لو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آ گیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے بیمار ہو ہو جاتے تھے۔ غرض سات[1] برس لوٹے تو بمبئی میں پونہچ کر اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بھوپال میں اُستاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رام پور جاوں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز اندر سے چلی آ رہی ہے۔ سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں۔ میر متقی کو پہلے ذرا سا دھوکا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی۔ گلی کے نکڑ تک لوٹ کر گئے۔ اِدھر دیکھا اُدھر نگاہ کی۔ بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے تھے مگر نہ اس قدر کہ آدمی جہاں پیدا ہوا پرورش پائی بڑا ہوا رہا سہا اُس گھر کو نہ پہچانے۔ پھر خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو اسی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آ رہا تھا جب ان کے برابر آیا اُنھوں نے اُس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کونسی گلی ہے وہ یہ کہتا ہوا اپنی دُھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب اِن کو اس کا تو یقین کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی اب اتنی بات اور رہ گئی کہ بھائی اُس گھر میں ہیں یا نہیں۔ اس شخص کی جلدی نے ان کو اس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی سے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہے اور وہ ذرا تیز چل رہا ہے یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر ہے یہ اس وقت آپ بچھونا لیئے ہوئے کہاں جا رہے ہیں۔ لائیے بچھونا مجھ کو دیجئے میں پونہچا دوں۔ بڑے میاں نے کہا نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اُٹھاؤ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہے کیا کریں جب سے بے چارے میر مہذب مرے اُن کا لڑکا خدا اُس کو نیک ہدایت دے بُری صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو رہا ہے کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر پر دھما چوکڑی مچی رہتی ہے۔ ہم ٹھیرے دیوار بیچ اُن کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے ناچار میں تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں۔ متقی بھائی کے مرنے کی خبر سُن کر قریب تھا کہ چکر کھا کر وہیں زمین پر گر پڑے مگر آدمی تھا دین دار اُس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر ضبط کیا اور اپنے تئیں سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چل کر دستک دوں پکاروں تو نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا اور فرض کیا چیخنے چلانے سے دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو تکلیف ہوگی رونا پیٹنا مچے گا ماتم برپا ہوگا بہتر یہ ہے کہ رات کو کہیں بیٹھ رہوں پھر خیال کیا کہ پاس کے پاس اس مسجد میں ٹھیر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں سے اور حالات بھی دریافت ہوں گے مسجد میں گیا اور وضو کر کے

[1] ہم اللہ ہی کہتے ہیں اور اُسی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں ۱۲

نماز پڑھی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے بھائی سے اِس کو محبت تھی بہت یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اِس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا اب جو حضرت موسیٰ کی دعا اِس کو یاد آئی اور اُس کے مُونہ سے نکلا رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الرحمین[1] جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ جس کے دل کو یکایک اتنا بڑا صدمہ پونہچا ہو اُس کو بھوک کیا لگے اور نیند کیوں کر آئے ساری رات گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا ہوا کبھی کچھ پڑھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا تھا۔ اور کبھی اُس کی مغفرت کے لئے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا۔ سفیدۂ صبح نمودار ہوتے ہی اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا جب نافلۂ اشراق[2] سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں اُن کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا متقی نے اُن کو پہچان کر السلام علیک کی اور قریب جاکر اپنے تئیں پہچنوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا۔ ملے تو میر مہذب کی صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا سفر کا تکان ساری رات کا فاقہ جاگنا رونا آنکھیں سوج گئیں تھیں مُونہ سے آواز نہیں نکلتی تھی ہائے بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا اور دنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور اِن شاء اللہ وہاں بھی اُن کے لیے اچھا ہی اچھا ہی وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہی بڑا رونا اُن کے فرزند ناخلف کا ہی کہ اپنی کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہی اب تم باپ کی جگہ ہو اُس کو سنبھالو اگر ہو سکے اُس کو روکو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے ہیں کہ تم آپہنچے خدا کو کچھ بھلا کرنا منظور ہی کہ تم کو بھیجا ابھی وقت ہی اگرچہ تنگ ہی موقع ہی گو اخیر ہی اور تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کروگے میرے ساتھ چلو تمہارے بھتیجے صاحب تو کہیں دوپہر تک اُٹھیں گے وہ بھی اُٹھائے سے تب تک میرے گھر کچھ ناشتا کرو ہم بھی کوئی غیر نہیں ہیں تمہارے بھائی صاحب خدا اُن کو جنت نصیب کرے ہم کو عزیزوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے کیا تم کو یاد نہ ہوگا غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور پیش نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آرہے ہیں پیچھے سے پکار رہے ہیں اِس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں اُس دوکان والے سے کچھ کہہ رہے ہیں کیوں کہ یہ اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آچکے تھے اُن ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہوگئی متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر رونا آئے گا بھی تو روکوں گا ضبط کروں گا مگر جوں جوں گھر کی طرف پاؤں اُٹھتا تھا دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی یہاں تک کہ دروازے پر پونہچ کر تو نہ تھم سکا اور بے اختیار پکار کر رویا۔ رونے کی آواز سن کر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہوگئے پھاٹک تو باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پونہچی مبتلا اور اُس کے جلسے کے شرکا ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کہرواد یکھ[3] اور بھیرویں[4] سن کر سوئے تھے۔ میر متقی کا آنا سن کر نیندیں اُچاٹ ہوگئیں اور سب کے ہوش اُڑ گئے جو لوگ اب سے دو ڈیڑھ گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو نچوا رہے تھے اب لگے اپنا چے نلچے پڑے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر رستہ کہاں تھا

---

[1] اے پروردگار مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہی [2] طلوع آفتاب کے بعد کی نماز نفل ۱۲

[3] کہاروں کی طرح کا ناچ جو بازاری عورتیں مردانی ٹوپی اوڑھ کر ناچتی ہیں ۱۲ [4] صبح کا راگ ۱۲

پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور اُن کے ساتھ محلے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے زنان خانے میں ہو کر جانا چاہیئے تو پہلے مُہرے پر گھر والی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلی جو کچھ تھی سو تھی مگران بدذاتوں کے حق میں خاص کر اس وقت شیرنی سے کم نہ تھی اِس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا رستہ تھا تو دوسرے لوگوں کے گھروں میں سے ہو کر اور وہ اُن کا گزرنا کیوں جائز رکھتے غرض وہ سب کا سٹ پٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشا تھا قابل سیر ایک کیفیت تھی لائق دید کہ رنڈیاں جو اپنے حُسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات تک نہیں کرتی تھیں اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لئے کہیں ہم کو پناہ دو ایک ایک کے پیچھے لپٹتی تھیں کہ للہ ہمیں نکال کر کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام اکرام سے باز آئی مجھے رستہ بتا دو دوسری چلاتی تھی مجھے مجرے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے گھر پونہچا دو رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا ان کم بختوں کو فی الوقت[1] خوب سوجھتی ہے۔ اِدھر تو یہ تمام ہل چل مچی ہوئی تھی اور اُدھر چلبلا بے طلب بے فرمائش تیار ہوا اپنے ساتھیوں کو جمع کر لگا نقل کرنے۔ (نقل) ایک اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑا دوڑا لوگوں کو ہٹاتا ہوا دباتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے بے کیا ہے کاہے کا غل ہے کیوں شور مچا رکھا ہے دوسرا بولا ابے احمق تو نے نہیں سنا کہ حضرت کے چچا مکے معظمہ سے تشریف لائے ہیں۔ پہلا۔ کون چچا۔ ابو جہل یا ابو لہب۔ دوسرا (پہلے کے مونہ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر) چپ مردود کیا کفر بکتا ہے ابے حضرت پیغمبر کے چچا نہیں ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرۃ پیر و مرشد کے چچا۔ پہلا۔ ہاں۔ الحمد للہ۔ پھر ڈرنا کیا ہے آؤ ہم سب مل کر بھی اُن کو چچا بنائیں حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنے کی مبارک باد دیں ناچ دکھائیں گانا سنائیں۔ دوسرا (پہلے کے مونہ پر ایک طمانچہ مار کر) ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے سید آل رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آ رہے ہیں کہیں ناچ دیکھتے ہیں (ناچ دیکھنا حرام) یا گانا سنتے ہیں (گانا سننا ممنوع) اِن کے نزدیک رنڈیاں جہنم کی چھپٹیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کندے۔ پہلا ہائے میرے اللہ رنڈیوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا نرے کندے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اِس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہوں گے۔ دوسرا۔ اِن کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی میں جلائے جائیں گے۔ پہلا (دونوں ہاتھوں کو کلوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر اور خوف زدہ آنکھیں بنا کر) الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ خدا دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے آسیب بنائے جو چاہے سو کرے مگر دوزخ کے کندے نہ بنائے۔ پہلا۔ پھر یہ حاجی صاحب چاہتے کیا ہیں۔ دوسرا۔ چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرو جو روپیہ رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو غریبوں محتاجوں کو دو۔ پہلا۔ بھئی بات تو واجبی ہے۔ رنڈیوں کا دینا تو محض فضول ہے رہے بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہو گا۔ یہ کہہ کر عمامہ باندھ پائنچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ مونہ ہی مونہ میں کچھ بڑبڑانے لگا گویا امام بنا اور نماز شروع ہوئی مسخرہ پن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا ہے اور پھر ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بس بے تامل پھاٹک کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ جو ہوں اُن کو آنے دو اور دوسری طرف

[1] عین وقت پر ۱۲

طرف سب کو اشارہ کر رہا ہی کہ میرے پیچھے مقتدی بن کر کھڑے ہو جاؤ اور پھر بڑبڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکل کر امام کی پیٹھ پر ایک دو ہتڑ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے مونہ گر پڑا اور کہا ابے بدعتی یہ کیسے بے وقت اور بے رخی جماعت کی نماز پڑھا رہا ہی اگر مولوی اسمٰعیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے فتووں کے اَتُّو کر دیں۔ امام۔ ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف[۵۱] ہی۔ اور پھر اُسی طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہوا گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوئی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے امام کا عمامہ اُتار تڑاتڑ آٹھ دس بیس لپتڑے رید کئے امام سر سہلاتا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتویٰ آیا۔ تو یہ لپتڑے مارنے والا کیا کہتا ہی ابے ڈرمت فتویٰ نہیں تیری عبادت کا صلہ ہی۔ امام بولا عبادت کا صلہ ہی تو اِس میں مقتدیوں کا بھی حق ہی۔ پھر تو اِس سرے سے اُس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی اور رنڈیاں اور بھڑوے اور میر محفل اور تماشائی پر بھی آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفے کا بیس روپے روز معمول تھا اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدت کرتا تو ہر رات کا ناچ دیکھتا مگر اس پر بھی کئی سو روپے ان لوگوں کے چڑھ گئے تھے اب مبتلا کے چچا کا آنا سن کر بھانڈوں کو بالکل ناامیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی نقل تو نہایت برجستہ تھی مگر طبیعت کس کی حاضر تھی اور دل کس کا ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور کبھی باہر آتا مگر کوئی تدبیر نہیں پڑتی تھی آخر اُس نے اپنے باپ کے پُرانے نوکر وفادار کو آواز دی یہ بوڑھا آدمی اسم بامسمیٰ مبتلا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا جب وفادار نے بار بار کہنا شروع کیا مبتلا نے اُس کو جھڑک جھڑک دیا وفادار نے دل شکستہ ہو کر مبتلا سے کنارہ کشی اختیار کی مردانے میں اُس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی رات دن اُسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اُس کی تعمیل کر دیتا مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا آدمی تھا زمانہ دیدہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لیل و نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم و راہ یہ ہی تو بندہ درگاہ نہیں وفادار اکیلا کوٹھری میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی تھا اس کو میر متقی کا آنا اور ارباب جلسہ کا گھبرانا معلوم ہو چکا تھا خلاف عادت مبتلا کے بلانے کی آواز سُن کر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا مبتلا نے ایک بار پکارا دو بار پکارا تین بار پکارا جواب ندارد اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ مبتلا پکارے اور پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ بدل گیا جو ناچیز تھے وہ اب عزیز تھے جو با اقتدار تھے وہ اب ذلیل و خوار تھے یہاں تک کہ مبتلا نے خود کوٹھری کے دروازے پر آ کر پکارا میاں وفادار میاں وفادار جلدی اُٹھو چچا آئے۔ وفادار نے گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ہاں۔ وفادار نے میر صاحب مرحوم کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا مبتلا نے لپک کر روکا کہ ذرا ٹھیرو ذرا ٹھیرو مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا وفادار سے کہا کہ ذرا کواڑوں کی دراڑ میں سے جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں وفادار نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور کہا کہ بے شک وہی ہیں اور اب تو عین مین سرکار[۵۲] معلوم ہوتے ہیں

---

[۵۱] خوف کے عالم کی نماز جیسے لڑائی کے میدان میں ۱۲ [۵۲] سرکار سے مراد مبتلا کے والد میر مہذب مرحوم ہیں جو میر متقی کے حقیقی بڑے بھائی تھے ۱۲

مگر داڑھی میں تو ونبی سفیدی ہی نہیں - مبتلا بہ سن گر وفادار کے گلے سے لپٹ گیا اور کہا کہ خدا کے لیے کسی طرح مجکو اِس فضیحتہ سے بچاؤ میں اِن کم بختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس جگہ چھپاؤں وفادار کو مبتلا کا اضطرار دیکھ کر بہت ترس آیا اور اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کو پاخانے میں کھڑا کر دیجیے چھوٹے میاں آخر اندر جائیں گے اُس وقت اُن کو نکال باہر کریں گے واقع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی آخر یہی کیا کہ جھپا جھپ ان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے پیچھے دھکیل کنڈی لگا باہر کا پھاٹک کھول دیا میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اُس وقت کی کیفیت بھی جس جس نے دیکھی ساری عمر اُس کو نہیں بھول سکتا - بوڑھا (پھونس نہیں مگر ادھیڑ) اور جوان فرشتہ اور شیطان - یا رحمت اور قہر نیکی اور بدی یا ثقہ اور رند یا حاجی اور پاجی یا چچا اور بھتیجا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے - مبتلا تو ڈاڑھیں مار رہا تھا اور میر متقی کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور چوں کہ رنج کو بتکلف ضبط کرتے تھے - بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی - کامل پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا اور سب کے ساتھ اس کو لے جا کر دالان میں بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا پہلے اُن کے محامد اخلاق کا مذکور رہا پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے -

## مبتلا کا ایک عورت کے دام محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہہ کر اُس وقت رخصت ہو گیا - مبتلا کے شیاطین برابر اُس کی گھات میں لگے ہوئے تھے میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی - مبتلا تو ایک مدت سے اُدھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا سیکڑوں روپے اُن لوگوں کے اُس پر چڑھے ہوئے تھے پہلے کے ہلے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے بھی اُنھوں نے کیوں کر صبر کیا ہو گا - میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اِس قرض کا جھگڑا اُن کے روبرو پیش ہوتا پر ہوتا اور اُن کے روبرو پیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ بھی کر دیتے اب وہ نے ہونے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا ہوا اور اُن لوگوں کے پاس اگر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی پھر بگڑی - سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور سابق آوارہ مزاج ہو جائے - مگر اُدھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور اِدھر ادائے قرض کی وجہ سے مبتلا کو اُن لوگوں سے ہوئی ایک طرح کی ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے مبتلا کے والد اُن دنوں زندہ تھے اُسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آ کر رہی وہ تھی تو لکھنؤ کی کوئی خانگی پر اُس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا باوجودیکہ تھوڑے ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اُس کی خوبصورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیزیں بیگم کا مداح تھا - شاعر کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے - ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کہ بول خوب بجاتی ہے - تاش گنجفہ چوسر شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اُس کے کمال کے قائل تھے - ضلع جگت پھبتی حاضر جوابی پہیلی مکرنی نسبتہ میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب نہیں رکھتی - اُس کی خوب صورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اُس کے جامہ زیب ہونے پر سب کو اتفاق تھا - مبتلا تو خود ایسی خبروں کی ٹوہ میں لگا رہتا

۱ھ بھلی عادتیں ۱۲

تھا اُس کو بیگم کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن باپ کے رہتے محلے کے محلے میں بدلحاظی نہیں کر سکتا تھا نہ جا سکتا تھا باپ کے مرے پیچھے جب مبتلا کھل کھیلا تو جہاں اُس نے اَور نالائقیاں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا۔ شاعری اور ستار اور شطرنج اور کیا اور کیا یہ تو سب مبالغے تھے مگر اِس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اُس کی زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اُس نے بادشاہی محلات میں ضرور تربیت پائی ہی یا کیا عجب ہی کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم ہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اُس کا سلیقۂ مجلس بھی بہت ہی دلکش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اُس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ کچھ چنداں قدر کی چیز نہ تھی۔ مبتلا کے ساتھ آنکھیں دوچار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا مردوا بنا ہی اُس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہی۔ اور گاؤ تکیہ جس سے لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑ اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مؤدب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اُس کو اپنی برابر بٹھائے مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہہ کر پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہیدِ کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلّی کی تعریفیں سُن سُن کر جی پھڑکتا تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اڑ کر جاتی اور ایک نظر دلّی کو دیکھ آتی باسے سان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دِلّی میں لا بٹھایا اور جیسا سنا تھا اُس سے ہزار حصے بڑھ کر پایا۔ چشم بد دور لکھنؤ میں دولت کی افراط ہی اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں حسن کی جو قدر و منزلت آج ہمارے لکھنؤ میں ہی کسی دوسرے شہر میں کم ہوگی اور یہی سبب ہی کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ آیا ہی اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہی کہ اُس کو حسن کا اکھاڑا کہنا چاہیے مگر اپنا شہر ہی تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائے گی ماشاء اللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ مبتلا یہ تو سب تمھاری مہربانی ہی چوں کہ تم نظرِ محبت سے دیکھتی ہو تم کو میری صورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہی ہم مردوں کی صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمھاری اِن صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہی۔ میں نے بھی تمھاری صفت دُنیا بہت کچھ سُنی تھی اور تمھارے دیکھنے کے لیے دل بے قرار تھا مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تم کو دیکھا تو معلوم ہوا حقیقت میں لکھنؤ کی خراش تراش اور وضع داری کو دلّی والے نہیں پا سکتے مگر یہ کہو کہ گھر تمھارا ٹھیر الکھنؤ یہاں دلّی میں تمھارے قیام کا کیا بھروسا۔ بیگم۔ ہم لوگوں کا کم بخت اِس طرح کا بُرا پیشہ ہی کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا آپ کو یقین آئے یا نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرم میں کیا لکھا تھا کہ ایسے بُرے احوال سے پردیس میں پڑی ہوں میرا حال اِس قطعے کا مصداق ہی

**قطعہ**

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اِس شہر کو پیٹھ دکھائی ہی جیتے جی مُونہ نہیں دکھاؤں گی جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہی خدا ہی کو خوب معلوم ہی۔ مگر موت اپنے بس کی نہیں

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کاتنا منظور چکی پیسنی قبول میں اُس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر ماں نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کس کے سر ہو جاؤں آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں ہر چند مبتلا کی آوارگی اُن دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اُس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اُس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے اُس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں ہی سا ارادہ کیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی ایک تو اُس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی نظروں میں جنچتی تھی دوسرے گانا ناچنا جس کی اِن دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اُس کو مطلق نہیں آتا تھا تاہم اُس نے اپنی لسّانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو گرویدہ کر لیا کہ شام کا گیا گیا ڈیڑھ پہر رات کی توپ اُس کو وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی۔ اِس اثنا میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں دَو دَور چائے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اُس سے رات کا رہ پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں ناچار اُٹھنا پڑا اور جلسے کی سُن کر بیگم کو بھی اصرار کرنے کا کوئی موقع نہ تھا مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے ہی لیا کہ جلسے کے سوائے اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلاناغہ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی۔ میر متقی کی لاحول سے جہاں اَور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن میں ایک بیگم صاحب بھی تھیں۔ میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھار کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے مگر مبتلا خود اِن دنوں ہتّے سے اُکھڑا ہوا تھا آنا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی تو وہ روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر خیال کر کے کس قدر افسوس آتا ہے شعر

| قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند + | دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا + |
|---|---|

قریب تھا کہ بیگم اِس کو صبر کر کے بیٹھ رہے اتنے میں تو میر متقی کو سنا کہ تشریف لے گئے بیگم تو اِس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور اُسی وقت سے لگی مبتلا کے انتظار میں بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے ایک دن گزرا دو دن گزرے تین دن گزرے مبتلا کا پتہ نہیں سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی آخر جب اپنے اہلِ برادری کو سنا کہ حساب کتاب کے لئے آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا (رقعہ) جانِ من یا باآں شوراشوری و یا بایں بے نمکی۔ اِس قدر بے مروتی ایسی بے وفائی۔ کچھ قصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچّے تھے تو اتنا ربط بڑھانا۔ ایسا گھر اختلاط کرنا کیا ضرور تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لئے تشریف لاؤ اور اپنی حقیقت مجھ کو سناؤ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ چمٹ جاؤں گی آپ کوئی بچّے نہیں کہ پھسلا لوں گی اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں۔ شعر

| تم جانو غیر سے جو تمہیں راہ و رسم ہو | ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو + |
|---|---|

مبتلا یہ رقعہ پڑھ کر غوطہ میں تھا کہ عارف اُس کے سر پر آکھڑے ہوئے تھے عارف کے چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعہ کو پھر کئی بار پڑھا وہ اُس وقت جانے میں ہچکچاتا تھا مگر پھر اُس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئے گی اس سے تو میرا ہی جانا

بہتر ہی۔ غرض دل کو خوب مضبوط کر کے بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہی کہ کچھ ایسی گھڑی کا گیا کہ بس اُسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی۔ بس اُس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی اُس کے چچا باوا میر متقی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا۔ ضرور جاتے۔ دیر تک آپس میں گلے شکوے ہوتے رہے آخر مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور امور خانہ داری کی اصلاح اور اُن کی نصیحت اور ناظر کی فضیحت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا اور عارف سے معرفت کرانا: اور عارف کا سمجھانا اور ارباب نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا۔ بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصّے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اُٹھ جاؤں گی مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتی سبحان اللہ اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں اُنھوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا اُن کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سُرخ رو میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان میسواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا اور یہ ہرجائی پن اچھا نہیں۔ مبتلا۔ مشکل یہ آکر پڑی ہی کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو رغبت نہیں پھر اب کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔ بیگم۔ بیاہتا بی بی سے اگر مرضی نہیں ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کر لو خدا نخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو مردوں پر تو خدا نے تنگی نہیں کی ایک ایک کو چار نکاح کا حکم ہی۔ مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھانے پر راضی ہو۔ بیگم۔ میں تو خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی میں تو کوئی دن جاتا ہی کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کے بیٹھ رہوں گی اور اگر تم میری دست گیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری مجھ سے بہتر مل رہیں گی۔ نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کرو کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ مناسب تو یہ ہی کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔ مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دُکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی یہ ہی کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گُھل گُھل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ نوج دُور پار نصیب دشمناں رنج کرے تمہاری بلا اور غم اُٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں اور جوانی کی عمر بھی چلتی چھاؤں ہی۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہی۔ مبتلا۔ دل پر تو قابو نہیں چلتا اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو اُنس ہو چار و ناچار دوسری بی بی تو کرنی پڑے ہی گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن۔ بیگم۔ بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط سے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آکر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔ مبتلا۔ نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ضرور خود آؤں گا بلکہ ہو سکا تو بیچ میں بھی ایک دو پھیرے کروں گا۔ بیگم۔ قسم کھاؤ۔ مبتلا۔ تمھاری جان کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ اپنے سر کی قسم۔ یہ عہد و پیمان ہو کر مبتلا بیگم سے رخصت ہوا مگر سچ پوچھو تو آج ہی کا جلسہ جلسۂ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت تھی اور اُس کو بشرے سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا آج کی ملاقات میں اُس کو پورا یقین ہو گیا کہ مبتلا پر اُس کا جادو چل چکا ہی اور اسی بھروسے پر اُس نے آپ پہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھنگ ڈالتی کہ بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا۔ بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا اُس کو میر متقی نے ایک حالت پر پایا اور اُنھوں نے اور عارف نے اس کو ٹھیل ٹھیل کر کچھ دور سرکایا آج وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

## مبتلا اور عارف کا مباحثہ تعددِ نکاح کے بارے میں

عارف نے اِس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطورِ خود غور کر لینے دو ایک ہفتے تک اِس کی خبر نہ لی پھر جو ملاقات ہوئی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا۔ مبتلا۔ جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہی۔ عارف۔ (چونک کر) ایں دوسرا نکاح۔ سچ کہو۔ مبتلا۔ کیا کروں میں بھی آدمی ہوں میرے سینے میں بھی دل اور دل میں خواہش ہی مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پونہچتی ہی میری زندگانی کا زمانہ بھی محدود ہی اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر۔ میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جا کر پھر آنا نہیں ان تمام باتوں پر نظر کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔ عارف۔ بے شک آسائش جائز کو کون منع کر سکتا ہی اور تم پر کیا موقوف ہی تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی ماحصل ہی آسائش مگر غور طلب یہ بات ہی کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہی وہ حقیقت میں بھی آسائش ہی یا نہیں۔ مبتلا۔ یہ تجویز کرنا میرا کام ہی۔ عارف۔ بس یہ غلط ہی۔ ہم سب ہیں بیمار اور شارع ہی ہمارا طبیب اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لیئے آپ تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کرے گا۔ مبتلا آپ اطمینان رکھیئے میں نے شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش کی تجویز کی ہی کیا میں نے نہیں کہا کہ دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہی اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لینے یا پانچویں نکاح پڑھانے کا نام لیتا تب ہی آپ نے کان کھڑے کیئے ہوتے۔ عارف۔ جوازِ تعددِ نکاح کی نسبت تم نے جس طرح پر اپنا اطمینان کر لیا ہو ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔ مبتلا۔ میں تو آپ کے ادنیٰ شاگردوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا میرا کیا مقدور ہی کہ آپ کو سمجھاؤں مگر تعددِ نکاح کی سند کو قرآن کی وہی ایک مشہور آیۃ ہی وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ عارف۔ لیکن اسی کے آگے فرماتے ہیں فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اور اسی سورت اور اسی پارے میں اور آگے چل کر وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡہَا کَالۡمُعَلَّقَۃِ۔ اب اِن دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابری نہ کر سکو تو ایک کرو اور تمھارے کیئے برابری ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال میں حرمتِ تعددِ نکاح پر ایک کتاب لکھی ہی اُس کے نزدیک اِن دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ بس ایک بی بی کرو۔ مبتلا۔ ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے ہیں پیغمبر صاحب اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور تمام بزرگانِ دین سب متعدد بی بیاں کرتے چلے آئے ہیں اُن کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو بھی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور اُن کا تدیّن بھی بہت زیادہ تھا مگر کسی نے تعددِ نکاح کی ممانعت کا نتیجہ نہیں نکالا اور وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ

---

۵۱ اور اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار جتنی تمھاری خوشی ہو نکاح کر لو ۱۲

۵۲ یعنی اگر تم کو یہ خوف ہو کہ متعدد بی بیوں میں برابری نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی کرو ۱۲

۵۳ یعنی تم جہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہ سکے گا کہ عورتوں میں برابری کر سکو پس سارے کے سارے بھی ایک طرف کو مت جھک جاؤ کہ اُس بیچاری کو اُدھر میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو ۱۲

فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَةِ - سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہی
کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی وہ پوری پوری برابری ہی یعنی عدلِ حقیقی کیوں کہ مطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فردِ کامل مراد
لینی ہوگی اور وہ نہیں ہی مگر عدلِ حقیقی اور اِسی لیے فرمایا ہی کہ تم سے عدلِ حقیقی تو ہو نہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو
کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو ٹکا رکھو کہ وہ بے چاری بیچ میں پڑی جھولا کرے اِس سے معلوم ہوا کہ عدلِ حقیقی کے
علاوہ کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل ہی اور انسان سے اِس کا ہونا ممکن نہیں ایک ادنےٰ درجے کا عدل مجازی بھی ہی کہ انسان صرف
ایک ہی کا نہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبرگیری کرتا رہے پچا باوا کے رہتے میرے دل میں اِس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک
دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی **محمد فقیہ** سے اِس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی میری سمجھ میں تو یوں آتا ہی
کہ پہلی آیۃ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً - میں عدل سے عدلِ مجازی ہی مراد ہی کہ اگر تم کو اِس بات کا ڈر ہو کہ
تم ادنے درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو رہو گے تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہیے اور
اگر تعددِ نکاح میں عدلِ حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعت ہوئی تعلیق المحال اور اگرچہ اِس آیہ میں بھی مطلق
عدل ہی اور چاہیے کہ یہاں عدلِ حقیقی مراد ہو مگر دوسری آیۃ مابعد وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا الخ قرینہ صارف موجود ہی اور اگر خدا
کو تعددِ نکاح کی ممانعت منظور ہوتی تو تعلیق المحال کا پیرایہ اختیار کرنا کیا ضرور تھا صاف صاف کہدینا تھا کہ بس ایک بی بی
کرو نہ یہ کہ اگر عدلِ حقیقی نہ کر سکو تو ایک کرو کیوں کہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ عدلِ حقیقی مقدورِ بشر نہیں - اگر وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تَعْدِلُوْا سے ممانعتِ تعددِ نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اِس آیہ کی ایسی مثال ہوگی کہ پوچھیں ناک کہاں ہی اور جواب میں بائیں کان سے
شروع کر کے گدی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہی - عارف - اِس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیہ نے اِس
مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت درست سمجھا مگر پیغمبر صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اُس
کو میں نہیں مانتا یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں پیغمبر صاحب کے نکاح اِن میں داخل نہیں پیغمبر صاحب کے لیے
سورۂ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہی یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ الخ
پیغمبر صاحب کے لیے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور اگرچہ آنحضرت ازواجِ طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے
اُن پر اِس کو بھی لازم نہیں کیا تھا چنانچہ اُسی رکوع میں یہ آیۃ ہی تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ
وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ اِسی طرح پیغمبر صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا اور یہ باتیں خصائص
نبوی میں سے ہیں - اور کیا مصلحتیں پیغمبر صاحب کے اِن ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اُس کی تفصیل ہی جس کے بیان کرنے کو بڑی
فرصت چاہیے اِسی طرح صحابہ وغیرہ سے بھی استشہاد کرنے کو میں درست نہیں سمجھتا - مبتلا - ازبرائے خدا کہیں جلدی سے
فرما بھی چلو کہ تعددِ نکاح کے مؤید ہو یا مخالف - عارف - سخت مخالف - مبتلا - مذہباً یا عقلاً - عارف - یہ تو تم نے عجیب
لغو بات پوچھی اِس سے تو معلوم ہوتا ہی کہ مذہب اور عقل دو چیزیں ہیں اور ممکن ہی کہ دونوں کی دو راہیں ہوں حالانکہ میرا

۵۱ اے پیغمبر ہم نے تجھ پر حلال کر دیں تیری وہ بیبیاں جن کے تو مہر دے چکا ہی ۱۲

۵۲ یعنی اپنی بیبیوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے جدا رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جس کو چاہو پھر بلا لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ۱۲

عقیدہ تو یہ ہی کہ مذہب مخالفِ عقل باطل۔ عقل مخالفِ مذہب گم راہ۔ مبتلا۔ جس چیز کے جواز کے لیے نصِ قرآنی موجود ہو اُس سے آپ کو مخالفت کرنے کا سبب۔ عارف۔ بات یہ ہی کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرت کے قاعدے ٹھیرا دیئے ہیں نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور لعان اور ظہار اور رجعۃ اور رضاع وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر اِن احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن و شوہر میں اِس سے بہتر معاشرت ہو نہیں سکتی مگر خرابی کیا آکر پڑی ہی کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرزِ معاشرت کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہی۔ مثلاً پردے سے چلو بلا شبہہ اسلام کا حکم ہی کہ بیبیاں پردہ کریں اور اِس میں بھی شک نہیں کہ ایک پردے سے ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہی مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کر لیا ہی افراط ہی حدِ شرع سے متجاوز پردہ نہیں ہی مگر قید اور قید جس قدر سخت اُسی قدر ایذا دہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہی کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگانی کی کامیابی اور ناکامیابی راحت اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اُسی پر موقوف ہی۔ معاہدہ تو ایسا بہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اِس کا نباہ کرنا ہی اور جن پر اِس معاہدے کا اثر بہتر تب ہو گا اُس سے بے تعلق کیونکہ اکثر تو معاہدۂ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہو جاتا ہی کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اُس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہی تو اظہار رائے کر کے بے شرم اور بے حیا اور بے غیرت اور مُنہ بولا کون کہلائے پس معاہدۂ نکاح تو کرتے ہیں مثلاً زید اور ہندہ اور ایجاب و قبول کرتے ہیں اُن کے ولی۔ کھلم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملے میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رہ گئے دبے دبائے اشارے کنایے وہ بھی مردوں کے لیے بدنمائی ہی اور عورتوں کے لیے فضیحت اور رسوائی۔ سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہی یہ ہی کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے ہزارہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ اُنھوں نے شوہر کا مُنہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہو گئیں ہندوؤں کی طرح ستی ہو کر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلاپے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت سَتی کیوں کر ہوں سو دنیا میں ناک کٹتی ہی دوسرا نکاح کس طرح کریں۔ غرض جیتی ہیں تو لطفِ حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں تو اِس کا مطلب کیا نکلا کہ شارع نے جو حقوق عورتوں کو دیئے تھے وہ تو پورے پورے ہم نے اُن کو لینے نہ دیئے اور اپنے حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت مرد اور عورت میں شارع کو رکھنی منظور تھی کیوں کر باقی رہ سکتی ہی اور وہ نسبت کیا تھی اِس کے لیے میں تمھارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں سورۂ بقرہ میں ہی۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ[1] پھر سورۂ نسا میں ہی وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا[2] اب فرمایئے کہ تعددِ نکاح جائز ہی یا ناجائز۔ مبتلا میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جورویں اگر زبردستی ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے بیوہ عورتوں کی بیان کی اُس سے بدتر ہماری ہو گی۔ بیوہ عورت کو تو خیر صبر کرنے کے لیے ایک بات بھی ہی کہ شوہر نہیں ہی

---

[1] یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ اُن کے حقوق بھی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہی"

[2] عورتوں سے راست معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز بھلی نہ لگے اور خدا اُس میں بہت سی بہتری کر دے"

نہ سہی یہ کیا مصیبت ہی کہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا بات کرنے کی طرف طبیعت رغبت نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اُس کے ساتھ عاشقی کرو۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہی تو اُس کو اختیار ہی دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے بندگی و بے چارگی مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے ہوئی ہی نہ ہوگی عارف۔ بلاشبہہ تم مغلوبِ طبیعت ہو رہے ہو اور جب تک تمھاری یہ حالت رہے گی حقیقت میں تم سے خلافِ طبیعت کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مبتلا۔ اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتلائیے۔ عارف۔ جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی اور معلوم کیا تھی وہی ایک تدبیر ہی میں نے تو اُس کے بتانے میں دریغ نہیں کیا۔ پہر بھر تک تمھارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تم لاجواب ہوئے اور چلتے چلتے تم سے کہتا گیا کہ تم اِن تمام باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجباتِ ترغیب کے پاس نہ جانا۔ تم یوں سمجھو کہ حسن پرستی مرض ہی سوچنا دوا اور موجباتِ ترغیب سے دُور رہنا پرہیز۔ بھائی مرضِ جسمانی بھی اگر مُزمن ہوتا ہی تو اُس سے جلد صحت نہیں ہوتی اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لیئے پرہیز کرنا پڑتا ہی یہی حال ہی امراضِ روحانی کا جن کا دوسرا نام ہی بُری لت۔ بدعادت۔ تمھارا علاج تمھارے ہی ہاتھ میں ہی کرو تو تم اور نہ کرو تو تم۔ مبتلا۔ آپ تو تعددِ نکاح میں چند در چند طرح کے خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگانِ دین میں کوئی بھی اِس سے خالی نہ تھا۔ عارف جب ایک بات کی صراحت ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک کسی کی طبیعت کیفیت حالت ضرورت کا کچا حال معلوم نہ ہو ہم بھلی یا بُری کوئی رائے ظاہر ہی نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہی کہ جو لوگ اپنے لیئے اِس آزادی کو عمل میں لاتے تھے وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضایقہ نہیں کرتے تھے ہماری طرح اُن کا معاہدۂ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا ذرا سی ناموافقت ہوئی مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لیا۔ تھوڑے تھوڑے پھیر ہوتے تھے اُن کو معاہدۂ نکاح کا فسخ کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو اُن کی آزادی حق بجانب ہم کیا اُن کی ریس کر سکتے ہیں کہ ہماری بی بیاں لونڈیوں سے بڑھ کر بے اختیار و دائم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعددِ نکاح سے جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں تو بزرگانِ دین کو بھی اِس سے نجات نہ تھی اُمّہات المؤمنین یعنی پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات میں باوجودے کہ دنیا کے عیش و آرام کسی کو میسر نہ تھے تاہم فقر و فاقے میں بھی باہم ویسے ہی محاسدات تھے جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں سُنّی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کہ دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اِس درجے کی عداوت اگر سچ پوچھو تو متفرع ہی اِن ہی محاسدات پر۔ حضرت پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ جن کے بطن پاک سے حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس اُن کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا جس کو اُنھوں نے تجارت میں لگا رکھا تھا اُن کو ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی اُنھوں نے (بعثت سے بہت پہلے کا مذکور ہی) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت راست بازی کا حال سُن کر اُن کو اپنی تجارت کے کام میں لگایا اللہ نے حضرت کی نیک نیتی سے تجارت میں بڑی برکت دی۔ حضرت خدیجہ ؓ نے حُسن کارگزاری سے خوش ہو کر اُن کے ساتھ نکاح پڑھا لیا

اِس نکاح کی وجہ سے جو لوگ بڑے دنیادار تھے البتہ حضرت کی زیادہ وقعت کرنے لگے پھر جب حضرت کا زمانہ بعثت نزدیک آیا تو خوارقِ عادات پیش آنے لگے۔ کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے کبھی درخت اُن کو سلام کرتے۔ کبھی غیب سے آواز آتی اِن واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرتِ خدیجہؓ پر اِس تمام حقیقت کو ظاہر کیا۔ حضرت خدیجہؓ تھیں بڑی باخدا بی بی۔ اور اُن کے گھر میں صُحُفِ انبیاء اور توراۃ کی تلاوت کا بڑا چرچا تھا اُنھوں نے سُن کر حضرت کی بڑی تسلّی کی کہ تم خدا ترس آدمی ہو بیوہ عورتوں اور یتیم بچّوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں جو توراۃ کے بڑے عالم تھے پیغمبر آخر الزماں کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دِن گِن رہے تھے اُنھوں نے جو حضرت کو دیکھا اور اُن کی ساری حقیقت سُنی تو پہچان گئے اور صاف کہہ دیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد تک بھی تو نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدّد بیبیاں کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سرآوردہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی اِس سے انکار کرنا بداہت سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا تعزز تمام ازواج طاہرات پر شاق تھا اور اِسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ حضرتِ خدیجہؓ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سُنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہ ہے فی الاصل سُنّی اور شیعہ کی بنیاد جنھوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب کو دنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوائے کسی کے ساتھ کچھ اُنس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے باقسامہم یعنی تفضیلی اور نصیری اور کیا اور کیا خوارج لوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہلِ سُنت کہتے ہیں کہ بی بی بی بی کی جگہ اور بیٹی بیٹی کی جگہ۔ یہاں تک درست ہے۔ مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں کسی کو کسی طرح کا ملال نہ تھا بس سنّیوں کی یہ بات دل کو نہیں لگتی میں بھی سُنّی ہوں۔ مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نا اتّفاقی بے شک تھی تاہم اِس سے اِن بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا بہ تقاضائے بشریت ہے اور کیوں کسی کی دین داری میں بشریت سے بٹّا لگنے لگا جب کہ پیغمبر صاحب نے اپنی شان میں فرمایا ہو اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ[1]۔ غرض اِس طولِ مقال سے یہ ہے کہ جو بے لطفیاں تعدّدِ نکاح کو لازم ہیں خاندانِ نبوت بھی اُن سے محفوظ نہیں رہا دوسرا کس گنتی میں ہے۔ مبتلا۔ اب بھی مجھ کو کون لطف حاصل ہے۔ عارف تم آگ کے جلے ہوئے کو سینکتے ہو۔ یعنی ایک بے لطفی کو دوسری بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو مگر ممکن ہے کہ یہ دوسری بے لطفی آخر میں اِس پہلی بے لطفی سے زیادہ شاق ہو۔ مبتلا۔ اُس وقت جیسا موقع ہوگا دیکھا جائے گا میں ابھی سے فکرِ مستقبل کر کے اپنی زندگی کو کیوں تلخ کروں۔ عارف۔ نواب حقیقت میں میری تمھاری ملاقات لاحاصل ہے مگر میں اِتنا کہے دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے افسوس ہے کہ تم نے مجھ کو جناب میر متّقی صاحب سے شرمندہ کیا یہ کہہ کر عارف بہ کمالِ ناراضامندی اُٹھ کر چلا گیا۔

[1] میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں فرق صرف اِتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے ۱۲

## مبتلا کا دوسرا نکاح اور اُس کی دوسری بی بی ہریالی کا ماما بن کر گھر میں داخل ہونا اور نکالا جانا اور پھر داخل ہونا

مبتلا کے سر پر اُن دنوں ایسا جن سوار تھا کہ اُس کی عقل ہی ٹھکانے نہ تھی۔ عارف سے پیچھا چھڑا وہ پھر بیگم کے گھٹنے سے جا لگا وہ تو پہلے ہی سے اس کے لیے جال پھیلائے بیٹھی تھی جانتا تھا کہ اِس پر چھا گئی۔ بیگم بالطبع زیادہ تر اِس بات کی طرف راغب تھی کہ مبتلا آشنائی کے طور پر اُس کو گھر میں ڈال لے مگر میر متقی اور عارف کی تعلیم کا مبتلا پر اتنا تو اثر ہوا کہ اُس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلق رکھنے کو پسند نہ کیا پاس تھی مسجد دو طالب العلموں کو بُلا بھیجا نکاح پڑھا جانے لگا مہر میں ہوا اختلاف مبتلا نے چاہا مہر شرع محمدی بیگم نے کہا جو غیرت بیگم کا مہر وہ میرا مہر جیسی نکاحی بی بی وہ ویسی نکاحی بی بی میں دیر تک اِس میں تکرار ہوتی رہی آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھاتے تھے بولے جانے دو مہرِ مثل رکھو۔ مبتلا تو نیم راضی ہو چلا تھا مگر بیگم مہرِ مثل کے نام سے چھیپتی تھی کیونکہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہرِ مثل ہو دادی اور پھوپھیاں ساری عمر خرچیاں کماتی رہیں مہرِ مثل آئے تو کہاں سے آئے ناچار مہر شرع محمدی ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بی ہے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے ہیں دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ بھر پایا۔ وہ کیا غضب کے داؤ پیچ تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور اُدھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے نکاح کے بعد پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ یہ مکان جس میں میں رہتی ہوں تم کو معلوم ہے کہ کرائے کا ہے اور جتنا ساز و سامان تم یہاں دیکھتے ہو یہاں تک کہ میرے ہاتھ کان کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں۔ میری سگی خالہ میرے ساتھ ہیں یہ سب اُن کا مال ہے اُن کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ میں نکاح کروں اب جو میں نے اُن کو ناراض کر کے کیا ہے تو اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے خالہ بندی میرے پاس ٹھہرنے والی نہیں اور مجھ کو اِس وقت کہیں لے چلتے ہو تو میں تیار ہوں اپنی آبرو کا پاس کر کے گہنا کپڑا تم بہتیرا پہناؤ گے اور میں پہنوں گی مگر لے چلنا ہی تو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے پہنا کر لے چلو اور دو چار دن کے لیے یہاں ٹھہرانے کی صلاح ہے تو جا کر خالہ سے اجازت لو میں اُن کے سامنے نہیں جا سکتی۔ مبتلا نکاح کے لیے تو بڑا مستعجل تھا مگر احمق نے پہلے سے اتنا بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لیجا کر رکھوں گا اور کیوں کر اس نئے گھر کا انتظام ہوگا۔ اب جو دفعۃً اُس کو معلوم ہوا کہ بیگم بے سر و سامان محض بیک بینی و دو گوش اِس کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا طبیعت کو اُس کے لیے بھی حاضر نہ پایا۔ یہ حقیقت تھی اُس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین کچھ اُس کو نہیں سوجھتا تھا اب ایک ذرا سا تردد پیش آگیا تو کہیں اُس خواہش کا پتا نہ تھا۔ میر متقی اور عارف اُس کو کبھی تو سمجھاتے تھے کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ۔ اچھی اور ضروری اگر اُن میں دل لگاؤ تو اس فکرِ بیہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اُس کو شرم آئی آخر وہ یہ کہہ کر اُٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بند و بست کر کے تم کو لے چلتا ہوں تیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھتی تھی جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا کوئی بات اُس کے ذہن میں نہ تھی اُٹھ کر ملازم

آنا تھا کہ اُس نے اپنے دل میں کہا بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانہ میں بلکہ غیرت بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بات چھپنے والی تو ہی نہیں آخر کبھی نہ کبھی کھُلے گی ضرور پس جو کچھ ہونا ہے وہ پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا آج ہو چکے یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آرہا تھا کہ راہ میں اُس کو اپنے گھر کی دو عورتیں ملیں۔ ماما۔ ماما کے ساتھ انّا۔ انّا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوئی دس گیارہ مہینے کی ننّھی بچّی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا مبتلا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہو گئی اور سنتے کے ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر چلی گئیں اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں گھبرا کر پوچھا۔ ماما بولی ننھی بچّی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہے کہ بخار کسی وقت نہیں اُترتا کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھولی۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہے کہ دو پہر سے دودھ بھی مُنہ میں نہیں لیتیں متوکل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے لیئے جاتے ہیں۔ مبتلا سے اور ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اُس نے دیکھ کر کہا بخار بڑے زور کا ہے مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں کچلیاں پھول رہی ہیں میں مسوڑھا کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بھیج دیتا عرق دوں گا گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آکر تپ اُتر جائے گی اور دودھ تو خدا نے چاہا لڑکی ابھی پینے لگے گی مسوڑھے کی تکلیف کے مارے مُنہ نہیں چلا سکتی یہ کہہ کر نشتر نکال مسوڑھا کھول دیا انّا نے بیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے جب مردانے میں پونہچے تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہولا اس بلا کی باتیں جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا بھی دیکھتا تو گود میں اُٹھا لیتا مبتلا نے کبھی بھولے کر بھی آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف کو نہ دیکھا بلکہ وہ بچّہ جب اُس کو دیکھتا ابّا ابّا کہہ کر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اُس کو جھڑک دیتا خلاف عادت بیٹی کو گود میں لیئے ہوئے جو گھر میں گھسا۔ غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریجھ گئی۔ اور بیٹی کو لینے کے لیئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہ میں نے تو اس کو دم کروانے کے لیئے بھیجا تھا کیا تم اس کو اُلٹا پھر والائے۔ مبتلا۔ تم کو خبر بھی ہے اس کی کچلیاں نکل رہی ہیں اور کچلیوں کا تو معمول ہے کہ بچّے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لیے گیا تھا اُس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہے اور بخار کے لیئے عرق دینے کو کہا ہے۔ شیشی بھیج دو ماما جا کر عرق لے آئے خدا نے چاہا آج ہی رات کو بخار بھی اُتر جائے گا اور کچلی کو تو سمجھو نکل آئی۔ غیرت بیگم۔ اُئے ہئے کیا مسوڑھے کو چیر لگایا ہے۔ مبتلا۔ کچھ خوف کی بات نہیں انّا سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی اُسی وقت تو اُس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا ہے تو مسوڑھا پہلے سے مُردار پڑ جاتا ہے اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی کچھ خدا کو بہتری کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہو گئی ورنہ آج رات بھر میں معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔ غیرت بیگم نے لڑکی کا مُنہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی پکارا۔ بتول بتول۔ تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی ماں نے پیار کر کے انّا کی گود میں دیا تو پھر دودھ پیا یہ دیکھ کر غیرت بیگم بولی کہ ننھے بچّوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو مُنہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے اوپر والوں کو کیوں کر معلوم ہو کہ ان کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اُچھل اُچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں بساندی بساندی بو کا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب لوگ یہی کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہے۔ مبتلا۔ ڈاکٹر نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سن کر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہو گا پھر جو مُنہ کھول کر دیکھا تو حقیقت

میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی - غیرت بیگم - گھر میں کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے بچے ذرا ماندے پڑتے
ہیں تو میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے لو اب مغرب کی اذان یا تو ہو چکی ہو گی یا ہو رہی ہو گی لڑکی کے جھگڑے میں کھانے
کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا گوشت کا اب وقت نہیں رہا کہو تو خاگینہ پکوالوں - مبتلا - جو تمہارے جی میں آئے پکواؤ مگر
خدا کے لیئے کوئی سلیقہ مند عورت ضرور رکھو - غیرت بیگم ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑا ہی کہ دوا کے لیئے بھی میسر نہیں
جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر بیٹھے گوٹے کناریاں بُنتی یا سلائی کا سیتی ہیں نوکری پرائی تابعداری کرے اُن کی
بلا اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا اُنھوں نے سر پر ڈالا برقع اور جدھر کو مُنہ اُٹھا چل کھڑی ہوئیں پہر چھی گھڑی بھیک
مانگی لدی پھندی گھر لوٹ آئیں - مبتلا - لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت ہی جو بال بچوں
کی خبر گیری کرے وقت پر اُن کا ہاتھ منہ دُھلائے کھانا کھلائے کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اُٹھائے - غرض
داروغہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کرکے تم کو آسائش پونہچائے - غیرت بیگم - تم ہی کوئی اِس طرح کی عورت ڈھونڈ
کر نہیں لا دیتے - مبتلا - لا دوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی - غیرت بیگم - ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا - مبتلا -
خیر اتنی ہی تنخواہ دینا مگر خاطرداری سے رکھنا - لکھنؤ کی ایک عورت ہی خدا جانے کس تباہی میں آکر یہاں چلی آئی ہی اگر پھٹا پرانا ایک
جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اُس کو لے آؤں غیرت بیگم نے جلدی سے گٹھڑی کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا -
مبتلا کپڑے لے بیگم پاس پونہچا اور اُس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہی مجھے اپنی بی بی
کا حال معلوم ہی وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچھی نہیں بلکہ اُس میں عقل کی بھی کوتاہی ہی - صورت تو خیر تم خود چل کر دیکھ لوگی مگر عقل کی
کوتاہی اسی سے ظاہر ہی کہ اُس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے پس تم کو چار روز البتہ بے عزتی کا تحمّل کرنا پڑے گا
اس کے بعد مجھے کامل یقین ہی کہ تم گھر والی ہو گی اور وہ رہے گی تو تمہاری خدمت کرے گی یا اپنے میکے چلی جائے گی غرض غیرت بیگم کا
اُتارن پہن معزز ماما یا داروغہ کا بھیس بنا مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی جھکی سکڑی سمٹی - مبتلا
کو اتنی جراُت نہ ہو سکی کہ خود لے جا کر غیرت بیگم سے ملا دیتا - دروازے کے اندر کر اتنا پکار دیا لو صاحب داروغہ جی آتی ہیں اور آپ
مردانے میں جا بیٹھا بیگم نے اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اُسی قدر اُس کا پردہ فاش ہوتا جاتا تھا - آئی تو نوکری
کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی دُلھنوں کی طرح گھونگٹ نکال کر رات کا تھا وقت غیرت بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو ان کی
صورت اچھی طرح نظر آئے جوں غیرت بیگم نے زبردستی اُس کا مُنہ کھولا دیکھتی کیا ہی کہ ایک عورت ہی جوان ماتھے پر افشاں چُنی
ہوئی پٹیاں جمی ہوئی اُلٹے بل کی چوٹی اور اُس میں چنپا کا مُوباف کانوں میں چنبیلی کی کلیاں آنکھوں میں دھواں دھار
سرمہ مسّی کی دھڑی اور دھڑی پر لاکھا ہاتھ پاؤں میں منہدی دُور سے خوشبو بڑی مہک رہی ہی غیرت بیگم دیکھتے کے
ساتھ اس طرح ڈر کر پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ بیچا سے بھاگتا ہی اور لگی کہنے اُوئی بیوی یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد
کنچنی ہی - پھر تو ہمسایے تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے مل کر بیگم کا ایسا بُرا ہڑا کیا کہ کوئی دوپٹا اُتارے لیئے
جاتا ہی کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہی - اگر ذرا بھی بیگم وہاں اور رہے تو لڑکیاں اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں -
مگر کسی رحم دل بی بی نے اُس کا ہاتھ پکڑ باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہا بیوی بقّو جدھر سے آئی ہی اُدھر ہی

کو چلی جاوہ تو گھر والی دل کی بڑی نیک ہی کوئی اَوْر سَرِی کی ہوتی تو بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے لگا
یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا کچھ ہنسی کچھ غصّہ بیگم کو دیکھتے ہی بولا واہ اچھی اپنی گت کرائی باوجودے کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ مَیں
تم کو نوکری کے حیلے سے لیئے چلتا ہوں پھر تم کو ایسا بن سنور کر آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا سیدھے سُبھاؤ چلی
آئی ہوتیں نہ کسی کو شبہہ ہوتا اور نہ چراغ لے لے کر کوئی تمہارا مُنہ دیکھتا۔ خیر اب ذرا کی ذرا یہیں ٹھیرو۔ پھر میں تمہاری مَیں
جما تا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمہارے لگاؤ کا شُبہہ ہو۔ مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں
رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہی۔ اَنّا بولی اب تو اللہ کا فضل ہی دو بار عرق پلایا اِس قدر پسینا آیا کہ شام سے تین کُرتے
بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ بس ان شاء اللہ اب بخار گیا۔ بارے الحمد للہ بچ گئیں (بیوی کی طرف مخاطب ہوکر) لاؤ صاحب کھانا
طیّار ہو تو منگواؤ۔ دستر خوان بچھا عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا کیوں صاحب وہ
عورت آئی تھی۔ غیرت بیگم۔ واہ۔ چوری اور سرزوری آج کو بڑے[۵] ماموں جان زندہ ہوتے تو اُلٹے اُسترے سے مردار
کا سر مُنڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ پاس آج کیا برسوں سے نہیں۔ بڑے ماموں جان کی زندگی
تک چوری چھُپے کرتے تھے وہ مرے تم کُھل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدّتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہی ایک زنانہ مکان
بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اِس کی تاک میں لگے ہو مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی بچی میری
ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہی۔ اپنا اُس کا خون ایک کر دوں تو سہی۔ مبتلا بے وجہ بے سبب تم اِس قدر کیوں گرم ہوتی ہو
بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ مجھے اُس کو بُلانا منظور ہوتا تو مَردانہ ہوتے ساتے مجھ کو اُس کے گھر میں لانے
کی کیا ضرورت تھی۔ ایک۔ اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لیئے ایک موٹی بات یہ ہی کہ تمہارے مانگے کے کپڑے پہن کر
کیوں آتی۔ غیرت بیگم۔ کپڑا اور گہنا تو بے شک اس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوتھی کی دُلہن معلوم ہوتی تھی۔
مبتلا۔ تم کو چاہیئے تھا کہ مجھ کو بلا کر پوچھتیں۔ اگر میں تمہاری تشفّی نہ کر سکتا تب بھی اِس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ مجھ پر جتنا
چاہتیں خفا ہو لیتیں بات یہ ہی کہ حقیقت میں وہ آج شاموں شام تک کنچنی تھی مگر میں اِس کو ایک مدت سے جانتا ہوں
ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ مجھ کو اِس پیشے سے سخت نفرت ہی اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانا لگ جائے تو میں تائب ہو جاؤں
جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اُس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکّی اور سچّی تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی
اور پھر کس طرح پر کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتّا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ
کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمہارا گنہ گار ہی۔ مگر جب اُن سے چچا باوا تشریف لائے
تم میری کوئی ایک بات بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں توبہ کچھ چیز نہیں اور ناحق بدگمان رہو تو تمہاری خوشی بھلا
تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھ کر دیکھا ہوتا جو شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے اُس کا حال
آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور کھُلے گا پر کھُلے گا۔ نوکر تسریش نہیں ہی کہ چمٹ جائے مرضی ہوئی رکھا مرضی
نہ ہوئی نہ رکھا مگر چوں کہ میرا قدم درمیان میں ہی میں تم سے بات کہوں صاف یوں بے خطا بے قصور تو میں اُس کو اُدھر

[۵] مبتلا کے والد میر مہذب ۱۲

میں نہیں چھوڑ سکتا تم ہی بتاؤ کہ اب وہ جائے تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم۔ ابھی کچھ ہاں ناکرنے نہیں پائی کہ بتلانے کہا جا
ماما جایا ہر ہریالی ایک عورت کھڑی ہو اُس کو بلا لاؤ اور کام کاج میں اُس سے مدد لیا کرو غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آموجود ہوئی
رات گئی تھی زیادہ لوگ کھانا کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سلا رہے ہریالی بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی
صبح کو جو اُٹھے تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا مگر اب اُس کا سنگار ہو گیا تھا باسی اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمت
کی تکان سے اُس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا لوگوں نے کچھ بہت اُس کا پیچھا نہیں کیا۔ اِس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک
منتظم عورت کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریالی کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی۔ ہریالی نے جو صبح سویرے
اُٹھ کر دیکھا تو تمام اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہی اُس نے خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش اُٹھوا کر دالانوں
میں کوٹھریوں میں صحنچیوں میں دروں میں باورچی خانے میں یہاں تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی ٹوکروں نہیں چھکڑوں
کوڑا نکلا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں جن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ صبر کر کے بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں
مٹی کی تہیں جمتے جمتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصلی رنگت پہچان نہ پڑتی تھی جھڑوایا تو منوں گرد۔ دروازوں میں جو
چلمنیں اور پردے بندھے تھے اُلٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا کوئی اُدھر تک بندھا ہی تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک
رہا ہی اور کسی کا پیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا ہی تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو برابر کر دیں بلکہ کئی پردوں
میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے دالانوں
میں زمین پر بوریے بچھے ہیں بوریوں پر دریاں دریوں پر چاندنیاں لونڈیاں اور مامائیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے
ننگے پاؤں چاندنیوں پر لیے پھرتی ہیں اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور چکتوں کے یہ حال ہو رہا ہی کہ آنکھ اُٹھا کر
دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ صبح سے کھڑے کھڑے ہریالی کو دوپہر ہو گئی تب کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی
دالانوں میں اس حساب سے تخت بچھوائے کہ بیچ میں فرش اور اِدھر اُدھر ماماؤں اور لونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ اب
چاندنیوں اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی ڈھنڈیا پڑی۔ قاعدہ ہی کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا
تو یہی شناخت ہی کہ چیزوں کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار تھیں
وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بہتیرے پتے بتائے ارے کمبختو ابھی ہفتے عشرے کا ذکر ہی دھوبن چاندنیوں کا گٹھر
لائی وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا اُٹھے کی وہ کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اُس پر سالن
کی دیگچی مبارک قدم کے ہاتھ سے الٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لیے اُٹھوا دی تھی کہاں ہی جتنی کھڑی تھیں
ایک ایک کا منہ دیکھتی تھی اور ایک ایک پر ٹالتی تھی آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھڑی میں مچان پر پڑی
ملیں جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بُغارے ڈال دیے تھے اور ایک میں کسی ماما نے سوکھے ٹکڑے باندھ کر کھونٹی میں
لٹکا رکھے تھے اسی جستجو میں معلوم ہوا کہ کئی چاندنیاں باہر سائیس کے پاس ہیں وہ اوڑھ کر سوتا ہی۔ دو یا تین چاندنیاں
کسی کو مانگے دی تھیں وہ واپس نہیں آئیں۔ میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اس وقت تو ہریالی
نے کسی طرح گوتھ گانتھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے اُن کو کسوا کر اجلی چادریں بچھوا دیں تکیوں

کے خلاف بدلے اُجلا دستر خوان نکلوا دیا اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کے لیے آرہے ہیں ہریالی یہ سُن کر سامنے سے ٹل باورچی خانے کی زینت ہو گئی۔ مبتلا نے آکر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا تو باورچی خانے سے دو لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لے کر چلیں پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اٹھا کر دوڑی۔ ہریالی سے نہ رہا گیا عین وقت پر ہو کیا سکتا تھا مگر خیر اِن جاتیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی سینی سلفچی خاص دان اُگال دان سب چیزیں منجوا ئیں سینی کے بیچ میں روٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھوا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلیو کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی آفتابہ اُجلا دستر خوان دے کر اس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دُھلائیو جب ہاتھ دھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اُجلا دستر خوان بچھائیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اُتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو۔ دو قسم کا سالن ہے دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھالی جوڑا اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا تو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور تھالی مُنہ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی اچار مربا سبھی کچھ تھا مگر دستر خوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا جس کسی کو کبھی کسی چیز کا خیال آگیا اور مُنہ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا اچاری اُس کے پاس لے جا کر روٹی پر ایک پھانک رکھ دی۔ ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک رکابی میں لگا ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پونہچا دیں۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو گرم پانی کا آفتابہ اور ایک طشتری میں بیسن۔ کھانے کو خاص دان میں بھیگی ہوئی صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھوا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے۔ مہینے بھر کی محنت میں اُس نے کپڑے کا کھانے کا سامانِ خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں کا بازار کے سودے سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجب چیز ہے اندر باہر عورت مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے۔ معصوم ایسا ہلا کہ دن رات میں ایک دم کے لیے گود سے نہیں اُترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی بھڑکتی ہو آواز سنی اور چپکی ہوئی غیرت بیگم کے دل میں اس کی طرف سے شک تو تھا مگر ہر چند ٹوہ لگائی کوئی بات نہ پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے ہریالی ان وقتوں میں اوبدا کر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر احیاناً بضرورت سامنے چلی پھری بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے رخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک بھی نہیں مگر خدا جانے دونوں کو کیا ڈھب یاد تھا کہ اتفاقی اُچٹتی ہوئی ایک نگاہ اُن کے حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہہ دیا کرتا تھا کہ ہریالی برابر سرگرمی اور دلسوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی تھی۔ سچ ہے غیرت بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا مبتلا کی حسن پرستی آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی ضرور تھا کہ اس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ذرا بھی کوشش نہیں کی وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھوں میں ہاتھ پکڑا دیا تو

بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں اب میاں کا کام ہی کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے میری خاطرداری و مدارات کرے لیکن اُس کو اتنی بات اَور سمجھنی چاہیئے تھی کہ کھلانا پہنانا خاطرداری و مدارات کرنا سب چیزیں متفرع ایں رغبت پر۔ رغبت کرنا میاں کا کام ہی اور دلانا بی بی کا رہی یہ بات کہ بی بی کیوں کر میاں کو رغبت دلائے اِس کے لیئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے کیوں کہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر شخص کی رغبت جدا۔ لیکن اگر بی بی چاہے تو اُس کو اپنے میاں کی رغبت کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہی۔ مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ مبتلا کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہی وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا خیر حسنِ صورت مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے اُتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی ساز و سامان کی درستی انتظام کی خوبی یہ چیزیں بھی داخلِ حُسن ہیں اور طبیعت میں سلیقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت بیگم کی تو زبان کے ہلانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا مگر اُس نے اِن چیزوں کی طرف کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی۔ مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی اُسی کو دیکھ کر متنبہ ہوئی ہوتی اُس کا اپنا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے بے رُخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کنگھی ندارد۔ لونڈیوں کے تقاضے سے دسویں پندرھویں سر دھویا ہی تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں۔ پھُولے پھُولے روکھے بال دُور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کُڑک مرغی بیٹھی ہی آنکھوں میں سرمہ نہیں ہاتھ پاؤں میں منہدی نہیں۔ پھول نہیں عطر نہیں گوٹا نہیں کناری نہیں غرض عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں۔ مبتلا کو پہلے استکراہ تھا غیرت بیگم کی بے تدبیریوں نے استکراہ کو نفرت اور نفرت کو ضدّ اور ضدّ کو چڑھ بنا دیا۔ صورت شکل میں ہریالی کچھ غیرت بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھٹانک بھر حُسن ہوتا ہی تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جچنے لگتا ہی سو غور پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اُبٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچڑ ملے تو اُٹھا کر مُنہ کو مل لوں۔ میاں بی بی میں جب اختلافِ مزاج اِس درجے کا ہو تو اُن میں صحبت برآر ہونے کی کیا امید۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مُونگ دلنے کے لیئے آخر ایک سوکن تو آموجود ہوئی۔ ہریالی کا انتظام دیکھ دیکھ کر غیرت بیگم کا پھوہڑپن مبتلا کے دل میں اَور بھی بیٹھتا چلا جاتا تھا

## غیرت بیگم پر اپنی سوکن ہریالی کے راز کا فاش ہونا اور اُس کا سوکن کو مارنا اور آخرکار سیّد حاضر کا بیچ بچاؤ اور فیصلہ کرنا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اِس نمط پر رکھنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے یہ اطلاع پُہنچی کہ ایک بوڑھی عورت نوکری کی جستجو میں آئی ہی اگر حکم ہو اندر بھیج دیں۔ انتظامِ خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا غیرت بیگم نے ہریالی سے پُچھوایا ہریالی کسی کوٹھری میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی۔ اُس نے وہیں سے کہا کیا مضایقہ غرض وہ عورت اندر آ کر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جا بیٹھی اور لگی کہنے کہ میں تو ہریالی بیگم پاس آئی ہوں جن کو تمھارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدت سے میں اِن کے یہاں اوپر کے کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے آئے ہیں اِن کی خالہ کے پاس رہی آج آٹھواں دن ہی کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلوں اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں اُن کے مزاج سے واقف ہوں وہ مجھ کو جانتی پہچانتی ہیں اَن جان جگہ تابعداری

کرنی کیا ضرور کیا وہ اِس گھر میں نہیں رہتیں غیرت بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے والی کوٹھری میں ہیں وہ عورت اُٹھ کر کوٹھڑی کی طرف چلی دروازے تک پونہچی تھی کہ اتنے میں غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اُٹھی اور وہ عورت ابھی ہریالی سے بات بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ اس نے پونہچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے منہ ہریالی پر دھکیل دیا اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے یہ میری سوکن ہے میں رانڈ ہوں یہ سہاگن ہے میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی لاڈو ہے یہ میاں کی چہیتی ہے یہ میاں کی کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اُس کے ساتھ ہزارہا گالیاں اور سینکڑوں کوسنے اور دوہتڑ تھا کہ باری باری سے اِس شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ گویا مزدور سڑک کوٹ رہے ہیں گھر میں بہتیری لونڈیاں اور مامائیں تھیں مگر سیدانی کا جلال دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھڑی کی طرف رُخ کرے سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں ہمسایے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار پر سے کھڑی جھانکتی تھیں۔ پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے مبتلا کو دکھلوایا تو وہ بھی اِس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹٹروں ٹوں اکیلا وفادار اس کو اَور تو کچھ نہ سوجھی گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی منہ میں لگام دے ننگی پیٹھ سوار ہو بگٹٹ[1] سیدھا پونہچا کچہری میں سید ناظر کے پاس ناظر اُسی گھوڑے پر چڑھ دھم سے آموجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین دن کے آئے ہوئے تھے کچہری سے اُن کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلدی آئیے غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پونہچ گئے غیرت بیگم سید ناظر کے آنے سے پہلے کھڑی اور پڑی اتنا پیٹی کہ آخر اُس کو غش آگیا ناظر جس وقت پونہچا ہے تو وہ بالکل بیہوش پڑی تھی ناظر نے آتے کے ساتھ اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ سید حاضر اور مبتلا دونوں آلیے ہیں اُس کے بہت دیر بعد غیرت بیگم کو ہوش آیا۔ سب سے زیادہ چوٹ غیرت بیگم ہی کو لگی تھی کہ اُس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن چوڑی کی طرح نیلا کر لیا تھا۔ ہریالی کی بھی گندی خوب ہوئی مگر اُس کو گجی[2] مار لگی تھی۔ بڑھیا ہریالی اور کوٹھڑی کی دیوار کے بیچ میں آکر بچ گئی مگر وہی مثل ہو کہ مرغی کو تکلے ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے ...... دو تین دوہتڑ جو اُس پر جمتے ہوئے بیٹھ گئے وہ اتنے ہی میں سُبکیاں لینے لگی اگر ناظر نہ ہو تو کوتوالی والے گیا اس مقدمے کو بے چالان کیئے رہیں توبہ۔ اور اگر حاضر نہ ہو تو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھ دن تو بیماروں کی دوا دارو ہوتی رہی باندھنے کے موقع پر آنبا ہلدی کا حلوا پکا کر باندھا سیکنے کی جگہ پرانے رُوڑا اور ریہ سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ اب کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لیئے مبتلا کو ہریالی سے ملنے میں تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمت گزاری میں لگے تھے اور مبتلا کھلم کھلا ہریالی اور اُس بڑھیا کی۔ بارے جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے۔ مبتلا اور ہریالی کی تو یہ مصلحت تھی کہ اب اسی گھر میں برابری کے داعیے سے رہنا اور جلتوں کو خوب جلانا۔ اُدھر حاضر ناظر غیرت بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگتے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو فوجداری میں داغو مداخلت بے جا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے اور دونوں بچوں کے نفقے کی مبتلا پر اور ایک دعویٰ مہر کا کاغذ کامل القیمۃ

[1] یعنی ایسے زور سے گھوڑے کو دوڑایا کہ باگ ٹوٹ جائے تو عجب نہیں ۱۲ [2] اندرونی ۱۲

پر دیوانی میں دائر کرو۔ غیرت بیگم معاملے مقدمے کو تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی وہ اپنی اسی ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو
سید نگر پونہچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھا میر منتقی صاحب کے خوشہ چینوں میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا
اس کی یہ رائے تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ سید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ صبر
کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو سوکن کا آنا تمھاری تقدیر میں تھا سو ہوا اب تمھارے شور و فساد سے بہت ہوگا تو شاید
اس گھر سے نکل جائے مگر تم اپنے میاں کو اس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں تم جو سید نگر جانے یا افیون کھانے کو
کہتی ہو یہ تمھاری نامراد سوکن کی عین مراد ہی ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اس کا خلاصہ ہی لڑائی اور لڑائی کا ضروری نتیجہ ہی
نقصان اور تردّد اور فضیحت اور رسوائی۔ اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک خیالی تکلیف پونہچی ہی اور تم افیون
کھانے کو موجود ہو لڑائی کی صورت میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمھارے ساتھ مجھ کو اور ناظر بھائی
کو بھی افیون کھانی پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر آپے سے باہر کیوں ہو کیا سوکن تم پر آج آئی ہی
تمھارا تو بیاہ ہوا ہی پیچھے اور سوکنیں تمھارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں تم ہی بتاؤ کہ بتلا
بھائی کس دن بے سوکن کے رہے۔ سارا سید نگر جانتا ہی کہ میں نے تمھاری منگنی کے وقت بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون
تھا میں تو تمھارے نصیبوں کو اسی دن رو چکا جس دن تمھاری بات ٹھیری۔ تمھاری سمجھ کا پھیر ہی ورنہ میں تو حقیقت میں اس
بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ بتلا بھائی نے نکاح پڑھا لیا اس سے تو یہ پایا جاتا ہی کہ انھوں نے آوارگی سے توبہ کی وہ کوٹھو
کوٹھوں شہر بازار خدائی خوار پڑا پھرنا بہتر یا ایک کا ہو رہنا اور اس کو اپنا کر لینا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک
خلافِ شرع چلتا رہا تم نے ہوں تک نہ کی۔ اس کا طریقۂ شریعت پر آنا تھا کہ تمھارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی ہم تو
بھائی ایسے دین ایمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہی کہ بتلا بھائی نے تمھارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا
اور تمھاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو بتلا بھائی اس عورت کے ساتھ اپنے
معاملے کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھائے سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا ان کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس
عورت کی اور بڑھیا کی دلجوئی اور خبر گیری نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا میں نے تو جس وقت آکر بڑھیا کو دیکھا میں تم سے
سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف چہرے کی رنگت متغیر میں تو سمجھا خدا جانے کہاں
بے موقع صدمہ پونہچا کہ اس کا سانس پیٹ میں نہیں سماتا پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہی کہ کسی
گورے نے ایک قلی کو تھپڑ کھینچ مارا یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرت بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور اگر تم
اس طرح دست درازی کروگی تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دوگی ایسا معلوم ہوتا
ہی کہ خدا کے چند بد نصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمھارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ ان پر نکالتی رہتی ہو یہ
بیچاریاں تمھارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے
ہیں سوکن اور بڑھیا دونوں کو اٹھا کر پیٹ ڈالا گویا وہ تمھاری لونڈی ہی اور یہ تمھاری باندی۔ وہ تو خدا نے اتنی خیر کی کہ
بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آ پونہچے میاں ناظر کہ ان کے ملاحظے سے کوتوالی والوں نے تھوپ تھاپ کر دی ورنہ

ساری شیخی کرکری ہو جاتی کہ سادات سیدنگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفریں ہی تمھاری سوکن پر ہے ہی تو ذات کی کنجنی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہی کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہی مگر چپکی مار کھا یا کی اور اُلٹ کر اُف تک نہ کی کیوں غیرت بیگم! بھلا جیسا تم نے اُس کو مارا تھا اگر وہ بھی برابر سے مارتی تو تمھاری عزت تو دو کوڑی کی ہو جاتی مگر اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ پھر تمھارا ہاتھ کسی پر نہ اُٹھتا۔ سیّد حاضر نے ناظر اور غیرت بیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا اور دونوں اپنا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو اُس کی تعمیل میں نہ مجھ کو عذر ہی اور نہ آپا کو یہ معاملہ ناموس کا ہی اور بھائی بہنوں کی ناموس کچھ جُدا جدا نہیں ہوتی اِس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے آپا کے حق میں بہتر ہی کریں گے سید حاضر نے کہا بس تو مجھ کو مبتلا بھائی سے دو دو باتیں کر لینے دو ان شاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں بی بی میں صفائی ہو جائے ایسا موقع تاک کر کہ مبتلا مردانے میں اکیلا تھا سید حاضر خود اُس کے پاس گئے۔ جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی حاضر اور ناظر دونوں کی طرف سے بُرے ہی بُرے خیالات مبتلا کے دل میں گزرتے تھے۔ اُس کو ساری عمر کبھی کچہری جانے کا اتفاق نہیں ہوا بس کچہری کے نام سے اُس کا دم فنا ہوتا تھا اور حاضر ناظر دونوں کو خصوصاً ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب مویشی کو تھان۔ پرند کو گھونسلا۔ عورت کو میکا۔ باوجودے کہ سرتاسر قصور غیرت بیگم کا تھا مگر مبتلا اُلٹا چور کی طرح سہما جاتا تھا کہ دیکھیے یہ بھائی بہن کئی کئی دن سے کمیٹیاں کر رہے ہیں کیا فساد کھڑا کرتے ہیں اُس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی کسی نے اُس کو کوتوالی اور فوجداری میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی مگر ہر چند اُس کو مردوا بناتے تھے کچہری کا نام آیا اور اُس کا رنگ فق ہوا وہ بگڑ بگڑ کر ایک ایک کی منت کرتا تھا کہ یارو مجھ سے مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں اور کریں ہی گے تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے۔ بُہتیرا لوگ سمجھاتے تھے کہ اُن کی طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی رُوداد نہیں اور فرض کیا کہ نالش ہو بھی تو تم اپنی طرف سے جواب دہی کے لیے مختار یا وکیل کھڑا کر دینا بلکہ بعضے تو شرط باندھتے تھے کہ اگر نالش ہو اور خدانخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آجائے تو حاکم جو سزا تمھاری تجویز کرے اُس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوا لو۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو ارے میاں وہ اِس بلا کا آدمی ہی کہ چچا باوا بے چارے کسی کے لینے میں نہیں دینے میں نہیں اُس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا۔ مبتلا کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورت سے کھڑے کھڑے گھر میں جاتا تو اُلٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا کہ دیکھوں کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی اتنے دن نہ تو اُس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا اگر کچھ دن اَور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہوتی تو مبتلا اِس قدر پریشان تھا کہ وہ خود ابتدا کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لیے رہا تو اِن لوگوں کی نارضامندی کے خیال سے اُس کو جرأت نہیں ہوئی سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ گھبرا تو ہو گیا مگر اِس وقت تک اُس کے دل میں کھٹکا تھا کہ اِن کا آنا خالی از علت نہیں جب سید حاضر نے قریب پہنچ کر معانقے کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اُس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن کی پریشانی کو یاد کر کے خوب رویا سید حاضر کا بھی جی بھر آیا کہ دیکھو خدا کے فضل سے گھر میں سب طرح کی فراغت ہی ایک چھوڑ دو دو

پیسا ہیں بچّے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بُری لت جو اپنے پیچھے لگالی ہے تو زندگی کیا تلخی سے گزرتی ہے۔ معانقے کے بعد دونوں
بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سیّد حاضر نے کہا مبتلا بھائی یہ نیا رشتہ تمھارے ساتھ کیا ہوا کہ وہ پُرانا رشتہ بھی اُس کے پیچھے گیا گزرا ہوا
دیہات کا کمبخت کیا بُرا دستور ہے کہ ہم تو بہن کے گھر پر بلا ضرورت آ نہیں سکتے اب تمھاری ہی طرف سے ملاقات ہو تو ہو
سیّد نگر تو بھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہے کہ میں بلاناغہ دونوں وقت یہاں
آتا ہوں تم کو چار بار دیکھا بھی مگر تمھارا رُخ نہ پایا۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیش قدمی کر کے تم سے
ملوں۔ مبتلا۔ کیا کہوں میں تو ندامت کی وجہ سے نہیں مل سکا۔ حاضر۔ ندامت کی کیا بات ہے عورتیں ناقصات العقل آپس
میں لڑا جھگڑا کرتی ہیں۔ اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گزر ہو۔ مبتلا۔ آپ پر ثابت تو ہو گیا
ہو گا کہ زیادتی کس کی تھی۔ حاضر۔ اس معاملے میں میرا مُنہ نہ کھلواؤ میں تم سے کیسی ہی سچّی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی
سمجھو گے کہ بہن کی طرف داری کرتا ہے۔ مبتلا۔ میں نے آپ کے تدیّن کی تعریف کسی اَور سے بھی نہیں چچا باوا سے سُنی ہے۔
میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا۔ حاضر۔ دوسرا نکاح تو تم کر چکے اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے
جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو میں کہتا ہوں کہ تم نے بجا کیا مناسب کیا خوب کیا اور ضرور کرنا چاہیئے
تھا تمھارا طرزِ زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہت کے عقل کے سب کے خلاف تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم
نے اُس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمھاری توبہ پہاڑ کی طرح مستحکم ہو تمھاری ہمّت محکم ہو مضبوط ہو اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات
کا اندیشہ ہے کہ ایک مگدر کو تو تم اُٹھا نہ سکے جوڑی تم سے کیوں کر ہلائی جائے گی تمھاری وہی مثل ہے کہ تنّور سے
بچنے کے لیے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا جمع بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں تم نے تو ایسی ہنڈیا
پکائی ہے کہ یہ واقعہ جو پیش آیا اُس کا پہلا اُبال ہے جب گھر جن کی نوبت آئے گی تو اصلی مزہ معلوم ہو گا یقین جانو کہ
میں کچھ بہن کی پاس داری سے نہیں کہتا بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کی قدر و وقعت
کو مطلق نہیں پہچانا۔ غیرت بیگم خدانخواستہ (بُرا مت ماننا) تمھاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری عورت نہیں
وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان کی بیٹی ہے کہ جہاں اُس کا پسینا گرے آج سیّد نگر میں کم
سے کم دو سو آدمی ایسے نکلیں گے جو اپنا خون بہانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزّت اور آبرو اور
ناموس کے معاملے ہیں مال کی تو کیا حقیقت ہے عزّت کے آگے شرفا خاص کر دیہات کے خاص کر سادات خاص کر
سادات سیّد نگر جان کی ذرا پروا نہیں کرتے یاد کرو کتنی منّت کس قدر خوشامد کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا ان دونوں
کو جنت نصیب کرے) غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا اُن میں سے ایک بھی زندہ ہوتے تو کیا تمھاری
مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پر سوکن لاؤ اور اُسی کی گود میں بٹھاؤ پھر بندۂ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے
نہیں ساس سسرے اس کے نہیں دنیا میں وارث کہو سرپرست کہو شوہر کہو ایک تم سو تم نے جلا جلا کر اس کا یہ حال تو
کر دیا کہ سیّد نگر کی نسبت اب تنہائی بھی باقی نہیں رہی اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا سوکن کو لا بٹھایا عورت ہو تو جانو یا
عقل ہو تو پہچانو سوکن کا کیسا داغ ہوتا ہے۔ بیوگی سے بڑھ کر۔ میاں نکھٹو اپاہج ہو بدمزاج ہو روٹی کھانے کو

اولاد جی بہلانے کو نہ ہو سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی دنیا کے اور جلاپے جلاپے ہیں اور سوکن کا جلاپا ـ سُلگاپا ـ جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر افیون کھا لیتی یا کوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی اُس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی اگر خدانخواستہ اُس نے اپنے کو ہلاک کر لیا ہوتا تو تمھارا کیا جاتا تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے گل چھرّے اُڑاتے ہم کو بہن کہاں پیدا تھی ـ مبتلا ـ اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں ـ حاضر ـ میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں ـ فرض کیا کہ تم نے اُس کو میرے کہنے سے چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وتیرہ اختیار کیا تو تم اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا مونہ بھی کالا کراؤ ـ مبتلا ـ پھر آپ ہی کوئی راہ نکالیئے مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں میرے قابو کی نہیں آج آپ سے ایک وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا اعتبار رہا اس سے بات کا صاف صاف کہہ دینا اچھا اور اگرچہ آپ سے اس معاملے میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہے مگر چچا باوا چلتے چلتے فرما گئے ہیں کہ اگر کوئی مشکل آ پڑے تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں باپ کی جگہ آپ ہی اگر اڑی پر آڑے نہ آئیں گے تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں بندے کے ستّر قصور خدا معاف کرتا ہے آپ از برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجیئے ـ حاضر ـ بات یہ ہے کہ میں تمھاری اس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارات کرنی مناسب ہے ـ مبتلا ـ اِس کمبخت کے اَور حالات ہی کیا ہیں ـ بازاری عورت ہے تن تنہا مدت سے توبہ توبہ پکار رہی تھی میری جو شامت آئی اس کے ساتھ عقدِ شرعی کر لیا کیونکہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں توبہ کر چکا تھا حماقت پر حماقت یہ ہوئی اور اب میں اُس گھڑی کو بہت پچتاتا ہوں کہ گھر میں لاکر اُوپر کا کام کاج سُپرد کیا دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی اگر میں نے اُس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار رکھا ہو تو مجھ پر خدا ہی کی مار پڑے یہ تو اس کی پچھلی کیفیت ہے آیندہ کے لیئے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہے گی اور بدستور گھر کی خدمت کرے گی ـ حاضر ـ اس کا غیرت بیگم کے پیشِ نظر رہنا تو میں پسند نہیں کرتا کیوں کہ اس صورت میں فسادِ عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال تمھیں کس طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ دو گلاس ہیں ایک میں سوڈا ہے پانی میں حل کیا ہوا اور دوسرے میں ایسڈ ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور اُن میں جوش و خروش پیدا نہ ہو پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر بھی ارادہ نہ کرنا ورنہ آج دو ہتّڑ تھے تو کل جوتیاں ہوں گی اور پرسوں چھریاں اس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو وہ ہے اکیلی تن تنہا آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمھاری چادر[۱] میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں پس صرف یہی تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھانچا سا نکل گیا ہے پردے کی دیوار کھچوا لو اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ چھوڑ کر اتنا گھر الگ کر لو اور حقیقت میں یہ تھا بھی دوسرا گھر ماموں باوا نے مول لے کر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کرا کے زنانے مکان میں ملا لیا تھا تیغے کا نشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کے لیئے بخوبی کافی ہے ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں دالان در دالان آگے سائبان دونوں طرف بڑی بڑی دو دو کوٹھڑیاں باورچی خانہ اس کی بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی کول کی سامنے کے

---

[۱] یعنی تم کو اتنا مقدور نہیں ۱۲

ضلع میں سہ درہ بس اور چاہیے کیا بڑے گھر کی طرف خدا کے فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہی برابری اگر چاہو تو دونوں گھروں میں ممکن نہیں اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں چھوٹے ماموں باوا پینسٹھ روپے کی تنخواہیں اور کرایہ تمہارے نام کرا گئے ہیں اور ساٹھ کی غیرت کے نام۔ سوا پے پینسٹھ میں تیس چھوٹی بی بی کو دیا کرو اکیلا دم ہی فراغت سے بسر کر سکتی ہیں پینتیس تم کو بچیں گے اُس میں تمہارا کپڑا ہی اور باہر مردانے کا خرچ غیرت بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ۔ ایک دن بڑے گھر میں رہو ایک دن چھوٹے میں نہ ہڑ ہڑ نہ کھڑ کھڑ اللہ اللہ خیر صلاح۔ مبتلا تو اپنی جگہ یہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوائیں گے یا قید ڈلوائیں گے یا گھر بار ضبط کرائیں گے سید حاضر کا فیصلہ سنتے کے ساتھ اُن کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سر مُو فرق ہو تو جانیے گا کہ میری اصالت میں فرق ہی۔ ہریالی بھی اپنی جگہ بہت خوش ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا بی بی ہونا سب پنچوں نے جانا گھر بٹوا پایا میاں کے بیتیں بھی میرے اپنے ہی ہیں وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے میں بڑا آدھا میری طرف رہا کہاں غیرت بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی بیاہی ہوئی اور کہاں میں۔ انصاف کی رو سے تو میں اُن کی جوتی کی بھی برابری نہیں کر سکتی قربان جاؤں خدا کے کہ اُس نے مجھ گنہگار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ اُن ہی کے سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی اس کو مکان سے تنخواہ سے کچھ بحث ہی نہ تھی ہریالی کو کیسے ہی برے احوال سے رکھتے مگر جب تک غیرت بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہی کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن بڑے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چپکی ہو رہی مبتلا کے ساتھ بولنا بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا اب بالکل چھوڑ دیا غرض صحن میں پردے کی دیوار اُٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

**ہریالی کا امید سے ہونا۔ غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماما خاتون سے اُس کو سنکھیا دلوانا۔ مقدمے کا کوتوالی میں دائر ہونا۔ اور آخر کار ناظر کی تدبیر سے دب جانا مگر مبتلا کا دوالہ نکال کر**

اتفاق سے ہریالی بڑی بیمار شاموں شام سر دھویا سردی کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا چند روز کچھ دھیان نہ کیا بخار تھا کہ چمچڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھسک شروع ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کیے منضج ہوئے مسہل ہوئے بخار ہی کہ جنبش نہیں کھاتا کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو کہ سوکھی سے تر ہو گئی ایک دن بلغم میں کچھ سرخی کی سی جھلک دکھائی دی تو تردد ہوا اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سرخی ہو گی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی ہی تب تو مبتلا بہت گھبرایا۔ غیرت بیگم کے ہاتھوں سے تو اس کو ایسی ایسی ایذائیں پونہچی تھیں کہ اُس کے نام سے اس کا دل بیزار تھا اس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دل بستگی تھی ہریالی کے ساتھ تھی اب جو اُس کو خون تھوکتے دیکھا قریب تھا کہ سودائی ہو جائے۔ شبہ تو بہت دنوں سے تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں غیرت بیگم نے کچھ کر کرا دیا ہو کھانسی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ یقین کیسا حق الیقین ہو گیا کہ غیرت بیگم نے یوں بٹھائی۔ خدانخواستہ ایسا تو برا نا بخار بھی نہیں کہ سل ہونے کا اندیشہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے

آئے سب نے اپنے اپنے جادو چلائے مگر کمبخت یوں کی کچھ اصل جادو کی کچھ حقیقت ہو تو روگ ہیں کمی مرض میں خفقہ ہو خبط کے جادو وہم کی یوں اس کو اتارے کون - ہریالی کا حال بہت پتلا ہوتا چلا آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ - ڈاکٹر چنبیلی کا نام اصل میں مس بیلی تھا ولایت سے نئی آئی ہوئی تھی کہ اس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا تب ہی سے شہر میں اس کی بڑی شہرت ہوئی نواب صاحب کی محل سرا میں اس کو چنبیلی چنبیلی پکارتے تھے وہاں کی سنی سنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے دایہ گری کے فن میں نہایت تجربہ کار اور مشاق تھی اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونوں کے ہونے میں بلائی جا چکی تھی ہریالی اور ہریالی کے بیمار دار کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہریالی کی حالت ڈاکٹر چنبیلی کے علاج کی متقاضی ہے - ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلوایا گیا تو غیرت بیگم سمجھ کر معرفت سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بہت خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی - اس کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ مبتلا نے دوسری بی بی کی ہے - اس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر مبتلا سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو معلوم ہے کہ ان کے دو بچوں کے ہونے میں میں نے ان کی خبر گیری کی ہے تو تمھاری اس بی بی کا علاج کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اس کو میں خلاف مروت سمجھتی ہوں اور میرے علاج کی چنداں ضرورت بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہو ان کو صرف اتنا اشارہ کر دینا کہ دو جانوں کی رعایت سے علاج کریں - اتنا کہہ کر ڈاکٹر چنبیلی غیرت بیگم کی طرف گئی معصوم اور بتول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دبلی کیوں ہو ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو شاید عورت ہی کا پلہ جھکتا ہوا رہے گا - پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آجاتی ہے یہی سمجھ کر میں نے اپنا بیاہ نہیں کیا اور کرنے کا ارادہ بھی نہیں - میں تمھاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اس سے زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں لیکن اگر کبھی میرا کام آ پڑے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا - غیرت بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی پر وہ اتنی بھی بے تمیز نہ تھی کہ چنبیلی کے آنے کا اس کی محبت کا مروت کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی مگر سوکن کے جھگڑے میں اس کو کسی چیز کی سدھ نہ تھی چنبیلی اس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چپ کرے اور میں سوکن کا حال پوچھوں - غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا - چنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دو جی سے بیٹھی ہے میں نے تمھارے میاں کو جتا تو دیا ہے اب بھی اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہو گا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ ادھر تو ہوئے جلاب اور ادھر بخار کی وجہ سے ملیں او پر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے پکڑ لیا مگر احتیاط کی جائے تو میرے نزدیک بچے والی کو ابھی تک کچھ بڑی جوکھوں نہیں ہے - اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود از راہ گوش - ہریالی نے جو سنا تو اس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اس کا مزاج خود بخود بحال ہوتا چلا یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک ہی ہفتے میں چلنے پھرنے لگی - یہ تو اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی جگہ اب غیرت بیگم پڑی - غیرت بیگم کا سارا غرور سارا گھمنڈ سارا ناز بے جا اولاد کے برتے پر تھا اب جو اس نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں بھی جھپا لڑایا تو حقیقت میں اس کی کمر ٹوٹ گئی اور سمجھی کہ بس اب ہریالی کے مقابلے میں نہیں پنپتی اس کو اس بات کی بڑی تسلی

تھی کہ ہریالی لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو مگر آخر ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ پانی کا دینے والا کھالے جتنا اُس
کی تقدیر میں ہے اور پہن لے جس قدر اُس کے نصیب کا ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری اولاد
اِس خیال سے کبھی اُس نے سوکن کو سوکن ماننا ہی نہیں اب البتہ اِس کو سوکن کی حقیقت کھلی اور آدھی اور ساری کا سوچ
پیدا ہوا۔ چنبیلی ایسا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے آئی تھی اُس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم گھٹنوں میں سر
دے کر بیٹھی تو دوپہر ڈھلتے ڈھل گئی مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی۔ دو تین بار کھانے کی اطلاع ہوئی مگر اِس نے یہی
کہہ کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اِس کے گھر میں ایک بہت پرانی نوکر تھی **خاتون** وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی مگر کبر سنی اور
قدیم الخدمتی اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سب سے سر برآوردہ تھی۔ غیرت بیگم کو اُس سے مانوس ہونے
کا ایک سببِ خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلا نے غیرت بیگم پر سوکن کی اِسی طرح خاتون پر بھی اُس کے میاں نے سوکن کی
تھی غیرت بیگم کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور غیرت بیگم کُرید کُرید کر پوچھتی اور
ایک ایک بات کو بار بار کھلواتی۔ پس خاتون نوکر کی نوکر تھی قصہ خوان کی قصہ خوان اور بیوی کی ہم درد۔ جب خاتون نے
دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں کھایا کھانے کا وقت بھی ٹل گیا تو اُس نے
قریب جا کر پوچھا کہ بیوی آج جو تم اِس قدر اُداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم۔ تم نے نہیں سنا کہ بے غیرت کے یہاں
بال بچہ ہونے والا ہے ابھی اُس نے کیا اُٹھا رکھا ہے بال بچہ ہوئے پیچھے تو مجھ کو اِس گھر میں کھڑا پانی بھی نہیں پینے دے گی
خاتون۔ بال بچہ ہونے والا ہوتا تو حکیم کیا ایسے اندھے ہیں جُلابوں پر جُلاب کیوں دیتے۔ غیرت بیگم۔ حکیموں کو دھوکا ہوا
اُنھوں نے جانا ٹھنڈی دوائیں دی جا رہی ہیں پیٹ میں بادی بھر گئی ہے اب چنبیلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون
بی میں تو سنتی تھی کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی کیا میری ہی تقدیر میں ایسے پتھر پڑے تھے کہ مجھ پر کنچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہو
اور ماں بن جائے۔ خاتون۔ نہیں بیوی کون کہتا ہے کہ کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی کیا تم بھول
گئیں میری سوکن کون تھی اصل نسل کی کنچنی جب میرا میاں اُس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا ٹیٹکی ڈال
دیتی ہیں وہ جانتا تھا کہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی ہے پیچھے معلوم ہوا کہ چار بچوں کی ماں تو وہ اُس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو
بیوی پانچ برس وہ جی میری اتنی روک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اُس نے تیاری کی مگر واہ ری چُنیا دائی ہو تو ایسی ہو
کبھی چوتھا نہ لگنے دیا۔ غیرت بیگم۔ وہ چُنیا اب ہے۔ خاتون۔ مدتیں ہوئیں مر کھپ گئی ستر پچھتر برس کی تو وہ میری سوکن کے
وقت میں تھی۔ غیرت بیگم۔ پھر خاتون کوئی ویسی تدبیر یہاں نہیں کرتیں۔ خاتون۔ بیوی تمھارے یہاں اُفتاد دوسرے طور کی ہے
ہم تو غریب آدمی اب بھی ہیں اور تب بھی تھے میاں سات روپے مہینے پر ایک عطار کی دکان پر بیٹھتا تھا سامنے تھا اُس
بیسوا کا کوٹھا آدمی تھا وہ بھی طرح دار یہ نامراد اِس کے سر ہوئی میں بارہ آنے مہینے کرایے پر دینا بیگ خاں کے کٹڑے
میں رہتی تھی ذرا سا مکان میرے اکیلے دم کا اس میں مشکل سے گزر ہوتا تھا سوکن صاحب جو آئیں پس میری گود میں
بیٹھیں مردوا کمبخت اِس طرح کا ظالم کہ گالی دے بیٹھنا اُس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مُکّا اور لات اگر وہ
کبھی مجھ کو اور سوکن کو آپس میں لڑتے دیکھ پائے تو دونوں کے ڈنڈے لگائے سو بیوی اپنی عزت اپنے ہاتھ میں نے

تو چوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھلی ملی رہی جیسے سگی بہن پر دل سے تو وہ میری جان کی دشمن تھی اور میں اُس کی ایک جگہ کے سہنے سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی تھی سو کر گزرتی تھی اور اُس کو یا مردوے کو شُبہہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمھارے یہاں، بیوی اوّل دن سے کھُلّم کھُلّا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہی نہیں تو کیا بڑی بات تھی چُنیا نہیں مُنیا کی بہنیں اَور مُہتیری اور دائی کا بھی اِس میں کیا کام ایک سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہی کہ چُٹکی بجاتے میں کھڑا جھٹکا نہ کھائے۔ غیرت بیگم۔ اے ہے اچّھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہو تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔ خاتون دوائیں تو بہت پر کار ڑھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے آج کو دوا یہاں بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ بھی مشکل نہ تھا دوا تو بناتے ہیں اپنے ہاتھوں سے یہاں کوئی کرے تو کیا کرے۔ غیرت بیگم۔ پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے بیٹھی ہوں اور یہی بات اِس وقت مَیں سوچ بھی رہی تھی خدا مجھ کو تو اُس دن کے واسطے نہ رکھّے ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں گی کہ اُس کے بچّے کھیلتے پھریں اور کن کانوں سے سنوں گی کہ وہ امّاں پکاری جائے تم سے کچھ ہو سکتا ہو تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دنیا دیکھے گی کہ جلا ہوا دل بہت بُرا ہوتا ہی اور کسی پر زور نہیں چلتا اپنی جان تو اپنے بس کی ہی جان جائے گی بلا سے غیرت میرا نام ہی نام کے پیچھے جان دوں تو سہی۔ خاتون۔ بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت سُن سُن کر میرے تو ہوش اُڑے جاتے ہیں جان سی چیز کہاں پائیے تم اپنے ننّھے ننّھے بچوں کا مُونہ کرو۔ خدا تمھاری سلامتی میں اِن کو پروان چڑھائے الٰہی تم کو اِن کی بہاریں دیکھنی نصیب۔ اور قربان کی وہ نامراد سوکن خدا چاہے گا تو وہی نہ رہے گی ہراساں ہو تمھاری بلا اور غم کرے تمھاری پاپوش جب خدا نہ کرے تمھاری ہی جان پر آبنے گی تو ہم بندہ رہیں بندے جو تمھاری جوتیوں سے لگے ہیں کیا مُونہ دیکھنے کے واسطے ہیں پہلے ہم سب تم پر سے تصدّق ہولیں گے تب جو بات سو بات پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان جوکھوں کا کام ہی پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھولے تو اس کا بیڑا اُٹھائے پھر اِس کو چاہیئے آدمی دل کا پکّا پیٹ کا گہرا بھروسے کا پورا کہ خدا نخواستہ گل کلاں کو کچھ ایسی ویسی ہو تو اپنے اُوپر جھیل لے جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمھارے گھر میں تو مَیں اِس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی چھوکریاں ہیں چھچھوری کہ آدھی بات سُن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلّے میں دُھوم مچائیں رہ گئیں مامائیں نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لمنرتا ہی اور مجھ اکیلی سے سارا سر انجام ہو نہیں سکتا ایک میرا بھانجا ہی جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر ہی اگر وہ گٹھ جائے تو بس سارے کام آسان ہیں دیکھو میں اُس سے ذکر کروں گی پر بیوی تم اپنی جگہ بھی سمجھ لو میری تو اگر جان بھی تمھارے کام آجائے تو دریغ نہیں میں نے تمھارا نمک کھایا ہی اور میں اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی مُہتیرا جی چکی پر میرا بھانجا بال بچّہ دار آدمی ہی عمر بھی کچھ اُس کی ایسی بہت نہیں اُس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائے گا تو شاید وہ اِس کام میں ہاتھ ڈالے تو ڈالے۔ غیرت بیگم۔ مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اِس عذاب سے چھٹکارا ہو۔ خاتون۔ بیوی دیکھو خبردار میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو نہیں تو سارے گھر پہ آفت آجائے گی۔ غیرت بیگم۔ خیر خیر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ لیا ہی میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہی مجھ کو اپنے دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ مُونہ تک بات آجائے۔ خاتون۔ بس تو بات کو اپنے ہی تک رہنے دو جب سب

ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو آپ خبر کر دوں گی اور میں تم کو یہی صلاح دیتی ہوں کہ مل جاؤ کیوں کہ ملاپ میں خوب کام نکلتا ہے مگر ملو نہیں تو یہ ہر وقت کا جھگڑا بکھیڑا تو موقوف کر دو ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمہارے دشمن بُرا چاہنے والے خاتون کے سمجھانے بجھانے سے غیرت بیگم نے باوجودے کہ ناوقت ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا اور وہ جو سارے سارے دن ہریالی کا جھگڑا لگا رہتا تھا وہ بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ بے ظاہر ہوئے نہیں رہتی لوگ جو چوری یا دوسرے جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں اور آخر کو وہی پیش بندیاں اُن کو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں۔ یا تو تمام تمام دن دونوں سوکنوں کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا یا ایک دم سے ہوا سناٹا تو غیرت بیگم اور خاتون کے سوائے سبھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ لڑتے لڑتے رک گئیں۔ باوجودے کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی مگر غیرت بیگم کو اتنا صبر کہاں تھا اُس نے تو اگلے ہی دن سے خاتون کی جان کھانی شروع کر دی۔ کیوں بی اَب کب ہو گا کیا دیر ہے۔ کاہے کا انتظار ہے۔ اے ہے کبھی ہو بھی چکے گا یا نہیں۔ بس اب خاک ہو گا۔ تم کو نہیں کرنا منظور تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ سخی سے سوم بھلا جو ترت[1] دے جواب۔ آخر جب تقاضا حد سے گزر گیا تو ایک دن خاتون نے کہا لو بیوی خدا نے مجھ کو تم سے سرخ رو کیا اب کہیں اتنے دنوں میں جا کر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا میں تو سمجھتی تھی خدا جانے سرے سے حامی بھی بھرے یا نہ بھرے اور بھرے تو دس ہزار مانگے یا پندرہ ہزار مانگے پر ماشاء اللہ قسمت تمہاری بڑی زبردست ہے سستا چک گیا ایک ہزار روپیہ پہلے اور پھر چپ چپاتے خاطر خواہ کام ہوئے پیچھے ایک ہزار اور اور جو خدا نہ کرے کہیں کھل کھلا پڑے تو دو ہزار۔ غیرت بیگم تو کہہ ہی چکی تھی اگر مجھ کو کوئی کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس کڑوں کی جوڑی اتارنے کہ اتنے میں خاتون بولی بیوی کڑے مت دو میرا جی کڑھتا ہے ننگے ہاتھ بُرے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پرچول پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو غرض جس جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد و جنس ملا کر ہزار پورے کر اس کے پلے باندھے۔ ہزار معجل[2] اور ہزار موجل[3] کے بدلے خاتون نے یہ کار نمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے تھوڑی سنکھیا بھانجے سے مانگ لائی دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے منہ اٹھ مردانے میں جا بیٹھی جوں گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دنیا میں حلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں یہ کہیں سے بے چاری انوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے برسوں کھیر پکی کسی نے منہ پر نہیں رکھی کل جوں چاہا کہ سویوں میں ڈالیں نیلا نیلا سوت پانی۔ ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کرواتی ہے لا تیری ہنڈیا بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انہیں یقین آئے گا غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں میرے پاس حرام کا پیسا نہیں ہے جا دور ہو اب میرے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں کی لگی ہوئی گھوسن اور روز کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدت کیوں کر نبھتی بے چاری رو نکلی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا منہ دیکھنے لگی اور چھوٹے

[1] فوراً ۱۲ [2] نقد ۱۲ [3] اُدھار ۱۲

گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہنڈیا اُس کے حوالے کی کہ بڑی بی بی نے تو آج کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگالیں تو میری ہر روز صبح سویرے کی اتنی دور کی رٹ پٹ بچے - ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آگیا کہ میاں کئی بار فیرنی کی فرمائش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قفلیاں جمادیں سارے کا سارا دودھ لے لیا جب دودھ چکی تب اِس کو خیال آیا کہ آج[1] تو بڑے گھر کی باری ہے ماما سے کہا دیکھو تو کیا مجھ سے بھول ہوئی بڑے گھر کی باری کا خیال نہ رہا اور فیرنی کے لیے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی اب کیا کروں ماما نے کہا مضایقہ کیا ہے جاڑے کے دن ہیں اس وقت کی جمی ہوئی باسی قفلیاں تو کل تک ٹھنڈی ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہوں گی - غرض فیرنی پکا - قفلیاں بھر الماری میں رکھ اوپر سے قفل لگادیا جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور پال لیا کرتے ہیں - ہریالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے جانور پال رکھے تھے اچھا ایک پیالہ بھر کر فیرنی اِن جانوروں کے لیے الگ نکال کر تھوڑی ماما کے لیے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی - دو سیر دودھ مسالا کر[2] پاؤ بھر چاول برابر کی کھانڈ فیرنی کاہے کو تھی اچھا خاصہ کھویا کہنا چاہیے جس نے پائی خوب مزے سے کھائی دو گھنٹے نہیں گزرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو ٹیں ہوئے پھر تو باری باری سے اوبر سویر کوئی جلدی کوئی دیر مینا سکڑی بلی بولائی کبوتر چکرائے مرغیاں اونگھنے لگیں ماما مارے قے اور دستوں کے بدحواس ہو گئی ڈولی میں لاد اُس کے گھر پہنچوایا - اُس کا بیٹا تھانے میں نوکر تھا سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی نیم جاں کو اُٹھا کر ہسپتال لے گیا ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا پانی جو پیٹ میں سے نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال کر دیکھا تو سنکھیا تھی آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اِس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اِس کے پیٹ میں سے نکلی ہے اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہوگی تو قاعدے کی رو سے اِس کو مرنا نہیں چاہیے - غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہوگا اوپر تلے دینا شروع کیا - اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر لوٹ پیٹ کر اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی - اُدھر ہریالی کے یہاں جس جس جانور نے ذرا سی فیرنی کھائی سبھی کی تو موت آئی ہریالی اپنے اِس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے کوتوالی کے لوگ مردانے میں آ بھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فیرنی کی قفلیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں کوتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ لے جا لے جا کر پوچھ گچھ کرنے غرض چھ گھڑی رات کی توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا محلے والوں نے اظہار دیے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کوسم کا تار رہا کرتی تھی اب ہفتے عشرے سے امن ہے - گھوسن نے بیان کیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں کبھی کسی نے دودھ کو برا نہیں بتایا کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر اُلٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ بیوی نہیں لیتیں میں نے وہی ہنڈیا جوں کی توں چھوٹے گھر میں بھیج دی دونوں گھروں کی ماماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن

[1] یعنی میاں بڑے گھر میں رہیں گے ۱۲ [2] یعنی تشکل سے ۱۲

نے دودھ کبھی بُرا نہیں دیا۔ حکیم[۵۱] عطّار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس وقت میں دُکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے کہ وچھو سنکھیا۔ کچلا۔ جمال گوٹا۔ شنجرف۔ ہڑتال۔ بچھناگ۔ دھتورا۔ اس قسم کی چیزیں اَن جان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو بُلوایا بہتیرا ڈھونڈا اتفاق سے اُس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہہ ہوا کہ کہیں خبر پاکر رُوپوش تو نہیں ہوگیا۔ بس اسی کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اُسی وقت لکھا پڑھی ہوکر چالان ہوجاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی کوتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرے نوکروں کی طرح باہر بُلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جاکر اُس سے پوچھ پاچھ کرلیں اتنے میں تو سید ناظر خبر پاکر آموجود ہوئے اگر ناظر ذری دیر اور نہ آتے تو خاتون کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اُس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ تو اس فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیج کر خود بیگم صاحب کی مزاج پرسی کریں۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا کوتوال نے مناسب سمجھا کہ رات گئی ہے زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے فیرینی کی تفلیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں اب ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اُٹھ کر آئیں تو کیا کرلیں گے مامل کے پیٹ میں سے سنکھیا نکل چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے مرے اور فیرینی میں سنکھیا موجود اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی سو یہ دونوں سوکنوں سے انکار ہوسکتا ہے اور نہ دونوں کی عداوت سے۔ زہر خورانی کا مقدمہ اس سے زیادہ اَور کیا صاف ہوگا۔ صاحب مجسٹریٹ کوتوالی کے چالان کیے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اُن کو کوتوالی کے ساتھ خدا واسطے ایک ضد سی آپڑی ہے لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب سپرنٹنڈنٹ کو سمجھا کر صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے نہ بن پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا بڑا گھمنڈ ہے بڑی مدت میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے۔ دیکھیں تو اب ہائی کورٹ کی کونسی نظیر پیش کرکے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد کر حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کو ساتھ لے چلتا ہوا اور سیدھا پُہنچا صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس اور اُن کو مقدمے کی رُوداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں پردہ نشین۔ سید ناظر وکیل کا نام حضور نے سُنا ہوگا اصل میں اُن کی بہن نے سوکن کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی موقع واردات تک چلیں ورنہ وکیل صاحب بڑے شورہ پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں ہم لوگوں کے قابو میں آنے والی اسامی نہیں۔ اِدھر ناظر بہن پاس گیا تو دیکھا کہ مارے ہول کے دست پر دست چلے آرہے ہیں دیکھتے کے ساتھ ہوش ہی خطا ہوگئے اور سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی حالت ہے آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچی ہمت کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیوں کر ہوئی بس اب تین پہر رات اور ہے صبح ہوئی اور تمھاری ڈولی کوتوالی چلی۔ بھائی کے مُونھ سے اتنی بات سُن غیرت بیگم کو اَور تو کچھ نہ سُوجھا بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی

[۵۱] حکیم نام ہے ۱۲

تھی دوڑی دوڑی کوٹھری میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نگل اوپر سے بھرا کٹورا پانی پی لیا بتول کی انا کو یہ حال معلوم تھا کہ انھوں نے صندوقچے میں افیون رکھ چھوڑی ہے دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سن رہی تھی بیوی کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھری میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو چارپائی پر لٹا پیٹتی ہوئی بھاگی کہ اے ہے خاک پڑے اس جھگڑے پر لو اب تو دشمنوں کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی اتنے میں تو غیرت بیگم بھی کوٹھری سے یہ کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد مت کرو میں بُری تھی بُری سے خدا نے تم سب کا پیچھا چھڑایا۔ صبح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتوال کو اختیار ہے میرا مردہ لے جا کر کوتوالی میں دفن کرے زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خودکشی کا دوسرا اَور ہوا۔ معصوم اور بتول دونوں بے خبر پڑے سوتے تھے۔ غیرت بیگم نے سوتوں کو گود میں لے کر پیار کیا اور دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کر روئی کہ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ بھی دنیا میں تھوڑی دیر کی مہمان اَور ہے۔ پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اُس کے سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کُنڈی کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ اجازت لی ہو نہ اٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے مبتلا نے آہٹ پا کر دور سے ڈانٹا ایں ایں کیا بدتمیزی ہے اندھے ہو تم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے اُس مرتبہ بہن کو مداخلتِ بے جا پر آمادہ کرتے تھے اب یہ مداخلتِ بے جا نہیں ہے۔ ناظر۔ اللہ رے تیرا پردہ تو سوچ ہے کھا کے بلّی حج کو چلی۔ یہی نالائق پردے والی ہنی تو پردے والی نے افیون کھائی اور دنیا جہان سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔ مبتلا۔ الحمد للہ خس کم جہاں پاک مگر ذرا تم چلتے پھرتے تو نظر آؤ سامنے سے پرے ہٹتے ہو یا میں اُٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤں۔ مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا مبتلا کی چھاتی پر۔ پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی۔ ناظر دیہات میں پیدا ہوا دیہات میں پلا ہاتھ پاؤں کا ٹھلا۔ گٹھیلا۔ برسوں اکھاڑے میں لڑا ہبیبول داؤ یاد۔ پچاسوں گھاتیں معلوم۔ سیکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقتہ ڈنڑ مگدر کبھی اُس نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ مبتلا بے چارے نازنین۔ میر پھویا مرزا مہین۔ ناظر نے وہ وہ پٹخنیاں دیں اور ایسا ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل پڑیں اور سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس پھکینتی پھپتی کُل جمع میں تین حربے چٹکیاں لینا نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلے میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر معلوم ہو کہ یہ کم بخت چھوٹا کھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا اُجّھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر بھی اُس سے دو بدو نہ ہو مگر اس کی تقدیر میں دو بیبیاں کر کے ہر طرح کی مصیبت اُٹھانی تھی۔ چھوٹا سمجھ کر اُس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اَور اپنی شامت لوائی۔ ہریالی نے جب دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اُچھالے اُچھالے پڑا پھرتا ہے یہاں سے اُٹھایا وہاں دے مارا اِدھر سے اُچھالا اُدھر لا پٹکا۔ ایسی دہشت دل میں سمائی کہ اُس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر کیا مبتلا کو جیتا چھوڑتا وہ تو خدا کا کرنا عین وقت پر سید حاضر آ پہنچے دیکھا تو گھر میں مجموعۂ تعزیراتِ ہند پھیلا پڑا ہے مگر کیا قائم مزاج آدمی تھا آتے کے ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی غیرت بیگم کو پلانا شروع کیا۔ غیرت بیگم اِس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کو نہ لگانے دیتی مگر چھوٹے بھائی کا لحاظ

اور ادھر چپکے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو بھریالی کا حمل تو گر گیا بے عذر خوب ڈگڈگا کر پانی پی لیا پانی کا حلق
سے اترنا تھا کہ استفراغ ہوا اور استفراغ کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا ادھر بھریالی
کی ندمت کے لیے دُہری دُہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں
کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہی کہ مزاج میرا ابھی ٹھکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی
ہی صرف سوا پہر کی مہلت ہی سامان تو بدقسمتی سے ایسا جمع ہوا ہی کہ اب آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر بنی تو
سب سے پہلا شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد
تو در کنار مرد عورت کوئی آ کر بھی جھانکا سچ کہا ہی گاڑی بھر آشنائی کام کی نہیں اور رتی بھر ناطہ کام آتا ہی بڑے سخت افسوس
کی بات ہی کہ جب ناطے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے۔ جس طرح پر تم دونوں میں لڑائی شروع
ہوئی میں سب سُن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں ایک کو ملزم ٹھیراؤں اور دوسرے
کو بری جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی میں تم دونوں کو
برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتے داروں میں اگر کسی بات پر رنج بھی ہو جاتی ہی تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر
میں جدا ہیں اور باطن میں ایک غیرت بیگم کا افیون کھا لینا سُن کر مبتلا بھائی کو منہ سے الحمد للہ کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن
جب غیرت بیگم کی مدت حیات پوری ہو اور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دیں تو دنیا میں سب سے
بڑھ کر رنج کے کرنے والے بھی یہی ہوں گے گھر کس کا برباد ہوگا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں کے ماری ماری پھرے گی
ان کی۔ کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائے گا ان سے۔ بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کی ساکھ ہوتی ہی یعنی تمدنی
عزت وہ کس کی جاتی رہے گی ان کی۔ اس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں
اور پڑنے ضرور تھے مگر پھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر ہوگا تو مبتلا بھائی کو سیر بھر۔ میں جانتا ہوں
کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں منہ سے نہیں کہتے مگر ان کے تلووں سے لگی ہی ناظر کیا کوئی تم سے خیر کی توقع کرے گا
جب تم ایسی مصیبت میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو ہزاروں مقدموں میں تم بہ طمع صلہ پیروی کرتے ہو اس ایک مقدمے
میں صلۂ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجا بھانجی کی خاطر سے غصے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت
نکالو اور تم مبتلا بھائی از برائے خدا رحم کرو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر۔ تم کو معاملات
مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا کوتوالی والے مدت سے تم پر دانت لگائے بیٹھے ہیں خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دیں گے
ناظر تمہارا خرد ہی اگر اس نے بے تمیزی کی تو بہت برا کیا جھک مارا میں اس کی طرف سے معذرت کرتا اور تمہاری ٹھوڑی
میں ہاتھ ڈالتا ہوں جانے دو معاف کر دو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو
گلے لگوایا وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے مل کر رو دیے حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو
روتا ہوا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب
کرنا کیا چاہیے۔ ناظر۔ جب آپ فرماتے ہیں اور آپ کا قدم درمیان میں ہی تو میں اس مقدمے میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر

مبتلا بھائی نے آج اِس رنڈی کے سامنے (آپ بُرا مانیں یا بھلا مانیں میں تو اِس کو ساری عمر بھا وج کہنے والا نہیں) ایسا ذلیل کیا ہی کہ میں اِس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر افیون کھائی تو میں گھبرا کر اِس غرض سے اِن کے پاس دَوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں۔ اُنھوں نے مجھ کو دروازے ہی سے دیکھ کر اِس طرح دھتکارا کہ کوئی کُتّے کو بھی نہیں دھتکارتا مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہی کہ اِنھوں نے تو شرم و حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا اب آپ کے سامنے منہ کھلواتے ہیں کل کی بات ہی کہ یہی نالائق جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہی بے اختیار جی چاہتا ہی کہ مارے جوتیوں کے بدذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی اِس پر تھوکتا بھی نہ تھا اِن ہی سے پوچھیے کہ کئے بار میرے یہاں اِس کا مجرا ہوا جب آتی تھی ڈیوڑھی میں سے فراشی سلام یا اب اِس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے اِس کی بے پردگی ہوتی ہی۔ عزّت بنانے سے نہیں بنتی بلکہ خدا داد چیز ہی آج تو یہ پردہ نشین بنی کل کو سیدانی بن کر چاہے گی کہ ہماری ماں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے پرسوں اِس کے بال بچّے ہوں گے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناطہ کرتی ہوں تو کوئی بھلا مانس اِس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا صبر پڑ رہا ہی اور ابھی کیا ہی یہ مظلمہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہریالی کو ساری عمر ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہوتا جاتا تھا اور مبتلا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ جن لپٹ پڑا تو ہڈی پسلی ایک کر کے رکھدے گا۔ حاضر کے بیٹھنے کی اگر ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی بندھ جائے بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر! یہ تو تم پھر بگاڑ کی سی باتیں کرتے ہو یہ سچ ہی کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا مگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ ہم غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ناظر۔ یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اُس سے آپ اطمینان رکھیے۔ مبتلا بھائی کو روپیہ تو بہت خرچ کرنا پڑیگا ایسا کوئی پانچ چھٔ ہزار مگر خدا نے چاہا تو اِن پر اور اِن کے طفیل میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائے گا۔ اِس وقت تک مبتلا کو مقدمے کی واقعی روداد اور کوتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ درپیش سنکھیا دی اِسی غرض سے کہ ہم دونوں کھائیں اور مر کر رہ جائیں خدا کی قدرت ہم دونوں کے منہ پر رکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور اوپر ہی اوپر ماما کے بیٹے نے جا سرکار میں خبر پونہچائی اب لینے کے دینے پڑے غیرت بیگم کو پھانسی ہو تو پھانسی ورنہ عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو سستے چھوٹے اور روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے منہ سے یہ کلام سُن کر کہ پانچ چھٔ ہزار روپیہ خرچ کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائے گا مبتلا تو حیران ہو کر اُس کا منہ دیکھنے لگا اور بے اختیار بول اُٹھا کیوں صاحب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لیے پانچ چھٔ ہزار روپیہ بھی خرچ کروں کیا انگریز کی عملداری میں یہی انصاف ہی۔ ناظر۔ ہوش کی نبواؤ تماش بینی اور شَے ہی اور مقدمے کی باریکی کو پہنچنا کچھ اَور چیز ہی تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور مقدمہ کس جانور کا نام ہی۔ میں تو زبان دے چکا ہوں اور بدعہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اِس لیئے چند تہ کی باتیں تم کو سمجھاتا ہوں۔ کوتوالی کی تحقیقات کو تو عدالت میں کوئی پوچھتا تک نہیں روداد وہی معتبر ہی جو عدالت کی مثل میں ہو کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوتوالی کے لوگ زبانی پوچھ

کچھ کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں سکتے اصل بات یہ ہی کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یہ لوگ لگے اظہارِ کارگزاری کے لیئے ہر واردات بے سُراغ کے لیئے مجرم بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کر کے بے گناہوں کو ناحق پھنسانے تو سرکار نے کوتوالی اور فوجداری کو الگ کر دیا - اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہی کہ جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکمِ عدالت کے پاس چالان کر دیں - حاکمِ عدالت مدعی اور مدعا علیہ اور گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہی اور اپنے یہاں کی رُوداد پر سزا یا رہا کرتا ہی - کوتوالی والے اناپ شناپ جس کو پکڑ پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت میں گئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی سے اس قدر بدظن ہیں - کہ مجسٹریٹی کا اجلاس کرتے ہوئے پورا برس نہیں ہوا اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیلخانہ بھر دیا غرض کوتوال اور اُن کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں اب رہ گئی مقدمہ کی رُوداد سو اُس کا حال یہ ہی کہ سنکھیا تو حقیقت میں پکڑی گئی ہریالی کے یہاں سے پس مدعا علیہ اول ہوئی ہریالی - اور پہلے اُسی پر اشتباہ کیا جائے گا کہ اُسی نے فیرینی میں ڈالی یا ڈلوائی - مبتلا - بھلا وہ کم بخت بدنصیب کس کو سنکھیا دینے اُٹھی تھی اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما کو جو سالہاسال سے نوکر ہی اور کبھی اُس کو پھٹے مونہ تک نہیں کہا یا اپنے پالے ہوئے جانوروں کو جنھیں وہ بچوں کی طرح عزیز رکھتی ہی - ناظر - جانوروں کی تو بات الگ ہی - لیکن دوسرے احتمالات میں تو کوئی استبعاد[1] کی بات نہیں - ہو سکتا ہی کہ اُس نے خود سنکھیا کھانے کا ارادہ کیا ہو - عورتیں اکثر خودکشی کر بیٹھتی ہیں یا تم کو اُس نے زہر دینا چاہا ہو تو عجب نہیں بازاری خلقت کا بھروسا کیا خدا جانے اُس نے کیا سمجھ کر تم سے نکاح پڑھایا اور اب جو اُس کی مراد بر نہ آئی تو اُس نے اپنا پنڈ چھڑانے کے لیئے یہ تدبیر کی اگر وہ اپنی حالتِ سابقہ پر عود کرنے کی آرزومند ہو تو اُس سے کچھ دور نہیں - ماما تم خود کہتے ہو کہ اُس کے پاس مدت سے ہی تو ضرور اُس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہوگی اور عداوت کے لیئے اتنی بات کافی ہی - اور سنکھیا کے لیئے تمھاری اور ہریالی کی اور ماما کی کیا تخصیص ہی معصوم سارے سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہی وہ یقیناً اُس کی جان کی دشمن ہی - ان کے علاوہ ایک احتمال اَور ہی اور وہ سب میں زیادہ قرینِ قیاس ہی کہ آپا کے پھنسانے کے لیئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہی - ورنہ سبب کیا کہ جانوروں تک کو فیرینی کھلائے اور خود مونہ تک لے جائے - اور بدذات نے کیا چالاکی اور بے رحمی کی ہی کہ بے زبان جانوروں کو تو اتنی فیرینی ٹھسائی کہ ایک نہ بچا اور لہو لگا شہیدوں میں داخل - ماما کو بھی ذرا سی چٹا دی کہ دو چار دست آکر اچھی خاصی کی خاصی - مبتلا - ہاں لیکن کیا گھوسن کی گواہی پر لحاظ نہ ہوگا - ناظر - کیا معلوم عدالت تک پونہچتے پونہچتے گھوسن اپنے بیان پر قائم رہتی ہی یا نہیں اور فرض کرو کہ قائم رہے تو اُس نے تو سنکھیا کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں سمِ قاتل ہی وہ کہتی ہی کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی - بہت خوب - ہریالی نے جب یہ سُن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ بُرا سمجھ کر واپس کیا گیا تو اُس نے جب چپاتے ضرورت سے زیادہ بھری کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی - بس یہیں تو پانی مرتا ہی اِس سے صاف شبہہ ہوتا ہی کہ ہریالی نے گھوسن سے مل کر اُسی کے گھر دودھ میں سنکھیا گھلوائی اور جب خاتون دسترخوان پر نہ آئی تو دوسری چال چلی اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی اور تم

[1] بعید از قیاس ہونا ۱۲

دو نہیں ہو مہربانی کا کرنا عین تمھارا کرنا ہی اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبت آنے دو دیکھو تو وہ کیا زہر اُگلتی ہی۔ کوتوالی والوں کی کارروائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہی کہ تحقیقات سے پہلے مقدمے کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اخیر تک باصرار اُسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں اُن میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی مہر پر سوجھتی ہیں عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہی کہ خود بخود بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہی۔ مبتلا کی ساری ہمت تمام عمر رہی مصروف حسن و عشق میں۔ مدعی اور مدعا علیہ بننا تو درکنار اُس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھیلا وہ وکیلوں کے چھل فریب کیا سمجھے ناظر نے جو اُلٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکّے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا۔ سنکھیا کا غصہ مہربانی کا رنج اپنی چوٹ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بھلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب دوپرخدا ہی اور نیچے تم چاہو مارو چاہو جلاؤ چاہو اُجاڑو چاہو بساؤ۔ ناظر۔ مقدمہ تو میری طرف آیا گیا ہوا اور سمجھو کہ مقدمے کا ہیں بیمہ لے چکا خرچ کا بندوبست تم کرو۔ مبتلا۔ خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑے گا۔ تم کو تو گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہی ناظر۔ کیا مضائقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا مگر آخر دینا تو تم ہی کو پڑے گا۔ مبتلا۔ کوڑی کوڑی۔ ناظر۔ خیر تو آپ دو رقعے میرے نام لکھیے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہی تم کو معلوم ہی اب تو یہ نوبت پہنچی ہی کہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کیئے ڈالتے ہیں ناچار تھوڑی سی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اِس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اُونچے پر رکھوائی تھی۔ یہ توکہ کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہی۔ کل کیا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپے کی کھانڈ کا پڑا آیا اور جیسا دستور ہی پڑے کے ساتھ نمونے کی پُڑیا۔ سنکھیا کا تو خیال نہ تھا کھانڈ کا پڑا اور پڑیا دونوں کو اُسی طاق میں رکھوا دیا۔ جس میں سنکھیا کی پڑیا تھی آج خود گھر والی نے اپنے ہاتھ سے فیرینی میں کھانڈ ڈالی تو اُنھوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پڑا اور پڑیا دونوں اُتارتی لائیں۔ مگر پڑیا سنکھیا کی تھی باورچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور چوں کہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا اُنھوں نے دیکھا بھی نہیں فیرینی پک کر تیار ہوئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھر والی نے اپنے شوق کے لیئے پال رکھے تھے اور جو دیگچی میں لگی رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمے کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختار کارانہ اس کی خبر گیری کرو۔ اور دوسرا رقعہ اسے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھدو کہ مجکو اتنے روپے کی ضرورت ہی جہاں سے بن پڑے بندوبست کردو و بس العاقلہ خیر صلاح اور چلیں پیر پھیلا کر سو رہو۔ سنکھیا کے رقعے کا مضمون سنکر تو مبتلا کی عقل دنگ ہو گئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہی دیکھو تو کیا مغز سے بات اُتاری ہی میں ایسے شخص سے کیا پار لے جا سکتا ہوں میرا بچاؤ تو اسی میں ہی کہ جو یہ کہی اُس میں ذرا کان نہ ہلاؤں غرض اُسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دیئے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کو کوتوال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا ناظر نے کہا اب بندہ درگاہ کے رہتے کوتوال صاحب کیا آتے ہیں آب آمد تیمم برخاست اور اگر آئے بھی تو کوتوال بن کر نہیں بلکہ مدحال بدحال سراپا اضمحلال۔ مبتلا۔ اور کیوں صاحب جیسا اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس نے انگریز کو جا کو توالی کا افسر ہی لا کھڑا کیا۔ ناظر۔ اوہم سگ زرد برادر شغال۔ باوجودے کہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سیدھا کوتوال پاس پہنچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہی ضرور کچھ نہ کچھ پونہچی کرائیں گے دور سے ہنس کر بولا آئیے آج تو سویرے ہی سویرے

اچھے سنجی کے درشن ہوئے میں تو آپکے یہاں آنے کو وردی پہن کر تیار لیس بیٹھا ہوں صاحب سپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہی۔ ناظر۔ کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات بڑا غضب ہوگیا۔ کوتوال۔ کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھاکر شہید ہوئے ناظر۔ نہیں سنکھیا تو نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت ہی پورے دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپکے سپاہیوں نے اُس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت تو اُس کی آپ کے رہتے ہی بگڑ چلی تھی آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پونہچے ہوں گے کہ اُس کا حمل ساقط ہوگیا ساری رات اِسی کے تردّد میں پلک نہیں جھپکی۔ خیر حمل تو حمل اب اُسی کے جان کے لالے پڑے ہیں دیکھیئے وہ بھی بچتی ہی یا نہیں مبتلا۔ بھائی کو اُس عورت کے ساتھ اِس درجے کا تعشق ہی کہ جس وقت سے یہ واردات ہوئی ہی سارے گھر میں بولائے بولائے پڑے پھر رہے ہیں۔ وہ تو ڈاکٹر چنبیلی کو بلاتے تھے میں نے بہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے قابو کی نہیں رہتی ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوادی ہیں ہائے اب کہیں جاکر کسی قدر طبیعت سنبھلی تو میں آپکے پاس بھاگا ہوا آیا میں تو رقعہ لکھنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا جانے کس کے ہاتھ پڑے آپ چل کر کہنا چاہیئے۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو کی بوند نہیں۔ گڑ گڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تابعداروں کی مجال ہی کہ ڈرائیں دھمکائیں یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں آپ جس وقت تشریف لائے ہیں آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ مردانے میں صرف دو ہی کانسٹبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بھی بے چارے الگ اصطبل کے پاس کھڑے تھے میں نے آپ کے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو بلا بلاکر ہولے سے دو دو باتیں پوچھ لیں اصل حقیقت تو یہ ہی اور ہم نے تو جس دن پولیس میں نام لکھوایا اُسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی تیسی نوکری اِس قسم کی ہی کوئلوں کی دوکانداری کہ بے کالا منہ ہوئے نہیں رہتا۔ بڑوں کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزہ دیتا ہی۔ لالہ جی[1] بہتیرا سر پٹکتے رہے کہ ہم لوگ ٹھیرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیس سزاوار نہیں ہر کارے وہر مردے اُس وقت اُن کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کیئے کی سزا پائی۔ ناظر۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے کوئی بے جا کارروائی نہیں کی ہوگی آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا سارا شہر آپ کا مداح ہی اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے دن کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا خصوصاً صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچے دل کی ہوتی ہیں آپ خوب جانتے ہیں آپ کا ہی آنا سُن کر اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے اور پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہہ دی ہوگی حالت تو نازک تھی ہی اوگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی کہ جانور مرے ماما کو دست آئے فیرنی میں سنکھیا نکلی بڑا گھر جس کو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں وہاں کیا حال تھا جاکر دیکھتا ہوں کہ چولہا تک نہیں سلگا وہ تو جب میں نے سمجھایا کہ یہ کیا اِس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہوجاتی ہیں اور آخر کار مقدمہ داخل دفتر تب سب کو تسلی ہوئی۔ کوتوال اتفاقی کیسی۔ تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ وہ خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھتورا کھلا کر مار ڈالا تھا اور شاید آپ ہی نے تو اِس مقدمے کی بھی تحقیقات کی تھی کل اُس کی پیشی تھی اور میں مدعا علیہ کا وکیل تھا آپ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لیئے موجود تھے بڑے بڑے مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی

---

[1] مراد ہی کوتوال کے باپ کیونکہ کوتوال قوم کا ہندو تھا ۱۲

ہوئی۔ ہاں تو یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اسی کو دیکھ کر میں کچہری سے سیدھا وہیں چلا گیا کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقدمے کی طرف سے بھی اُس کی آس ٹوٹ گئی کمر سے کرچ کھول ناظر کے پیروں پر رکھدی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک کیجیے کہ عزت پر ہاتھ نہ ڈالیے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھیے کہ اگر میرے دل میں کچھ فساد ہوتا تو میں اِس قدر سویرے اندھیرے منہ آپکے پاس دَوڑا ہوا کیوں آتا جبر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا میں جس طرح سے بن پڑے گا مبتلا بھائی کو سمجھا لونگا۔ جب سے اُنھوں نے دوسری عورت کرلی ہی ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نا کہ دوا درمن کا خرچ اوراوپر سے سو دوسو روپیہ اُن کو دے دیا جائے اور یہاں لکھیا کی مقدمے میں آپ کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجیے گا اِس میں کچھ ہونا ہوانا بھی نہیں ناظر چلنے لگا تو کوتوال نے کہا پھر اِس کرچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دیں گے تو میں کمر سے لگاؤں گا ورنہ جہاں پڑی ہے پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرچ اُٹھا بسم اللہ کرکے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی دی کوتوال نے کہا بس اب ہاتھ پکڑے کی لاج آپ کو کرنی ہوگی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو وہاں ایک اَور ضرورت پیش آگئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک دو بھی نہیں اکٹھی آدھی درجن خالی بوتلیں چوری گئیں صاحب نے چٹھی لکھی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اُس کی تحقیقات کو بھاگے گئے کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہوسکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کس وکیل صاحب کے یہاں کی زہر خورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اُس کا کیا ہوا۔ کوتوال نے کہا حضور فدوی نے تو اگلے ہی دن ۲۲ نمبر کا روزنامچہ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات اتفاقی ہی۔ بات رفت گزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اُس نے دیکھا کہ کوتوالی والوں میں سے کسی نے اگر بھی نہ جھانکا تو اُس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزاج میں کچھ اِس طرح کا دخل ہی کہ آج جو چاہے سو کر گزرے۔ ناظر نے اِس مقدمے میں اچھی بُرد ماری ہزار روپے تو چپکے سے اُس نے وہ اُگلوائے جو خاتون کتنی غیرت بیگم کو بہکا پھسلا کرکے اُڑی تھی۔ اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اُس کے حصے کی دکانوں کا قطعی بیع نامہ اپنے نام کا لکھوا لیا اور پھر سب میں سرخ رو کا سرخ رو۔ اب بے چارے مبتلا کے پاس پینسٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپے مہینے کی نری تنخواہیں رہ گئیں وہ بھی کس طرح کی کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی پاؤ وصول ہوئی تو کوئی برس بھر بعد اور کوئی ماری بھی گئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا پانی تو اُس کے گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے۔ غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی کون سی قدر کی جاتی تھی اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی نظروں سے اُتر گیا پہلے بے رُخی تھی رفتہ رفتہ بدمزاجی ہوئی بدمزاجی سے بد دماغی کی نوبت پونہچ گئی بلکہ طرزِ مدارات سے ایسا مستنبط ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن بیچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کا اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔ غیرت بیگم کو مبتلا سے بات چیت کیے ہوئے برسوں گزر گئے تھے لونڈیاں مامائیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں کہ باری کے دن بچھونا صاف کر دیا جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے کو پوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو اِن باتوں میں بھی مضایقہ ہونے لگا۔ مبتلا لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے وقری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری کو تپ ولرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا مگر حاضر ناظر سے اِس قدر ڈرتا تھا جیسا مُردہ نکیرین سے ناخواستہ دل آتا

[1] دخل ۱۲

اور برخاستہ خاطر رہنا۔ ایسی ایسی سنگین وارداتیں گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے غیرت بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے۔ سقا اور دھوبی اور حلال خور وغیرہ جتنے اہلِ خدمت تھے اُن تک کی بندی ہوگئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں۔ ناچار گلی کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

## مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع وخرچ رہا کہ غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار کر تو پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ مونہ میں آیا کہہ دیا تب تک اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیوں کہ مبتلا اُس کے پلّے پر تھا اور آمدنی کے حساب سے دونوں گھر برابر سرا برابر اب جو پینسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اُس کا ایمان ڈگمگا چلا اور مبتلا سے کہا کیوں صاحب اُدھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور اِدھر مردانہ زنانہ دو گھروں میں پینسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل۔ خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی کہ خیر گزر ہوئی چلی گئی تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقت کھُلتی اور میں تمہارے بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اُبالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک وقت بچوں کو سودا سلف تو درکنار کبھی اوجھی کے چنے لے کر دینے نصیب نہیں ہوئے اب تم نے پینسٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کر دیں کوئی اپنی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر تو کھلانے سے رہی مبتلا۔ پینسٹھ کے ستائیس میں نے کرائے ہیں۔ ہریالی۔ جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا اُنھوں نے جو تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ مبتلا۔ تم ہی نے خیر بینی پکا کر میٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور اُلٹا مجھ کو اُلاہنا دیتی ہو۔ ہریالی۔ مجھے خبر تھی کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان کے لینے کا سامان کیا ہے۔ مبتلا۔ اسی کا تو پتہ نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ہریالی۔ تو کیا میں نے گھولی۔ مبتلا۔ تم نے گھولی تو نہیں مگر تم پر تُھپ تو گئی۔ ہریالی۔ تم نے تُھپوائی تو تُھپی۔ مبتلا۔ ایک نشد دو شد مہینا میں نے کم کرایا۔ سنکھیا کا الزام تم پر میں نے لگایا۔ میں ہی بُرا ہوں تو خدا بُرے کو موت دے۔ ہریالی۔ خدا نہ کرے تم کیوں بُرے ہونے لگے بُری میں ہوں کہ تمہارے کارن گھر چھوڑا عیش چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آکر کوسنے سُننے گالیاں کھائیں بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا دو دفعہ جان کا خطرہ[1] اُٹھایا۔ مبتلا۔ تم کو تو معلوم تھا کہ میرے بی بی بچے ہیں۔ پھر نہ آئی ہوتیں کسی نے زبردستی کی تھی اور اب تمہارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔ ہریالی۔ ہاں ہاں میں کیا مکرتی ہوں تمہاری بی بی کو بھی جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی معلوم تھا مگر مجھے خبر نہ تھی کہ تم اس طرح کے حیز[2] ہو کہ ناظر کی صورت دیکھنے سے تمہارے ہوش باختہ ہوتے ہیں۔ اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤں گی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان گنواؤں گی تو ناظر کو جو وکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پھرتا ہے اور اُس مکّار حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آبیٹھتا ہے اور تیری بھینا کوتوال کی جورو کو اور اُس موئے کوتوال کو جس نے رشوتیں لے لے کر خون کے مقدموں کو ملیامیٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ تجھ کو دنیا جہان میں الم نشرح[3] کر کے جاؤں گی میرا جانا کیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج تو نے اُس کا مجھ کو یہ پھل دیا لے اب دیکھ میرا تماشا تیرا تو کیا مونہ ہے مگر ملا اپنے حمائتیوں کو کہ مجھے جاتی کو روک لیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چلی

[1] یعنی ایک بار غیرت بیگم نے مارتے مارتے اَدھ مرا کر دیا تھا اور دوسری بار اُس کا حمل ساقط ہو گیا ۱۲ [2] بزدل نامرد ۱۲ [3] مراد ہے مشہور ۱۲

بارے مبتلا نے ساری عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اُس کو کوٹھری میں دھکیل جھٹ اُوپر سے کنڈ سی لگادی۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھری میں بند کر باہر چلا گیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ بھی ایک طرح کی اُس کی کٹنی اُس نے ہریالی کو سمجھایا بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے اِس کم بخت پر تو آپ ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اُدھر جلیبیں گھاؤ میں اُوپر سے مرچیں لگانے۔ تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تئیں بیچتا چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرنا بھرتا اور اگر تمہاری مرضی جانے کی ہوگی تو اُس کی سو راہیں ہیں ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے اُدھر پان کے بہانے مبتلا کے پاس گئی اور اُس سے کہا میاں بُرا کہو یا فضیحتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے پر مونہ بھر کر یہ کہہ بیٹھنا کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات ہے خیر غصہ حرام ہوتا ہے۔ میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری عاشقِ زار اور تم اُس پر دل و جان سے نثار اٹھو گھر میں چلو بیوی کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اب میں نے اُٹھا کر زبردستی پانی پلایا ہے۔

## مبتلا نے تنگ ہوکر دونوں گھروں کا رہنا چھوڑا اور اُس کی حالت یوماً فیوماً ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مرکر رہ گیا

جس شخص کی پینسٹھ کی آمدنی جا کر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر مقرر اُسی کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ اُس پر کیا گزرتی ہوگی۔ تواتر مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر تنک مزاج کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اُس کو بھلی نہیں لگتی تھی اُس کو ہریالی کی لڑائی کا ایک بہانہ مل گیا اور اُس نے دونوں گھروں کا جانا قاطبۃً موقوف کر دیا سارے دن رات اٹوانٹی کھٹوانٹی لیے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس کسی کے آنے کا روادار ہوتا۔ اگر اتفاق سے کوئی آنکلتا تو اُس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا اس رنج نے اُس کو رہا سہا اور بھی اچور کر دیا کہ دو دشمن اُس کے اور تیار ہوئے۔ ناظر سے بڑھ کر معصوم اور عیرت بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونوں کو لپٹتا تھا مگر یہ دونوں اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ ہمارا باپ ہے جب سے ہوش سنبھالا باپ کو سُنا بُرا بُرا ہی دونوں کے ذہن میں اُس کی بُرائی ایسی راسخ ہوگئی تھی کہ ابا یا باوا یا باپ کہنا کیسا دونوں خاصی طرح نام لیتے تھے معصوم گالی کے ساتھ اور بتول کو سنے کے ساتھ

مبتلا نے جب دونوں گھروں سے ملول ہوکر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اُس نے یہ خاصی تدبیر سوچی تھی کہ اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں دیتا تھا مردانے مکان میں بے رونقی تو ہریالی کے ساتھ آچلی تھی اب تھوڑے ہی دن میں خاک اُڑنے لگی جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم کے اٹم لگے پڑے تھے اب اُس میں کیا رہ گیا بانوں کے چند جھلنگے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہے تو دوسرے میں اودوان نہیں کسی کی پٹی لچکی ہوئی ہے تو کسی کے سیروے میں جان نہیں شاید چھوٹی بڑی ملا کر چار یا پانچ چوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک وفادار سو بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اُس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا او ملے کہاں سے دیں دیں میاں سو میاں بیچارے کے پلّے ٹکا نہیں اُن کو مزدوری کرتا اور رات کو میاں کی پائنتی گر پڑ رہتا ہے دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے اُس کو سونے

جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی وقت ہی مقرر نہ تھا جب دیکھو منہ اوندھائے چارپائی پر پڑا ہے معلوم نہیں سوتا ہے یا جاگتا ہے
اپنی تباہی کا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا جاگتا ہے تو اسی کا سوچ ہے اور سوتا ہے تو اسی کا خواب دیکھ رہا ہے وہ کبھی اپنے
پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اس کے چہرے پر ایک طرح کی بشاشت آجاتی تھوڑی دیر بعد خود بخود بکا یک چونک کر ادھر ادھر
دیکھنے لگتا اور پھر اس کے منہ پر مردنی سی چھا جاتی۔ غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے
تو اس کو مطلق ناامیدی تھی وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں رہ گیا
قطع تعلق اس کے لیے چاہیے ہمت جرأت اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پونہچتی۔ قاعدہ ہے کہ
جس پر پڑتی ہے اسی کی طبیعت خوب لڑتی ہے رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا مگر جدھر جاتا تھا
راہ نجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف و ناتوان ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار شاید چھینکنے سے اس کو
غش آتا اور کھانسی کے ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہو کر اس قدر سخت دلی اور اس بلا
کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر لی ہریالی تھی تو زبانی پرخبر دکھاوا اظہار داری جو چاہو
سمجھو بیسیوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھا تھا ذرا نہ پتیایا
مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جاں بر نہیں ہو سکتا اختلاج قلب تو اس کو مہینوں سے تھا اب کسی کسی وقت دل میں
ایک طرح کا ہلکا ہلکا درد بھی اٹھنے لگا تدبیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن ادھر آفتاب
ڈوبتا تھا ادھر یہ بے کس و بے نصیب دل کے درد سے کھری چارپائی پر نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

## خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے اپنا یا بیگانہ
مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں ہے تو مبتلا کا اس کا جینا قابل افسوس تھا اور مرنا قابل خوشی کیونکہ
مر کر وہ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ تو گیا۔ مصیبتیں تو اس کے دم کے ساتھ تھیں نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اس کے
حق میں دعا کرتے ہیں کہ دنیاوی ایذائیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور بے چارہ مصیبت کا مارا حسن صورت کا بہت
فریفتہ تھا خدا اس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت بیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں نہ لڑیں عبرت کا مقام
ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیٹی موجود بیبیوں کے نوکر چاکر موجود اور مرتے وقت منہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا
کے پاس کوئی نہیں۔ کہیں پہر رات گئے وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا چیخ اٹھا
سارے محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں کو ہریالی کو دیکھا تو وہ اور اس کی ماما اور اسباب سب ندارد
گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے نہیں معلوم ایسا کون کالا چور اس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اس کا پتہ نہ لگا۔ غیرت بیگم یا تو اس قدر
میاں سے بگڑی رہتی تھی یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا رونا آنا پیٹی کہ بس جو بیوی میاں کی عاشق زار ہو گی وہ اس سے زیادہ
کیا روئے پیٹے گی۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میاں اس کے ظلم سہنے کے لیے سدا کو بیٹھا رہنے والا نہ تھا وہ میاں کے مرنے پر اتنا
نہیں روتی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جن کی تلافی اب کچھ اس کے اختیار میں نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور
پڑ گئے تھے اور تنہی جیسا ڈیل ایسا سوکھا تھا کہ جیسے کانٹا۔ مبتلا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت بیگم اسی رنج میں تمام

ہوئی مرتے مرتے وصیت کی کہ مجھ کو ہتول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں اُن کے پاؤں نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں اُن کے پاؤں ہوں اور میرا سر

## مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور ساس سسر کا مرنا بھائیوں کا ظلم اور سب سے بڑھ کر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا اپنی بے کسی گھر کی تباہی آئندہ کی ناامیدی غرض ساری داستان مصیبت اول سے آخر تک یاد آگئی اور وہ دل ہی دل میں رونے کی تیاریاں کر چکی تھی جوں ماموں نے اندر قدم رکھا اور بھانجی کے ساتھ نظر دوچار ہوئی اُس نے کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے دانت بچی ہو گئے لخلخے سونگھائے موںہ پر گلاب کے چھینٹے دیے بارے ہوش آیا تو اُس نے ایسے بین شروع کیے کہ سننے والوں کے کلیجے موںہ کو آنے لگے دل دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت کی شان نہیں ہے رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اُس کو ہلکا کر سکتا بلکہ اُلٹا مصیبت کو بڑھاتا ہے جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اس سے لاکھوں کروروں درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ غلط صریح بھی ہے بندے بھلے اور برے امیر اور غریب قوی اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور رعیت یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی کے ایک پتا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے ایک ذرے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے کسی انسان کا نفع و ضرر نہ خود اُس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے دنیا میں جس کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے اس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اُس کا فائدہ چاہتا ہے نہ یہ کہ اُس کو فائدہ پونہچاتا ہے یا پونہچا سکتا ہے اسی واسطے دنیا کی ساری محبتیں از برائے نام ہیں اور اصلی محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری برکتیں جو ہم کو حاصل ہیں یہاں تک کہ زندگی اُسی کی دی ہوئی ہے با این ہمہ انسان کو اِس زندگی میں ایذائیں بھی پونہچتی ہیں مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے مثلاً طبیب کہ وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے کبھی اُس کو کڑوی دوا پلاتا ہے اور کبھی اُس کی فصد لیتا ہے اور کبھی بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اِس کے کسی عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر ایسا کرنے سے کیا کوئی شبہہ کر سکتا ہے کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔ اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دنیا میں پونہچتی ہیں اور بلاشبہہ خدا کی مقدس مرضی سے پونہچتی ہیں ظاہر میں تکلیف ہیں اور باطن میں آرام ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت اول تو اِس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف دہ ہے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے ظاہر میں ہوگی ایک بڑی مصیبت ہے مگر کیا ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر سوکن لا کر اُس کو زندہ درگور کرتا یا بیوی اُس کا دل ایسا پھیرتا کہ جب تک جیتا اُس کو سخت ایذا دیتا یا ایسے امراض میں مبتلا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا۔ م

اسی طرح کے اور بہت سے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی بیوگی کو ترجیح دے سکتی ہی سہاگ پر پس جب تک انسان کو علم مستقبلات یعنی علم غیب نہ ہوا اور وہ اُس کو نہ ہوا ہی اور نہ ہوگا وہ کسی حالت کو جو اُس پر یا کسی پر طاری ہو بُرا کہہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم پسند کرتے ہیں مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہی اُسی طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص۔ ادھوری رُوداد اور اُس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اُس پر تجویز اور رہا یہ کہ جو تکلیف ہم کو پونہچی حقیقت میں تکلیف ہی تو کیا شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ اپنی عزیز رعیت کو تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پونہچاتا ہمیشہ ایسی ایذائیں پونہچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایت پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پونہچ جائے (جانے دو) اُس کے بے شمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اُس کی نامحصور نعمتوں کو تو بندہ کیوں مونہ پھلائے کس لیے بڑ بڑائے۔ سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پونہچتا ہی یہ ہی کہ مصیبت دل میں بالتخصیص عجز و انکسار کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہی اور حقیقت میں مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہی تو وہ مصیبت نہیں راحت ہی لیکن خدا کو یاد کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اُس سے ناراض رہو بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی رحمت پر پورا بھروسہ اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین کر لو کہ جو کچھ ہوا بہتر ہوا مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہیئے تھا یہ تو درجہ رضا اور تسلیم کا ہی اور اُسی کا نام صبر جمیل ہی اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور جس کا دل کم زور اور جس کی ہمت کوتاہ اور جس کا ارادہ متزلزل ہی اس درجے پر پونہچنا دشوار ہی مگر اعلیٰ علیین پر نہیں پونہچ سکتے تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اُچکو کسی قدر تو اُبھرو کہ اسفل السافلین کفران سے نکلو یوں کہنے کو تو مونہ سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہی چند روزہ ہی خواب ہی سراب ہی سایہ ہی سحاب ہی برق بے تاب ہی مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہی کہ زبان ہمارے دل کا سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لیے اتنا غل مچاتا اور اِس قدر رونا پیٹتا ہی۔ مصیبت پر جو منفعت ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی وہ تو یہ ہی کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اُس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہی یعنی اگر انسان کاہل تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست و چالاک ہو جاتا ہی۔ آرام طلب تھا تو جفاکش۔ بھولا تھا تو سیانا۔ مسرف تھا تو کفایت شعار۔ بدپرہیز تھا تو محتاط۔ جلد باز تھا تو دھیما آوارہ تھا تو نیک کردار۔ جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اُس کی عقل کا ٹھکانا نہ اُس کی رائے کا بھروسہ نہ اُس کا دین درست نہ اُس کے اخلاق شایستہ۔ اِس کے علاوہ آدمی کا دستور ہی کہ ایک حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی جائے تو اُس حالت کی عمدگی کا احساس باقی نہیں رہتا بلکہ اُکتا کر خود اُس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہی۔ ایک باورچی کو میں جانتا ہوں جو نمکین اور میٹھے چانول یعنی بریانی متنجن وغیرہ پکانے میں کامل اُستاد تھا شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی تھی جس کسی کے یہاں چانولوں کی پخت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا اور اس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق چوٹی وار رکابی بھی ملتی وہ ایک رکابی ایسی ہوتی تھی کہ اُس کا سارا گھر اُس کو کھا کر اٹل ہو جاتا۔ پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہتر سے بہتر متنجن کھانے کو ملتا تھا۔ پس یہ ایک حالت تھی کہ اگر کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی متنجن کو ترستا ہو بیان کیجیے تو سنتے کے ساتھ ہی رال ٹپک پڑے۔ مگر اِس باورچی اور اُس کے اہل و عیال کا کیا حال

تھا کہ منتیں کر کے بریانی متنجن کی رکابیاں ہمسائے کے لوگوں کو دیتے اور اُن سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے۔ پس ہم نے تن درستی کی قدر بیماری سے جانی وطن کی پردیس سے تونگری کی مفلسی سے آرام کی دکھ سے راحت کی مصیبۃ سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہو ضرور ہو کہ مصیبۃ کا بھی مزہ چکھے۔ مصیبت زدہ کے لیے سب سے بہتر تدبیر یہ ہو کہ وہ دوسرے مصیبۃ زدوں پر نظر کرے مثلاً اگر اُس کو صرف بیوگی کی شکایت ہو تو پائے گی کہ اُس جیسی اور اُس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اَور بھی ہیں شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی ہو اور ہزارہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنھوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید اُن کو روٹی کا بھی کہیں سے آسرا نہ ہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی نگھری ندری بھی اور شاید دکھیا بیمار بھی اور شاید اندھی اور لولی اور اپاہج بھی کسی کو آنکھ کھول کی ایذا ہو تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ۔ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہو کیا اُس کو اس سے تسلی نہیں ہوئی کہ دوسروں کی آنکھ میں ٹمینٹ یا دوسرے کانڑے بلکہ اندھے بھی ہیں۔ غرض دنیا کا حال یہی ہو کہ ایک سے ایک بہتر ہو پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہو تو کس لیے کوئی ناصبور ہو بیٹھی میں یہ نہیں کہتا تم پر مصیبت نہیں پڑی۔ بڑی مگر اس مصیبۃ پر جو تمھاری حالت ہو شکر کے قابل ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے تن درست ہو عزۃ آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی تم نے پیٹ کے واسطے کسی کی خدمۃ نہیں کی ٹہل نہیں کی گو ماں باپ کو خدا نے اُٹھا لیا مگر ابھی تمھارے غم گسار تمھارے خبر گیر تمھارے سرپرست موجود ہیں اور اُن میں سے ایک میں بھی ہوں کہ باپ جتنی نہیں کروں گا تو اس سے پورا اطمینان رکھو کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تمھارے حال کی اصلاح تمھارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ ہوگی۔ لاؤ اسی شہر سے بلکہ اسی محلے سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمھارے پڑوس سے جتنی عورتیں کہو میں بُلا لاتا ہوں جن کو دیکھ کر تم ضرور رحم کرو گی اور سمجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دکھیا ہیں ایک حکیم کا قول ہو کہ دنیا میں ہر شخص خوش ہو اس واسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے کی حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا۔ جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی تو میں ذرا اُس پر ٹھٹکا۔ پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو میں نے اپنی جان پہچان کے پانچ چھ آدمی تجویز کیے جن کی حالت کو نظر ظاہر میں اپنی حالت سے بہتر سمجھتا تھا لیکن اچھی طور پر جو غور کیا تو ایک لاولد تھے۔ دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے مگر نا ہموار تیسرے دائم المرض چوتھے شدت سے کنجوس پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بدسلیقگی اور بدزبانی سے عاجز چھٹے لا مذہب غرض کسی کو بے داغ نہ پایا تب اُس حکیم کے مقولے کی تصدیق اور میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اَور بھی سوچنے کے قابل ہو کہ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ خود بہ خود اُس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہی کبھی ہمارے باپ بھی مرے تھے ہم بھی اُن کے فراق میں تمھاری طرح بہتیرا روئے دھوئے غمگین اور اُداس رہے آخر بھول بسر گئے غرض انسان کو چار و ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہی کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مرے ہو مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے صبر محمود وہی صبر ہو کہ نزولِ مصیبۃ کے وقت ہو جب کہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہی۔ آنسو ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں اور سانس ہو کہ پیٹ میں نہیں سماتا وہ بندے کے لیے سخت آزمایش کا وقت ہو معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں

شکایت کا کوئی کلمہ اُس کے مونہ سے نکل گیا یا اُس کے دل میں خدا کی نسبت جلّ وعلا شانہ کی بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آگیا تو بس دنیا خراب عاقبت برباد خسر الدنیا والاخرۃ ذٰلک ھو الخسران المبین۔ متقی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحۃ کی بیان کیں تو بھانجی پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگا دی ڈوبتے ہوئے کو اچھال کر کنارے پر پہونچایا مرجھائے ہوئے درخت کو پانی دیا۔

**مبتلا کا مرثیہ** مولٰنا نے محصنات کے آخر میں مبتلا کا ایک مرثیہ بھی تصنیف فرمایا ہے وہ اول سے آخر تک نہایت دردناک اور عبرت انگیز ہے۔ یہاں اُس کے وہ چند بند نقل کیے جاتے ہیں جن میں مبتلا کی تصویر کے نقش ونگار کھینچے گئے ہیں۔

عبرت کی داستان ہے احوالِ مبتلا
اللہ رے جمالِ خد وخالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اور عنفوانِ عمر سن وسالِ مبتلا
جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک وشبہ روکشِ غلمان وحور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزّوال تھی
وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب وخیال تھی
خود دوشِ مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورشِ کرمِ گور تھا
جس کے جمال وحُسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز ونعم میں پلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پانوں تھے جس کے ڈھلے کبھی
تیغِ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی
بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھتے کے ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت
قہرِ الٰہی وغضبِ کبریا کی موت
تکلیف ودرد ومحنت ورنج وعنا کی موت
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس بلا کی موت
انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بارِ خدایا نہ دیجیو

تھی اُس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حسن
مضمر ہر ایک شے میں اُس کی ادائے حسن
طفلی میں تھا وہ آئینۂ رونمائے حسن
اک عالم اِس کا شیفتہ وہ مبتلائے حسن
اول سے شوقِ حسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہانِ روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

امن و فراغ و عافیت و راحت و قرار
حُسنِ معاشرت کہ تمدّن کا ہی مدار
نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار
سب چیز جا کے فقر ہوا گھر میں جاگزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں

جب مبتلا پڑا ہی گیا وقتِ احتضار
یٰسین پڑھ رہے تھے کھڑے پاس غمگسار
مونہ میں جو اُنے پانی لگی چشم اشکبار
اور دونوں آنکھیں ضعف نے دین ڈبا نک ایک بار
یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے
جنت میں اُس کو بارِ الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعادتِ عظمےٰ سے بہرہ مند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند
مت ہو لذائذِ حیوانی کے پائے بند
میری سنو اگر نہیں سمعِ قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر +

**ایامیٰ** یہ کتاب (۱۸۰) صفحات کی ہی جس میں بیوہ عورتوں کے نکاحِ ثانی کی ضرورت ایک دلچسپ قصے کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہی - نصِ قرآنی وانکحوا الایامی منکم کی طرف خاص کر مسلمانوں کو توجہ دلائی ہی - لوح پر یہ موزوں شعر درج ہی - ؎

بُرا دستور بے جا بات ناہنجار شیوہ ہی
بڑی خوف و خطر کی جا ئے ہی جس گھر میں بیوہ ہی

مذہبًا مسلمانوں میں بیوہ کے نکاح کر دینے کا صاف و صریح حکم ہی اور ملکِ عرب میں اب تک اس بات میں بہت آزادی سے کام لیا جاتا ہی - اور ذرا بھی عیب نہیں سمجھا جاتا لیکن ہندوستان میں مسلمانوں نے اہل ہنود کی دیکھا دیکھی یہ بُری رسم اختیار کر لی ہی اور بیوہ کا نکاح کرنا اپنی ذلت اور خاندان کی بدنامی کا باعث سمجھتے ہیں - ہندو تو اپنی پُرانی رسموں کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں اُن کے قومی رفارمر ازدواج بیوگان پر برابر زور دے رہے ہیں - جا بجا مجلسیں قائم ہیں سر برآوردہ اور معزز لوگ بیواؤں کے نکاح برابر کرتے چلے جاتے ہیں مگر مسلمان لکیر کے فقیر ایسے کچھ پاگل ہیں کہ ذرا نہیں اُبھرتے - معمولی لوگوں میں تو بیوہ کا نکاح کر بھی دیتے ہیں اور نہ کریں تو بیوہ کو گھٹنے سے لگا کر روٹی کپڑا کون دے اُن کو اپنی ہی جان دوبھر ہی چہ جائیکہ جان جوان لڑکی کو یوں بٹھا رکھیں لیکن وائے بر حال بڑے لوگوں کے کہ اُن کا خیال اب تک یہی ہی کہ کسی شریف گھرانے کی لڑکی کا ازدواج مکرر سے ذات برادری میں ناک کٹ جاتی ہی - مولانا حالی کی مناجاتِ بیوہ کے پڑھنے کے بعد وہ کون سا دل ہوگا جو بیواؤں کے حال زار پر آٹھ آٹھ آنسو نہ روئے گا مولانا نے بھی اس ناول میں ضرورتِ عقدِ بیوگان کو ایک دلچسپ ناول کے پیرایہ میں بہت عمدگی سے بیان فرمایا ہی - دیباجۃ الکتاب میں مولانا حسبِ ذیل تمہید تحریر فرماتے ہیں -

شہر اور محلے اور خاندان کا کیا مذکور ہے گھر بھی کوئی ایسا اکّا دکّا ہوگا جس میں بوڑھی یا ادھیڑ یا (افسوس ہے) جوان بیاہی بیاہے لڑکی بیوہ نہ ہو۔ اور جب بیاہ سے مرد اور عورۃ جیتے جی کا تعلق کرتے ہیں تو ہر ایک بیاہ کا ضروری اور لازمی نتیجہ ہے کہ آخر کار مرد رنڈوا ہو یا عورت رانڈ۔ بیاہ سے مرد اور عورت نے ساری عمر ساتھ رہنے کا قول و قرار کیا ہے نہ ساتھ مرنے کا بے شک مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ جنگلی اور وحشی قومیں چھوڑ کر ہر جگہ عورتوں کا مجموعہ مردوں سے کچھ یوں ہی سا بڑھا ہوا رہتا ہے۔ مگر نہ اتنا کہ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو رانڈیں ہی رانڈیں نظر پڑیں۔ ہو نہ ہو رانڈوں کی یہ کثرت کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ ہر بی بی اوسطاً عمر میں تھوڑی یا بہت اپنے میاں سے چھوٹی ہوتی ہے مرد کی مدت حیات پہلے ہو چکی عورۃ بیوہ ہو کر رہ گئی۔ لیکن ایک بڑا سبب اور ہے کہ مرد تجرّد کی مصیبتوں کے برداشت کرنے میں عورتوں سے زیادہ بودے ہیں۔ مرنے والی کا کفن تک میلا ہونے نہیں پاتا کہ ان کا ایمان ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہے۔ اور نہ کیوں ہو۔ مرتے کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا۔ ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ زندگی کے دن تو کسی نہ کسی طرح تیر کرنے ہی پڑیں گے۔ جان پر عذاب ڈالیں کیوں اور زیست تلخ کریں کس لیئے۔ وہ تو کچھ عورتوں ہی کے جگرے ہیں اور جگرے بھی کیا خاک ہیں یوں کہو پرلے درجے کی بد قسمتی ہے کہ بیوگی کی مصیبۃ مند زندگی جھیلتی ہیں۔ کہتے ہیں قیامت نفسی نفسی کا دن ہوگا کہ کسی کو دوسرے کے دکھ درد کی ذری پروا نہ ہوگی۔ لیکن ہمارے دیکھنے میں تو بیوہ عورتوں کے لیئے اب بھی قیامت ہی ہے۔ منہ سے کہنے کو تو ہر کوئی کہے گا کہ بیوگی بڑی آفۃ ہے۔ لیکن منہ سے کہنے کی سند کیا ہے۔ ہم تو بڑی آفۃ کے اس وقت قائل ہوں۔ جب لوگوں کو آفت رسیدہ کے لیئے کوئی تدبیر کرتے ہوئے دیکھیں یہ کہنا کہ کچھ آفت نہیں اور یہ کہنا کہ آفت تو ہے مگر ہم اس کے لیئے کوئی تدبیر نہیں کرنی چاہتے دونوں کا مآل واحد ہے۔ بیوگی اگر آفت ہے تو عجیب طرح کی آفۃ ہے کہ جس کو دیکھو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ جو خود مبتلائے آفۃ ہے روتا بھی ہے پیٹتا بھی ہے۔ رنج کے مارے اندر ہی اندر پڑا گھٹتا بھی ہے مگر چاہے کہ بندِ غم سے نجات حاصل کرنے کے لیئے کچھ فکر کرے بس اس کا کہیں پتہ نہیں۔ ہم نے بھی سیکڑوں ہی بیووں کو دیکھا اور بقدرِ تعلق بعض کی بے کسی پر افسوس بھی کیوں نہیں آیا مگر خدا گواہ ہے و کفی باللہ شہیدا جب تک آزادی بیگم کا حال نہیں سنا ہم نے نہیں جانا کہ بیوہ عورت کے دل پر یہ کچھ صدمہ گزر جاتا ہے۔ شاید خدا کو بیووں کے حق میں کچھ بہتری کرنی تھی کہ آزادی بیگم نے مرتے دم بیوگی کی تلخیوں کا زہر اگلا۔ اگر کہیں خدانخواستہ آزادی بیگم بھی دل میں سیکڑوں ہزاروں حسرتیں اور منہ میں گھنگنیاں بھرے ہوئے دنیا سے ناشاد نامراد اٹھ گئی ہوتی جیسے لاکھوں کروڑوں خدا کی بندیاں اٹھ گئیں نہ اپنی کہی نہ دوسرے کی سنی تو وہی بیوگی ہوتی وہی جی ہی جی میں گھٹنا ہے

گر ہوئی صبح دلِ زار پر آفت آئی ۔۔۔ رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی

وہی رسمی تعزیت وہی جھوٹی ہمدردی ۔ آزادی بیگم کے اس احسان کو کون بھلا سکتا ہے مگر وہ بھی خدا اس کی مغفرت کرے اتنی کرہی گئی کہ کہنے کو تو اس نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی لیکن کر کے کچھ نہ دکھایا۔ اگر خدا اس کو ہمت دیتا اور زمانہ بیوگی میں جیسے جیسے خیال اس کے دل میں آتے تھے سب نہیں تو دو چار پر بھی عمل کر گزرتی تو دنیا اچھی طرح

آنکھیں کھول کر دیکھ لیتی کہ بیوہ کے بیٹھے بٹھانے کے کیسے زبون نتیجے ہیں خود بیوہ کے حق میں اُس کے عزیزوں کے حق میں خاندان کے حق میں قوم کے حق میں اور ملک کے حق میں۔

آزادی بیگم کچھ انوکھی بیوہ نہ تھی مگر اُس کو اتفاق سے ایسے ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے وہ اپنی ذات سے انوکھی عورت ضرور تھی۔

تمام کتاب درد انگیز مضامین سے لبریز ہے نمونۃً ہم فصل آخر کو یہاں درج کرتے ہیں جو ساری کتاب کا لُبّ لباب ہے۔ آزادی بیگم جو اس کتاب کی ہیروین ہے اُس نے اپنے مرض الموت میں کہا کہ دنیا میں مجھ کو ایسی کون سی آسائش تھی کہ میں مرنے سے گھبراؤں۔ بلا سے ایک دفعہ مر کر ہر وقت کی ان تکلیفوں سے چھوٹ جاؤں گی۔ رہا وہاں کا فکر تو نہ مہلت ہے نہ طاقت۔ چلتے چلتے بیوؤں کے بارے میں دو دو باتیں لوگوں سے کہہ لوں شاید خدا قبول کرے اُس کی بندہ نوازی سے کچھ بعید نہیں۔ یہ دل میں سوچ ایک دن ٹھیرا پڑوسیوں اور نزدیک کے رشتہ داروں اور جان پہچان والوں میں مردانہ بُلاوا بھیج دیا کہ میری علالت کا حال تو آپ کو معلوم ہے اب بہ اسباب ظاہر مجھ کو اپنی طرف سے بالکل ناامیدی ہو گئی ہے اور میں نہیں جانتی کہ کس دن اور کس وقت میرا دم نکل جائے۔ مجھ کو بڑی تمنا ہے کہ ایک بار اِس زندگی میں اپنے پیاروں کو اور دیکھ لوں اور میں آپ سب صاحبوں کے دنیاوی اور دینی فائدے کے لئے ایک وصیت بھی کرنے والی ہوں اور اسی غرض سے میں نے سب کو ایک ساتھ بُلایا ہے مہربانی فرما کر ضرور ضرور تکلیف کرنا ایسا نہ ہو کہ یہ ارمان دل کا دل ہی میں رہے اور میں رخصت ہو جاؤں۔

جس دن وصیت سننے کے لئے لوگ جمع ہوئے محلے کی مسجد میں نماز کے وقت لوگوں کی یہ کثرت تھی کہ رمضان کے الوداعی جمعے میں بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اچھا معتدل موسم تھا نہ بہت گرمی نہ بہت سردی دن کے آٹھ بجتے بجتے مکان مردانہ ہو گیا اور سب لوگ آ بھرے ایک درے کے آگے چلمن پڑی تھی اُس کے اندر آزادی بیگم تھی اور اس کے گرداگرد چند عورتیں اور باقی تمام مکان میں مرد ہی مرد پٹے پڑے تھے۔ جب لوگ ٹھکانے سے بیٹھ لیے تو اندر ایک درے میں سے آزادی نے خوب کڑاکے کی آواز سے پکار کر کہا۔

## آزادی بیگم کی آخری وصیت اور خاتمہ

بزرگوار بھائیو! عزیزو! السلام علیکم۔ ہندوستان میں اور ہندوستان میں نہیں تو اس شہر میں شاید یہ پہلا اتفاق ہے کہ ایک پردہ نشین عورۃ مردوں سے خطاب کر رہی ہے جن میں بعض اجنبی بھی ہیں۔ عورۃ کسی قوم کسی مذہب کسی ملک کسی عمر اور کسی حالۃ کی کیوں نہ ہو۔ تھوڑا بہت حجاب اُس کی طبیعت میں ضرور ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ از روئے پیدائش عورۃ کے مزاج کے موافق ہے۔ روئے زمین پر صرف مسلمانوں کی ایک قوم ہے جن کے مذہب میں پردے کا حکم ہے تو دوسرے مذہب والے خاص کر عیسائی اس پر بڑے بڑے تُو نہ آتے ہیں۔ لیکن یہ بالکل اُن کی ہٹ دھرمی ہے۔ وہ ہماری حالۃ سے اچھی طرح واقف نہیں اور قیاسی باتوں سے ایسے رواج پر اعتراض کرتے ہیں جو اس وقت تک یقیناً نہایت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ میں انگریزوں کے خانگی حالات سے بالکل ناواقف ہوں مگر جہاں تک کتابوں

اور اخباروں سے معلوم ہوا ہی بے پردگی کے بُرے نتیجے اُن کو بھی جھیلنے پڑتے ہیں۔ لیکن آزادی اور خودسری جو مُلکی رواج کی رُو سے عورتوں کو حاصل ہی چھیننا تو درکنار اِس کا روکنا اور گھٹانا بھی دشوار بلکہ محال ہی۔ مسلمانوں میں بھی چھوٹتے ہی پردے کا رواج نہیں ہوا۔ بلکہ مدتوں سب کی بہو بیٹیاں دستورِ قدیم کے مطابق باہر نکلتی اور پھرتی چلتی رہیں یہاں تک کہ اِسلام کی تعلیم سے لوگوں کے سینے خوفِ خدا اور پرہیزگاری اور نیکوکاری سے معمور ہو گئے اور خود اُن ہی کو بے پردگی سے نفرۃ پیدا ہوئی اور اُنھوں نے آزادی کو اپنے حق میں زبون اور خطرناک سمجھ کر اپنے تئیں پردے کا پابند کرنا چاہا جب پردے کا حکم نازل ہوا تو بہت دنوں تک اِس میں ایسی آسانی رہی کہ عورتیں مسجدوں میں شریکِ جماعۃ ہوتیں۔ لڑائیوں میں جاتیں۔ اور مجاہدین کی جو خدمتہ بن پڑتی بجالاتیں۔ جوں جوں پیغمبر صاحب صلعم کا عہدِ بابرکۃ دُور پڑتا گیا دلوں کی صفائی خیالات کی پاکیزگی کم ہوتی گئی پردے میں بہ ضرورت تشدّد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اب جو پردے کا رنگ ہی آپ سب صاحب اُس کو دیکھتے ہیں یہ پردہ قدرِ شروع سے بہت زیادہ مگر ضرورۃ اور مصلحۃِ وقت سے اب بھی کم ہی۔ باوجودیکہ میں بڑی سختی کے ساتھ پردے کی طرف دار ہوں۔ لیکن ایسا ہی قوی سبب آکر پڑا ہی کہ میں نے اپنی آواز مردوں کو سنانے پر جُرأۃ کی۔ اور میری ساری عمر میں یہ پہلا اور خدا نے چاہا آخری اتّفاق ہی کہ میں نے شرعی پردے کے نہیں بلکہ رواجی پردے کے خلاف کیا ہی۔ رسولِ خدا صلعم کی صاحبزادی حضرۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مہاجرین اور انصار کو مخاطب کر کے تا بدیر بڑی لمبی تقریر کی اور وہ تقریر ایک خطبے کے پیرائے میں اِس وقت تک کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے لوگ بکثرت مسئلے پوچھنے آتے اور آپ پردے میں سے جواب دیتیں۔ غرض میں جو یہ گفتگو کر رہی ہوں اس کے جوازِ شرعی کی سندیں بھی رکھتی ہوں۔ علاوہ اس کے میں خود حیران ہوں کہ مجھ میں اِس وقت کہاں کا زور آ گیا ہی۔ کئی برس بعد میری اتنی آواز نکلی ہی ورنہ میری حالۃ دیکھو تو ناتوانی اور لاغری حدّ سے بڑھ گئی ہی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں اور انکار کی گنجائش بھی نہیں کہ کسی وقت اور کسی حالت میں زندگی کا بھروسا نہیں۔ لیکن انکار نہ کرنا اور نہ کر سکنا اَور چیز ہی اور اعمال سے افعال سے ثابت کر دکھانا کہ جیسا ہم مونہ سے کہتے ہیں واقعی دل میں بھی ایسا ہی یقینِ واثق رکھتے ہیں بالکل دوسری چیز اور اِن دونوں میں بڑا اور بہت بڑا فرق ہی۔ اب چند روز کی میں کہتی نہیں۔ مگر اِس سے پہلے اپنے سے بڑوں کو اپنے وائیں واروں کو اپنے سے چھوٹوں کو بعض کو مدتوں بیمار رہ کر اور بعض کو مفاجاۃً مرتے دیکھا اور سُنا ایک دو کو نہیں سیکڑوں کو۔ میں خود دو یا تین بار ایسی ایسی بیمار پڑی کہ مرنے میں کسی طرح کی کچھ کسر باقی نہیں رہی تھی مگر اس سے پہلے میں کبھی ایک لمحہ کے لیئے اپنی زندگی کی طرف سے نامطمئن نہیں ہوئی۔ گویا میرا خیال یہ تھا کہ میں موت کے حکمِ عام سے مستثنیٰ ہوں یا جیسے خدا نے مجھ کو زبان دی ہی کہ میں سَو سَو اسَو برس کی عمر سے اِدھر نہیں مروں۔ سوائے خدا کے کسی کو دوسرے کے دل کا حال معلوم نہیں۔ لیکن جہاں تک لوگوں کے برتاو سے سمجھا جا سکتا ہی میں خیال کرتی ہوں کہ تمام آدمی الا ماشاء اللہ ویسی ہی غفلۃ میں مبتلا ہیں جیسی غفلۃ میں میں نے اپنی ساری عمر برباد کی ہی۔ اس وقت نہیں تو کسی دوسرے وقت فرصۃ سے اپنی جگہ جا کر سوچنا کہ اگر دنیا کے لوگ زندگی پر وتنا ہی اعتماد کریں جتنا کہ عقل کی رُو سے ہونا چاہیئے۔ یعنی رات کو سوئیں اور دل میں یہ خیال ہو کہ دیکھیئے جاگنا بھی نصیب

ہوتا ہی یا نہیں۔ صبح کو اُٹھیں اور یہ تصوّر پیشِ نظر ہو کہ خدا جانے شام بھی پکڑتے ہیں یا نہیں۔ تو آپ ضرور اِس بات کو تسلیم کریں گے کہ دنیا کا یہ رنگ نہیں رہ سکتا۔ کیوں کوئی پکّی عمارتیں بنوائے گا۔ کس لیئے کوئی باغ لگائے گا۔ کاہے کو آیندہ کے لیئے کوئی کسی طرح کا انتظام کرے گا۔ توقّع لفظ ہوگا بے معنی اُمّید خیال ہوگا باطل ؏

نسیم غفلت کی چل رہی ہی اُمنڈ رہی ہیں بلا کی نیندیں کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہی

افسوس ہی کہ مجھ کو اپنی غلطی پر وقوف اور غفلت سے تنبّہ ایسے وقت ہوا کہ جبرِ نقصان میرے اختیار سے خارج اور تلافیِ مافات میری قدرت سے باہر ہی۔ امتدادِ مرض نے میرے جسم کو اور اذعانِ موت نے میرے خیالات کو اس قدر بدل دیا ہی کہ گویا میرا دوسرا جنم ہی۔ جس خیال کو میں ذہن میں جمانا چاہتی تھی اور نہیں جمتا تھا اب وہی خیال ہی کہ کسی وقت دل سے نہیں نکلتا جو باتیں ساری عمر مشتبہ اور مشکل رہیں اب روزِ روشن کی طرح صاف اور بدیہی نظر آتی ہیں۔ جن کو نہ دلیل کی حاجت نہ ثبوت کی ضرورت قرآن کی ایک آیۃ کو میں اپنی اِس حالۃ سے بہت ہی مطابق پاتی ہوں۔ وَجَاۗءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَاۗئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ۝ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ۝[1] اگر میرے پہلے کے سے یا یوں کیوں نہ کہوں کہ ساری عمر کے سے خیالات ہوتے تو مجھ کو آپ صاحبوں کے ساتھ بات کرنی بھی دشوار ہوتی نہ کہ ایسی بات جس کے لیئے ڈھیر سارا علم درکار ہی۔ لیکن اس خیال نے کہ مجھ کو دنیا میں رہنا نہیں میرے دل کو قوی میری طبیعت کو مضبوط اور میری ہمّۃ کو دلیر کر دیا ہی۔ یہی نا کہ لوگ مجھ کو شوخ اور بے باک کہیں گے لیکن ایک دن ہوگا کہ نہ طعن کرنے والے ہوں گے (اور یہ شاید کسی قدر دیر میں ہو) اور نہ وہ ہوگی جس پر طعن کرتے ہیں (اور یہ بہت جلد ہونے والا ہی) تھوڑی دیر بعد میں آپ صاحبوں سے اُس قسم کی باتیں کہوں گی جن کو سُن کر آپ اِس سے بھی زیادہ اچنبھا کریں گے۔ خیر تو جو آیۃ میں نے ابھی پڑھی تھی اِس میں روزِ قیامت کا حال ہی کہ خداوندِ عالم کے روبرو ہر متنفّس اِس شان سے حاضر کیا جائے گا کہ ایک تو اُس کے ساتھ ہانکنے والا ہوگا۔ جیسے دنیا میں فوجداری مجرم کے ساتھ سرکاری سپاہی لگا رہتا ہی۔ جو اُس کو کشاں کشاں حاکم کے حضور میں لیئے جا رہا ہی اور ایک گواہ ہوگا جو حُجّۃ تمام کرنے کے لیئے اُس کے خلاف پر گواہی دے گا۔ غرض ہر شخص مجرموں کی شکل وصورۃ میں اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ تو خدا تعالیٰ فرمائے گا تُو اِس حال سے غافل رہا یعنی زندگی میں کچھ خبر نہ لی کہ مجھ کو جواب دہی کے لیئے خدا کے حضور میں جانا ہی اور وہاں سپاہی ہوں گے جن کی پکڑ سے بھاگ نہ سکوں گا اور گواہ ہوں گے جن کو جُھٹلا نہ سکوں گا تو تیری آنکھ پر جو پردۂ غفلت پڑا ہوا تھا آج وہ پردہ ہم نے اُٹھا دیا اب تیری نظر اِس قدر تیز ہی کہ تمام چیزیں جن کی نسبت تجھ کو شبہہ تھا اب تجکو صاف بچشمِ سر دکھائی دے رہی ہیں۔ قریب قریب یہی حالت میری ہی۔ میرے والدین کے مذہبی خیالات ایک دوسرے سے اِس قدر مخالف تھے کہ دونوں میں ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ مجھ کو ایسی چھوٹی سی عمر سے مذہبی باتوں میں غور کرنے کی ضرورت واقع ہوئی جب کہ میرے ساتھ کی لڑکیوں کو گڑیوں کے سوائے اَور کسی چیز کا خیال نہ تھا۔ باتوں میں تو ہمیشہ ابا جان دبا لیتے تھے مگر اماں جان اپنے عقیدے کی ایسی پکّی تھیں کہ بند ہو ہو جاتیں مگر اپنی بات پر جمی رہتیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر اُن

---

[1] اس کا ترجمہ آگے چل کر اسی صفحے میں موجود ہی ۱۲

کے دل میں کچھ شبہہ آگیا نانا ابا پاس گئیں اور کہہ سن کر صاف کر لیا۔ مجکو مشکل تھی۔ بچپن کی عمر کھیل کود کے دن۔ مذہبی خیالات اور ان میں بھی اختلاف۔ فیصلہ کرنے کی لیاقت نہیں۔ اناڑی تو لنے والے کی ترازو کبھی ادھر کا پلڑا جھک جاتا ہی۔ کبھی اُدھر کا۔ ماں پر نظر کی تو نماز ہی اور روزہ ہی اور تلاوتِ قرآن ہی اور وعظوں میں جانے کا شوق ہی۔ باپ کی باتوں کا خیال آگیا تو کہاں کی نماز اور کس کا روزہ۔ ہفتوں خدا کا نام بھی زبان پر نہیں آتا۔ لیکن میں اتنی بات ضرور کہوں گی کہ ماں کا اثر مجھ پر غالب تھا۔ نماز گنڈے وار پڑھی ہی۔ قضا بھی بہت کی ہی مگر کوئی پورا مہینا نماز سے خالی گزرنے نہیں دیا۔ روزے کھائے بھی اور بے دلی سے رکھے بھی لیکن ایسا نہیں ہوا کہ سارا رمضان سوکھا ٹرخا دیا ہو۔ لیکن اب جو سمجھ آئی (اور آئی بھی تو کب یہی پندرہ بیس دن سے) تو معلوم ہوا کہ ساری عمر کبھی کوئی عبادت اُس خلوص کے ساتھ کرنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا جو شرطِ قبولیت ہی۔ تو ایسی عبادت کی نہ کی برابر۔ اور خلوص ہوتا تو کہاں سے۔ یہاں تو سرے سے دین بھی ماں اور ننھیال والوں کی نقل تھی وہ بھی باپ کی اصلاح دی ہوئی۔ عمر کا اکثر حصہ اس طرح پر گزرا کہ تہِ دل سے کبھی خدا کا خیال ہی نہیں آیا۔ اور جب خدا سے نہیں چھپا تو بندوں سے چھپا کر کیا ہوگا۔ کتنے کتنے دنوں میں اس میں حیران رہی کہ خدا حقیقت میں کوئی چیز ہی بھی یا نہیں۔ اور ہی تو ہم سے کیا چاہتا ہی۔ اُس نے ہم کو بے درخواست پیدا کیا۔ طرح طرح کی ضرورتیں ہمارے ساتھ لگا دیں۔ زندگی کے دن تیر کرنے کے سوائے ہم سے اور ہو بھی کیا سکتا ہی۔ اس پر عبادت کی مشقت۔ مذہب کی پابندی۔ مرنا۔ اور مرنے کے بعد جوابدہی۔ اس کے یہ معنے کہ ہم کو پیدا کر کے بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں لا ڈالا۔ یہ کہاں کا انصاف ہی اور کیسا رحم۔ دنیا میں بھلے برے دین دار بے دین سبھی طرح کے لوگ ہیں کسی میں کسی طرح کی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ جس سے خدا کی رضامندی اور نارضامندی کا پتہ چل سکے کتنے سارے مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب والا دوسرے کو گمراہ بتاتا ہی مگر کوئی ایک مذہب کسی ایک بات کا نشان نہیں دے سکتا کہ دنیا میں یہ ترجیح اُسی کو ہی دوسرے کو نہیں۔ جس کو دیکھو۔ عاقبت کا حوالہ۔ یہ معمّا آج تک حل ہوا اور نہ قیامت تک حل ہونے کی امید۔ واقع میں مجھ کو بڑی ہی پریشانی ہوتی تھی۔ جب یہ خیال آتا تھا کہ اس ملک میں ہم مسلمان دوسرے مذہب والوں کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک تو کیا اتنے سارے آدمیوں کو خدا نے اس لئے پیدا کیا ہی کہ آخر کار ان کو جہنم میں جھونک دے۔ میں کئی ہندنیوں کو جانتی ہوں اور دو تین میموں سے بھی میری ملاقات ہی اور عقل بھی گواہی دیتی ہی کہ دوسرے مذہب والوں میں بھی نیکی خداشناسی خداترسی اور خداپرستی ہی اور اگر وہ مسلمان نہیں ہیں تو ناحق کی ضد کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس سبب سے کہ ان کو مذہبِ اسلام کا حال معلوم نہیں یا جس مذہب میں وہ ہیں سچے دل سے اُسی کی حقانیت کے معتقد ہیں اور اُن کے دل اُسی مذہب سے تسلّی پاتے ہیں کس قدر مشکل ہی ایسے لوگوں کی نسبت یہ حکم لگا دینا کہ اُن کی نجات نہیں۔ الغرض مذہب کی نسبت میرے کچھ اس قسم کے واہی خیالات تھے پریشان ڈانوا ڈول۔ کسی کسی وقت میری طبیعت اُلجھتی بھی تھی مگر دین کی کچھ ایسی دھن تو تھی نہیں طبیعت پر ذرا بوجھ پڑا اور اس خیال کو الگ کیا دوسرے کام میں لگ گئی۔ اب مجھ کو دو طرح کا افسوس ہی ایک تو غافل اور بے دین اور جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے کا اور دوسرے ایسی لغو و لاطائل زندگی پر افسوس نہ کرنے کا۔

جب مجھ کو اس کا پورا یقین ہوگیا کہ میں اِس بیماری سے جاں بر نہیں ہو سکتی ۔ خود بخود میری سمجھ کچھ دوسری طرح کی
ہو گئی ہی ۔ اب مجھ کو ہر طرف خدا ہی خدا دکھائی دے رہا ہی اور میں کہتی ہوں کہ جب زندگی کا انجام موت ہی تو آدمی
کی گو وہ روئے زمین کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو کچھ بھی حقیقت نہیں ۔ سانس نکلنے کی دیر ہی اور پھر تو مٹی کا ڈھیر ہی لیکن یقین
یقین میں بڑا فرق ہی مجھ کو بھی ہمیشہ مرنے کا یقین تھا اور سبھی کو ہوتا ہی لیکن وہ یقین اَور طرح کا تھا اور یہ یقین اَور طرح کا ہی ۔ وہ
نقل یہ اصل ۔ وہ مجاز یہ حقیقت ۔ کسی بزرگ کے حال میں لکھا ہی کہ اُنھوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی اور اپنے
اوپر لازم کر لیا تھا کہ ہر روز تھوڑی دیر کے لیئے ضرور اُس میں جا کر لیٹتے تاکہ موت کی یادگار تازی ہوتی رہے ۔ میں نے قبر تو نہیں
کھودی لیکن یہ پورا یقین ہی کہ جس چارپائی پر پڑی ہوں اب اِس سے قبر ہی میں جانے کے لیئے اُتاری جاؤں گی غرض موت
کے اس درجے کے یقین نے میرے سارے شکوک رفع کر دیئے ۔ اب مجھ پر اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ میں نہایت عاجز اور ذلیل
مخلوق ہوں ۔ اپنی حقیقت کا پہچاننا تھا کہ خدا نظر آنے لگا ساری عمر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ سنتے اور کتابوں
میں پڑھتے گزر گئی ۔ مگر اس کے معنی اب سمجھ میں آئے کہ اپنے تئیں پہچاننے سے خدا یوں پہچانا جاتا ہی پھر میں نے خدا کی عظمت
اور اُس کے جلال پر نظر کی تو میری ایسی سٹی بھولی کہ اپنی ہستی کو ہستی کہتے ہوئے شرم آنے لگی ۔ اِس خیال نے مجھ کو بڑی
راحت پونہچائی ۔ کیوں کہ میں ایسے افکار میں مبتلا رہتی تھی جن میں اپنی چھوٹی سی عقل کو دخل دینا پرلے درجے کی بیہودگی
اور گستاخی تھی ۔ اُدھر خدا کو پہچانا اور اِدھر اپنے تئیں ۔ تو دیکھا اُس کے مجھ پر اِس قدر احسانات ہیں جن کی کوئی حد و انتہا
نہیں ۔ تو میں نے سوچا کہ ایسے محسن کے احسانات کا معاوضہ نہ کرنا خلافِ شیوۂ انسانیّۃ ہی ۔ لیکن اُس کی ذات تو ہمہ بے
نیاز یہاں تک کہ اُس کو ہماری شکر گزاری اور احسان مندی کی بھی پروا نہیں تو ہو نہ ہو اپنے ابنائے جنس کے ساتھ
جہاں تک ہو سکے سلوک کرنا یہی اُس کا شکریہ اور یہی اُس کی مہربانیوں کا معاوضہ ہی کیوں کہ ہم اُس کا برتاو بندوں کے
ساتھ دیکھتے ہیں ۔ سب کی پرداخت ۔ کل کی پرورش ۔ تو اگر ہم اُس کے بندوں کے ساتھ لطف و مراعاۃ سے پیش آئیں
تو یہ ضرور اُس کی خوشنودی اور رضامندی کا موجب ہوگا ۔ لیکن افسوس ہزار افسوس مجھ کو یہ باتیں کب آ کر سوجھیں
جب کہ مجکو دنیا میں رہنے کی مہلت نہیں ۔ اور آن دو دن یا شاید دو پہر یا شاید گھڑی دو گھڑی کی مہلت ہی بھی تو بیماری
سے چین نہیں قرار نہیں ۔ مگر پھر بھی جب تک دم میں دم ہی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا ۔ آخر ایک بات سمجھ میں آئی جس کے لیئے
میں نے آپ صاحبوں کو تکلیف دی اور وہ بیوہ عورتوں کی حالت پر نظر کرنا ہی ۔ آپ اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے
کہ جو کچھ میں بیوہ عورتوں کے بارے میں کہوں وہ بہت زیادہ قابلِ اعتبار ہوگا بہ نسبت اُس کے جو آپ اپنے دل میں
خیال کر رہے ہیں کیوں کہ اول تو میں عورت ہوں اور کوئی مرد گو وہ کیسا ہی عزیز کیوں نہ ہو عورت کے حال سے اِس قدر
واقف نہیں ہو سکتا جس قدر ہم جنس ہونے کی وجہ سے میں ۔ دوسرے میں بیوگی کی تلخی بخوبی چکھ چکی اور اُس کی مصیبۃ
اچھی طرح جھیل چکی ہوں ۔ تیسرے جب میں مرنے کے لیئے تیار اور گور میں پانوں لٹکائے بیٹھی ہوں تو جو کچھ کہوں گی
اُس میں میری کسی ذاتی غرض کا شمول ہو نہیں سکتا ۔ اب میرا وہ وقت آ لگا ہی کہ مجکو تمام دنیاوی اغراض سے بالکل قطع
نظر ہی ۔ وہ جسم جس کو میں ماں کے پیٹ سے ساتھ لائی تھی اور جس نے ساری عمر میرا ساتھ دیا اُسی سے میرا تعلق ٹوٹنے

والا ہی تو دوسرے تعلقات کیا باقی رہ سکتے ہیں۔ اور اسی خیال نے تو مجکو جراۃ بھی دلائی کہ لوگوں کو جمع کروں اور اُن کو بیواؤں کی مصیبتہ سُناؤں ورنہ کتنی خدا کی بندیاں جی ہی جی میں گھُٹ گھُٹ کر اور گھُل گھُل کر دنیا کے پردے سے اُٹھ گئیں اور کسی نے نہ جانا کہ بیوگی نے اُن کو کیسا کیسا ستایا اور کتنا کتنا رُلایا۔ مَیں خوب سمجھ چکی ہوں کہ جو میں کر رہی ہوں آج تک کسی عورت نے نہیں کیا۔ مدتوں اس انوکھی بات کے چرچے رہیں گے۔ لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے۔ مجکو کوسیں گے۔ بُرا کہیں گے لیکن میں ایسی جگہ جا رہی ہوں کہ یہاں کی آوازیں وہاں پونہچ نہیں سکتیں۔ میرا معاملہ تو خدا سے پڑنے والا ہی۔ اور مَیں بُری یا بھلی جیسی کچھ ہوں اُسی کو معلوم ہی اور وہ دنیا کی طرح کا جج نہیں کہ میرے اور اسیسر اور گواہوں کے بدون اپنی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ پس میں کیا پروا کر سکتی ہوں کہ لوگ میرے مرے بعد میری نسبت کیا کہتے ہیں۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں کو میرے حالات معلوم ہیں اور میں اُن کے بیان کرنے کی ضرورۃ نہیں دیکھتی۔ پس میں آپ صاحبوں کو اپنی بیوگی کی داستان سُنا چلتی ہوں میں یہ دعوی نہیں کرتی کہ میری بیوگی کسی خاص طرح کی بیوگی تھی بے شک مَیں جوانی میں بیوہ ہوئی مگر بیوگی کسی حالت اور کسی عمر پر موقوف نہیں بڑھیاں۔ جوانیں۔ لڑکیاں۔ اولاد والیاں۔ بے اولاد۔ امیر۔ غریب۔ شریف۔ رذیل۔ کہیں رانڈوں کی کمی نہیں بلکہ میری حالۃ تو بُہتیری رانڈوں کے مقابلے میں بہت بہتر تھی۔ میرے ساتھ اولاد کا بکھیڑا نہ تھا کہ اُن کے پالنے کی پرورش کرنے لکھانے پڑھانے شادی بیاہ کا تردد کرنا پڑتا۔ نواب صاحب نے خدا اُن کو جزائے خیر دے میری تنخواہ باندھ دی تھی جس میں بہ فراغت بسر کر سکتی تھی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہی کہ اس دم تک بہ فراغت بسر کی۔ میں نے اکثر عورتوں کو کہتے سنا اور شروع شروع میں میرا بھی ایسا ہی خیال تھا کہ فکرِ معاش سے خدا نے مجکو سبکدوش کر دیا ہی اگر دوسرے نکاح کا ارادہ کروں تو بڑی بے جا اور بدنما اور ناروا بات ہی۔ لیکن بہت دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ میری رائے بالکل بدل گئی اور میں نے سمجھا کہ اگر تعلق مناکحۃ کی غرض وغایۃ یہی ہی کہ مرد کمائے اور عورت پہنے اور کھائے تو اس تعلق میں کچھ بھی مزہ داری نہیں اور نہ یہ تعلق کچھ بڑی قدر کی چیز ہی۔ اور ایسا ہوتا تو امیر اپنی بیٹیوں کے بیاہنے کا نام ہی نہ لیتے۔ بلکہ اصلی غرض اس تعلق سے مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی محبت سے متمتع ہونا ہی اور باقی تمام برکتیں جو خانہ داری سے پیدا ہوتیں اور فائدے جو ایک دوسرے سے پونہچتے سب فروع ہیں۔ اسی راحت رساں اور مسرت بخش اور تسکین دہ محبتہ کی۔ آدمی کی رائے کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہی کہ آغازِ بیوگی میں بلکہ بیوگی کے کئی برس بعد تک میرا یہ حال تھا کہ سو نہ چھوڑ کر کہنے کی تو کس نے مجال پائی تھی اگر کوئی اشارۃً کنایۃً بھی دوسرے نکاح کا نام لیتا تو میں ضرور پکڑ کر اُس کا مونہ نوچ لیتی۔ اور کبھی مجکو آپ سے بھی خیال آگیا ہی تو میں نے اس کو وسوسۂ شیطانی سمجھ کر ادھر آیا اُدھر ٹالا۔ یا دہی میں ہوں کہ اب ایسی حالت میں بھی جانتی ہوں کہ بے فائدہ اور لاحاصل محض ہی اور ہو بھی نہیں سکتا مگر میری دلی آرزو یہی ہی کہ کسی کی نکاحی ہو کر مروں۔ اور میرا حشر بھی نکاحیوں میں ہو۔ ایک حساب سے تو مجھ کو تمام زمانہ بیوگی میں نکاح سے انکار ہی سا رہا۔ اور انکار نہ ہوتا تو بھی کر بھی گزرتی۔ اور کرنے پر آتی تو مَیں کسی کے روکے سے رُکتی بھی کب۔ لیکن دلی انکار جس کو سچا انکار کہنا چاہیئے وہ تو واقع میں عدۃ تک تھا کہ اُس وقت تک مولوی صاحب مرحوم کی یادگاری

تھی تازہ اور میں اِس کو پرلے درجے کی بے وفائی اور بے مروّتی سمجھی تھی کہ اُن کی اتنے دنوں کی رفاقت کو اِس قدر جلد بھلا دوں۔ شرع میں جو عدت کا ایک وقت مقرر ہی اُس میں اَور جو کچھ مصلحتیں ہوں سو ہوں لیکن یہ تو میرا ذاتی تجربہ ہی کہ اتنا وقت گزرنے کے بعد غم میں بڑا ہی فرق پڑ جاتا ہی گر بہ تکلف رنج کو تازہ رکھا جائے تو گویا رنج کی عمر طبیعی اسی قدر ہی خیال تو عدّۃ کے اندر بھی کیوں نہیں آیا مگر عدت پوری ہوئے پیچھے تو میں نے طبیعت پر زیادہ زور دیا کہ اِدھر یا اُدھر اس بات کا ضرور کچھ نہ کچھ تصفیہ کرنا چاہیئے۔ میں نے سوچنے اور غور کرنے کا کوئی پہلو اُٹھا نہیں رکھا۔ کیا مذہب کیا عقل۔ کیا میری خاص حالت تمام رُوداد نکاح کی متقاضی تھی اور اکیلا رواج مانع۔ سو رواج بھی ولیا شدّ و مدّ کے ساتھ نہیں جیسا ہندوؤں میں ہی بلکہ اسی قدر کہ بیوہ جو نکاح کر لیتی ہی اُس کی ویسی اور وتنی عزت باقی نہیں رہتی اور لوگ اُس کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور یوں دنیا میں کون ہی جس کو اُس سے بہتر حالت والا حقیر نہیں سمجھتا۔ لیکن نکاح کرنے سے بیوہ عورت حقیر سمجھی جاتی ہی اُس خاص بات میں جو سب سے زیادہ دل دُکھانے والی ہی۔ اور جس کی حفاظت کے لیئے اُس نے نکاح کیا ہی یعنی ناموس میں ہمیشہ رسم و رواج کو بڑی حقارۃ کے ساتھ دیکھا کرتی اور جی میں کہتی کہ بھلے برے کی شناخت کی دو کسوٹیاں ہیں۔ مذہب اور عقل۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو ایک ہی کسوٹی ہی۔ یعنی مذہب۔ کیوں کہ انسان کی عقل کا کچھ اعتبار نہیں۔ ایک ہی بات کو ایک آدمی اچھا سمجھتا ہی اور دوسرا بُرا اور اسی سے تو دنیا میں اختلاف پڑے ہوئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ معصوم بچّوں کے مار ڈالنے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ظالمانہ اور وحشیانہ حرکت نہ ہوگی لیکن جن لوگوں میں بیٹیوں کے مار ڈالنے کا دستور ہی جیسے ہمارے ملک کے راجپوت اُن کا یہ مقولہ ہی کہ کنواری لڑکی کو بٹھا رکھنا یا سسرا کہلانا اور سالا بننا بڑی بے غیرتی کی بات ہی۔ کوئی فعل اس سے زیادہ تحسین کے قابل ہو نہیں سکتا کہ جائے جان رہے آن۔ یہ تو میں نے مثال کے طور پر ایک بات بیان کی۔ اسی طرح سیکڑوں ہزاروں باتیں ہیں جن میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں۔ بلکہ آدمی آدمی کا اختلاف تو درکنار ایک ہی آدمی ایک بات کو ایک وقت بُرا سمجھتا ہی اور پھر وہی آدمی اُسی بات کو دوسرے وقت اچھا کہنے لگتا ہی۔ اور یہ تو خود مجھ پر گزری ہی اور خیال کر کے دیکھو تو کوئی فرد بشر اس تزلزل سے خالی نہیں۔ بچپن کی باتیں جوانی میں بُری معلوم ہوتی ہیں جوانی کی بڑھاپے میں۔ غرض اچھا وہی جس کو مذہب اچھا کہے اور بُرا وہی جس کو مذہب بُرا بتلائے تو مَیں اپنے دل میں کہتی کہ جب آدمی کی عقل کو نیک و بد کی تمیز کا سلیقہ نہیں یہ رسم و رواج کیا چیز ہی اور بڑے احمق ہیں جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن جب مجکو خود رسم و رواج سے مقابلہ کرنا پڑا تو معلوم ہوا کہ خدا کی خدائی میں اس سے زیادہ کوئی زبردست چیز نہیں۔ جب جب نکاح کا خیال آیا تب تب ارادہ ہوا اور جب جب ارادہ ہوا رسم و رواج نے سب منصوبے غلط کر دیئے۔ میں کہتی تھی ہَے ہَے لوگ مجھ کو دو خصمی کہیں گے۔ برابر کی بیبیاں مجھے نظر حقارۃ سے دیکھیں گی سَینَیں ماریں گی۔ مسکرائیں گی۔ اگلی ڈھمکی سب بیوی کی صحنک کھائیں گی۔ اور مَیں بیٹھی مونہ تکوں گی۔ میرے سبب سے میری نسل انگشت نما ہوگی نہیں نہیں۔ میں اس بے عزتی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اُس سہاگ کو لگے آگ جس کی وجہ سے آبرو پر حرف آئے لوگوں

کے طعنے سنوائے - گالیاں کھلوائے - پھر کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ یہ کیا عقل کی بات ہے کہ لوگوں کے تاپنے کے لیے اپنے گھر کو جلنے دیا جائے جو خدا اور رسول سے واقف اور دین و ایمان سے خبردار ہیں وہ دل میں جو چاہیں سو سمجھیں مگر مونہ سے تو کوئی کھوٹی بات سامنے یا پیٹھ پیچھے نکال نہیں سکتے اور بلکہ دل میں بھی سمجھیں تو ایمان کا ضرر ہے۔ لیکن ایسے آدمی کم ہیں سو میں مشکل سے ایک - تو وہ کس شمار میں ہے - اور پھر معاملہ تو عورتوں سے پڑنے والا ہے جو عموماً دین سے بے نصیب - ایمان سے بے بہرہ - ان بے چاریوں کو شاذ و نادر میاں سے ملاپ ہے تو اپنے بناؤ سنگار سے اور بگاڑ ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے - تو رات دن کے جھگڑے اور فساد سے خانہ داری کے انتظام بچوں کی پرورش اس کی غیبت اس کی بدی تبرے رشک میرے حسد سے کب فرصت ملتی ہے کہ دین کی طرف متوجہ ہوں - یہ تو اس طرح کی حضرۃ ہیں کہ حضرۃِ مریم بھی اُن کے روبرو آجائیں تو ایک بار اُن پر بھی چشمک کریں پر کریں - لیکن نکاح کروں تو ایسوں سے ملوں ہی کیوں مگر ایک دو ہوں تو چھوٹڑا بھی جا سکتا ہے یہاں تو خدا کے فضل سے آوے کا آوا خراب کنبے کا کنبہ بھونڈا - چار و نا چار کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ان سے مٹھ بھیڑ تو ہو ہی گی - اور مٹھ بھیڑ ہوگی تو یہ کم بختیں چھیڑیں گی بھی ضرور اور چھیڑیں گی تو دل کو ایذا ہو گی بھی بلاشبہ ایسے وقت میں مجھ کو کوئی ہوتا سہارا لگانے والا ہمنہ بندھانے والا تو میرے دوسرے نکاح کو بھی اب پندرہ پندرہ بیس بیس برس ہوئے ہوتے - مگر عزیزوں نے رشتہ داروں نے اپنے پیاروں نے اور سب طرح پر تو ہمدردی اور غم خواری کی اس کا کسی نے جھوٹوں بھی نام نہ لیا - یہ بھی اُسی رواج سے مجبور تھے جس کہ میں معذور تھی - اور رواج کے علاوہ ان کو اس کا خیال بھی ہوتا تھا کہ اس کی مرضی دوسرا نکاح کرنے کی نہیں ہے اور آخر ہے تو یہ ہم ہی میں کی یقیناً نہیں ہوگی تو اس کے آگے اس کا ذکر کرنا بھی گویا زخم پر مرچیں لگانا ہے - میری والدہ نے یہاں تک تو کیا کہ میری بیوگی کے خیال سے میاں کے جیتے جی دنیا داری سے تائب ہو گئیں اور گویا ایک طور سے اُنھوں نے اپنے گھر کو بگاڑ لیا - نانا نے صبر کی فضیلتوں کے بیان میں ایسے ایسے وعظ سنائے کہ شوہر تو شوہر ہیں آپ مر گئی ہوتی تو اپنا بھی ماتم نہ کرتی - غرض ان سب کی شکر گزار ہوں کسی نے میرے ساتھ کمی نہیں کی بے شک ان کو چاہتا تھا کہ دوسرے نکاح کی تحریک کریں ترغیب دلائیں مگر انھوں نے نہیں کیا - مجکو چاہتا تھا کہ دوسرے نکاح کا ارادہ ظاہر کروں میں نے نہیں کیا میں نے بہتیری بہتیری تدبیریں کیں کہ کسی ایسے شغل میں لگ جاؤں کہ یہ خیال ہی دل میں نہ آئے - پورے ایک برس صوم داؤد رکھے دیکھے کیوں کہ میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ روزہ اور روزہ بھی حضرتِ داؤد علیہ السلام کا سا ایک دن بیچ کا نفس کُشی کے لیے بہت ہی مفید ہے - مہینوں سر نہ دھویا - ہفتوں بالوں میں کنگھی نہ کی - کپڑے نہ بدلے - اچھا کھانے کی قسم کھائی - اچھا پہننے کا عہد کیا - مگر معلوم ہوا کہ کسی چیز کا قصور نہیں خود میری ہستی نکاح کی متقاضی ہے - ایک دن عادت کے مطابق میں اس خیال میں ڈوبی ہوئی تھی بڑے بڑے خیال آیا کہ میں ہی اپنی ذات سے اس قدر بے چین رہتی ہوں یا دوسری بیویوں کا بھی یہی حال ہے - تم لوگ تعجب کرو گے کہ یہ بھی عجیب دُھن کی عورت ہے مگر میں نے اسی غرض سے باون یعنی دو اُوپر پچاس بیوؤں سے ملاقات کی - جس میں میرے کئی برس صرف ہوئے عورتیں وہ بھی عورت میں بھی - بیوہ وہ بھی بیوہ میں بھی - اس پر اُن کے اصلی

اور دلی خیالات دریافت کرنے میں مجھ کو ایسی ایسی مشکلیں پیش آئیں کہ دوسری تیسری کی ہوتی تو اتنی پتے رو دی کرتی مجکو جس کا حال دریافت کرنا منظور ہوا۔ پہلے میں نے اُس سے ربط بڑھایا گھل مل کر اُس کو سہیلی بنایا۔ لیکن ہیں جس چیز کی ٹوہ میں تھی وہ بات ہی ایسے پردے کی تھی کہ ہمجولی ہمجولی سے کہتی شرمائے۔ سہیلی سہیلی سے چُھپائے۔ عورتوں کی بہتیری باتیں چُھپانے کی ہوتی ہیں اور جو پیٹ کی گہری تھیں اُنھوں نے چھپایا بھی بہت مگر میں جو پیچھے پڑی تو کسی نہ کسی ڈھب پوچھ ہی کر رہی۔ ہاں نکاح کا ایسا معاملہ تھا کہ اس کا نام زبان پر آیا نہیں اور سننے والا ہتّے سے اُکھڑا نہیں۔ آخر ہار کر میں نے تو یہ تدبیر کی کہ جو عیب نہ کرنے تھے اور نہیں کیے تھے وہ سب جھوٹ طوفان اپنے اوپر لیے تب کہیں جا کر وہ عورتیں کھلیں اور اُنھوں نے اپنے دل کے بھید دیئے اس طرح پر لوگوں کے حالات کی تفتیش بُری بات ہے اور شریعت میں منع ہے اور قرآن میں لاتجسسوا کی منا ہی موجود ہے لیکن خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں میری نیت میں ہرگز یہ بات نہ تھی کہ لوگوں کے پردے فاش کروں یا اُن کو حقیر سمجھوں۔ میں کیا کسی کے عیب ڈھونڈوں گی جب کہ آپ میرا رُواں رُواں خدا اور خدا کے بندوں کا گنہ گار ہے اور وں نے اگر گناہ کیے ہیں تو اُن کو ابھی توبہ کی مہلت ہے۔ ممکن ہے کہ خدا اُن کو توبہ کی توفیق دے توبہ قبول ہو اور اُن کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ شامت تو مجھ کم بخت بدنصیب کی ہے کہ توبہ کا وقت بھی باقی نہیں۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

توبہ تو اُن کی ہے جنھوں نے نادانستہ کوئی بُرا کام کیا پھر جلدی سے توبہ کر لی تو ایسوں کی توبہ خدا بھی قبول کر لیتا ہے اور خدا تو جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اُن کی توبہ سند نہیں جو بُرے کام کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی تو لگے کہنے اب میں نے توبہ کی اور نہ اُن کی توبہ سند ہے جو کافر مرے۔ ایسوں کے لیے ہم نے عذاب دردناک طیار کر رکھا ہے۔

تو صاحبو میں تو حضر احدہم الموت میں ہوں اور مجھ کو اپنی توبہ کے قبول ہونے کا بھی بھروسا نہیں بلکہ لوگوں کے حالات کی تفتیش سے میری غرض اسی قدر تھی کہ دیکھوں مجھی کو ہو گی اس قدر اکھرتی ہے یا دوسروں کا بھی یہی حال ہے۔ تو بعض کا حال تو ناگفتہ بہ ہے اُن کی وہی مثل ہے۔ اختار العار علی النار۔ دنیا کی شرم سے مجبور دوزخ میں جانا منظور۔ مگر خدا کا بڑا احسان ہے کہ امیروں کی تو میں کہتی نہیں متوسطۃ الحال اور غربا کی عورتوں میں اس طرح کے فسادات بہت ہی کم ہیں بلکہ گویا کہ نہیں ہیں۔ اور یہ سب برکتیں ہیں پردے کی۔ اور افسوس ہے کہ آج کل کے انگریزی خواں اسی کے پیچھے پڑے ہیں کہ جس طرح ہو سکے اس کو توڑیے۔ لیکن اس وقت کی میری بھی ایک بات یاد رکھنا کہ جس قدر پردے میں کمی ہو گی۔ اسی قدر فسادات میں ضرور زیادتی ہو گی۔ مگر یہ کہ خدا تعالیٰ آدمیوں کی جگہ زمین پر فرشتوں کو لا بسائے تو کچھ کہا نہیں جاتا۔ مجھ کو اس قسم کی کئی عورتیں ملیں جن کو حقیقۃً میں نکاح سے انکار تھا مگر تحقیق کیا تو اُن کا انکار اسی طور کا تھا کہ ایک لومڑی انگور کی بیلوں کے تلے سے ہو کر نکلی انگور کے خوشے دیکھ کر اُس کا جی للچایا کودی اُچھلی بہت مگر انگور تھے اونچے پہونچ نہ سکی آخر یہ کہہ کر دُم دبا چلتی ہوئی کہ انگور کھٹے ہیں۔ تو جن کو انکار تھا اُن میں بعض کی تو صورت اچھی نہ تھی۔ بعض عمر سے اُتری ہوئی بعض بچہ کش۔ کہ پہلے چار چار

پانچ پانچ کے لیئے ڈربہ بنائے تو اُن سے نکاح کرے - اتنی عورتوں میں سچا انکار ایک کا دیکھا کہ اُن کو کوئی چیز مانع نہ تھی
مگر اس طرح کا آدمی خدا پرست مرد یا عورت کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گزرا اور اگر اُنھوں نے مجھ سے عہد نہ لیا ہوتا تو
میں ضرور اُن کا نام و نشان سب کو بتا دیتی کیوں کہ ایسے بزرگوں کی زیارت کو میں داخل عبادت سمجھتی ہوں - میں اِس کو
اپنی بڑی خوش قسمتی خیال کرتی ہوں کہ اتفاق سے اُن کے پاس جا نکلی اور میں سچ کہتی ہوں کہ اگر مجکو اپنی نجات کی توقع ہے
تو صرف اس سے کہ میں نے اُن سے درخواست کی اور اُنھوں نے میرے لیئے دعا کرنے کا وعدہ کیا وہ ضرور اپنا وعدہ
پورا کریں گی بلکہ کیا ہوگا - اور وہ اپنا وعدہ پورا کریں گی تو خدا بھی اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا بلکہ کیا ہوگا کہ وہ اچھے بندوں
کی بات کو رو نہیں کرتا تم بھی از برائے خدا دعا کرو کہ اپنے نیک بندوں کے طفیل میں خدا میرے گناہوں سے درگزرے
اور میں بھی تم سبکے حق میں یہی دعا کرتی ہوں کہ خدا قبول کرے - کیا مزے کا نکتہ ہے کہ ہم جس مونہ سے جھوٹ بولتے
غیبت کرتے قسمیں کھاتے کوستے بُرا کہتے بیہودہ باتیں بکتے اُسی گندے اور ناپاک مونہ سے دعا مانگتے تو ایسی دعا
قبول ہو کیا خاک لیکن اگر ایک بندہ دوسرے بندے کے لیئے دعا کرے تو وہ دعا قبولیت سے زیادہ قریب ہے - کیوں کہ
میرا مونہ گنہ گار ہے تو میرے لیئے نہ دوسروں کے لیئے - وہ بی بی جن کا میں نے ذکر کیا میں نے اُن کو جا کر دیکھا تو بس خدا یاد
آ گیا میں نہیں جانتی تھی کہ اس زمانے میں اور ہمارے ہی شہر میں ایسے ایسے بزرگ چھپے پڑے ہیں اور واقع میں اپنا اعمال کا
حال تو معلوم ہی یہی لوگ ہیں جن کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے تئیں اس
طرح چھپایا ہے کہ کسی کو کانوں کان اُن کے حال کی خبر نہیں - اچھے خوش حال گھر کی بیٹی ہیں باہر شہر کسی بڑے امیر کے گھر بیاہی
گئی تھیں میاں کے جیتے جی تو دین داری کی کوئی بات اُن میں تھی ہی نہیں - میری اُن کی بیوگی ملتی جلتی ہوئی سی ہے - یہ بھی
جوانی ہی میں بیاہ کے تیسرے برس بیوہ ہو گئیں میاں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے خدا جانے کیا ہوا - گھوڑا بدکا گرے اور گرتے
کے ساتھ جان نکل گئی - ان کے بھی کچھ اولاد نہیں ہوئی - ان پر میاں کے مرنے کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھیں اگر بیوگی
کا یہ نتیجہ ہو تو میں کہتی ہوں الٰہی کل یہاں کی عورتیں رانڈ - شہر میں آئیں تو خلل غبار پڑنے کے خیال سے اپنے میکے میں نہیں ٹھیریں
دُور کے رشتے کی کوئی خالا ہیں اُن کے مکان میں الگ کوٹھے پر رہتی ہیں کسی سے ملنے کی روادار نہیں - نہ یہ کہ لوگوں کو حقیر
سمجھ کر اُن سے نفرت کرتی ہیں - نہیں - بلکہ جو کام اُنھوں نے اپنے اوپر لازم کر لیئے ہیں اُن سے واقع میں فرصت ہی
نہیں ہوتی - میں بھی نادانستہ اُن کے اوقات میں خلل انداز ہوئی - میں نے اس طرح کے پاکھنڈ بہت دیکھے تھے بے باکانہ
جا براجی - بناوٹ کے تیور ہی دوسرے ہوتے ہیں اُن کو دیکھا تو بس دل بے اختیار ہو گیا - تین چار گھڑی دن چڑھتے
چڑھتے صبح کے معمولات سے فارغ ہو کر ریشم کھولنے کھڑی ہوئیں - ریشم کھولتی جاتی ہیں اور ساتھ کے ساتھ قرآن بھی حفظ
پڑھتی جاتی ہیں کچھ ایسا انداز باندھ رکھا ہے کہ اِدھر منزل قبل کا ورد ختم ہوا اور اُدھر اُن کی پانچ پیسے کی مزدوری صحیح ہوئی
اور یہی اُن کی وجہ معاش ہے - پھر سینا لیکر بیٹھتی ہیں تو سلائی کا نہیں مسافر طالب العلم یا جن کو سلائی دینے کا مقدور نہیں
کپڑا دے جاتے ہیں اور یہ مفت سی دیا کرتی ہیں - یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ غریبوں کی اس خدمت کو نفلوں پر مقدم
رکھتی ہیں - دن بھر کا روزہ اور یہ زحمت اور پھر رات کو جب دیکھو جائے نماز پر موجود - میری چارپائی اُنھوں نے اپنی نماز

کی چوکی کے برابر بچھوائی تھی۔ نفلوں کے بیچ بیچ میں جتنی دیر وظیفہ پڑھتیں مجھ کو پنکھا جھلتی رہتیں۔ میں بھی مگرے پڑے سے خبر نہ ہوئی کہ اچھا ہی ذری کی ذری دنیا میں جنت کی ہوا تو کھالوں۔ میں نے نمازیں بہت دیکھی ہیں مگر ایسے ذوق وشوق کی باقاعدہ مؤدب۔ باوقار نماز تو میرے دیکھنے میں آئی ہی نہیں۔ جب میں نے ان کا یہ حال دیکھا تو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ پوچھوں مگر آخر میں نے جی مضبوط کر کے پوچھا ہی کہ آپ دوسرا نکاح کیوں نہیں کرتیں تو کہا کر تو لوں مگر بیٹھے بٹھائے حقوقِ شوہری کا وبال کون اپنی گردن پر لے۔ حدیث شریف میں آیا ہی کہ خدا کے بعد شوہر کا درجہ ہی اور اگر بندے کا بندے کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو بی بی کو حکم ہوتا کہ میاں کو سجدہ کیا کرے۔ مگر ہم لوگوں کا طریقہ کچھ ایسا بگڑا ہی کہ حقوقِ شوہری کی حفاظت مشکل ہی۔ پھر حدیث میں آیا ہی کہ عورتیں کثرۃ سے دوزخ میں جائیں گی اس لیے کہ شوہروں کا احسان نہیں مانتیں تو بھی میرا تو دوسرا نکاح کرتے ہوئے جی ڈرتا ہی اور اب بہت گزر گئی تھوڑی سی رہ گئی ہی۔ اس کو بھی خدا گزار دے گا۔ سو ایک ان بی بی کا انکار تو سچا اور بجا انکار تھا باقی جن کو دیکھا مونہ سے نہیں نہیں اور دل میں ہو بھی کہیں۔ اور اگر بیوہ عورتیں ایسا خیال کریں تو اُن پر الزام کی کیا بات ہی ان بیچاریوں کے شوہر فوت ہوئے ہیں نہ کہ وہ ضرورت فوت ہوئی ہی جس کی وجہ سے دنیا جہان میں نکاح ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے خود ان کے پہلے نکاح ہوئے تھے۔ اور اگر کسی کو برا لگتا ہی تو چاہیے کہ خدا سے جا کر لڑے کہ کیوں اُس نے عورۃ کو ایسا بنایا۔ انسان کی نسبت خدا نے فرمایا کہ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا۔ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہی۔ تو ضعف دو قسم جسمانی اور عقلی۔ انسان کا ضعفِ جسمانی تو اس سے ظاہر ہی کہ شیر اور چیتا اور بھیڑیا اور ہاتھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ وغیرہ تو رہے بجائے خود ایک چیونٹی اور ایک مچھر کرنے پر آئے تو اس کو دق کر مارے رہا ضعفِ عقل تو جہاں اس کی عقل شکوک اور اوہام اور صحبت اور تربیت بہت سی چیزوں کی مغلوب ہی دوسروں کی رائے کا وہ اس درجہ محکوم ہی کہ اگر اس کو دوسروں کی رائے کا غلام کہا جائے تو بے جا نہیں۔ ہر شخص چاہتا ہی کہ لوگ اُس کو اچھا سمجھیں اور اِس کے لیئے وہ سخت سے سخت محنت کرنے اور بڑی سے بڑی مصیبت اُٹھانے کے لیئے ہر وقت آمادہ ہی۔ ہندوؤں میں جو بیوہ عورتیں ستی ہو جایا کرتی تھیں انگریزوں نے اس کی مناہی کرتے وقت بڑی تحقیقات کی تو ثابت ہوا کہ ستی کی لوگوں کے ذہن میں اس قدر عظمت ہی کہ اُس کو دیبی کے درجے میں سمجھتے ہیں بعض نادان عورتیں برہمنوں کے بھرّے میں آکر مونہ سے کہہ اُٹھتی ہیں کہ میں ستی ہوں گی اُسی وقت سے اُن کی تعظیم ہونے لگتی ہی۔ پھر اُن کو اپنی بات کی پچ آپڑتی ہی یہاں تک کہ لکڑیوں کے انبار پر بیٹھتے وقت تک کسی طرح کا ہراس و اضطرار ظاہر نہیں ہوتا۔ میری غرض اس مثال کے بیان کرنے سے یہ ہی کہ شیخی ایسی بُری چیز ہی کہ ہزاروں عورتوں نے اس کے پیچھے جان گنوا دی ہی تو اگر اسی شیخی میں آکر شروع میں نکاح سے انکار ظاہر کریں اور پھر اُس انکار کے نباہ کے لیئے تمام عمر بیوگی کی مصیبت میں رہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہی۔ بحث اِس میں ہی کہ ایسا انکار قابلِ اعتبار بھی ہو سکتا ہی یا نہیں میں کہتی ہوں نہیں ہو سکتا اور نہیں ہونا چاہیئے تم کو اعتبار آئے یا نہ آئے لیکن یہ قرآن میرے ہاتھ میں ہی چاہو کسی لڑکے یا عورت کو پردے کے اندر دکھلوا لو اور میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں نے نہیں بلکہ میرے خدا نے میرے ناموس کو بال بال بچایا ہی اور میں اس پر نازاں نہیں اس سے خوش نہیں اور کیوں کر نازاں اور کیا خوش ہو سکتی ہوں جب کہ میں خدا کے کلام میں یہ غضب کی آیۃ پاتی ہوں۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اور تم اپنے دل کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ خدا اُس کا تم سے حساب لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جسم پر میرا بس چلتا تھا اور اُس کی میں نے حفاظت کی۔ آنکھ غیر محرم پر نہیں پڑنے پائی۔ زبان کو گناہ کی بات نہیں بولنے دی۔ پاؤں بدراہ نہیں چلا۔ ہاتھ بیجا نہیں ہلا۔ لیکن دل پر تو میرا اختیار نہ تھا۔ وسوسوں کو کیوں کر روکتی۔ خیالات کو کس طرح ٹالتی پس میرا بدن بالکل بے گناہ ہے لیکن دل نہ میں اس کو بے گناہ سمجھتی اور نہ بے گناہ کہتی ہوں۔ بدن تو دنیا کی چیز ہے یہیں تک میرے ساتھ ہے اور میں یہیں اس کو چھوڑ جاؤں گی۔ جس سے خدا کے یہاں بازپرس ہوتی ہے اور افسوس کہ وہ خدا کے سامنے پیش کیے جانے کے قابل نہیں لوگوں کی نظر میں اپنے تئیں بے گناہ ظاہر کرنا مجھ کو کیا فائدہ دے سکتا ہے جب کہ میں خوب جانتی ہوں کہ خدا کی سرکار میں کسی کو دخل نہیں نہ کوئی کسی کو جنت میں لے جا سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو دوزخ سے بچا سکتا ہے بلکہ اپنی بے گناہی کا یقین دلانا جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ چلتے چلتے ایک گناہ اَور اپنے سر پر لوں مجھ پر ایک وقت گزرا ہے۔ دن نہیں۔ ہفتے نہیں۔ مہینے نہیں۔ بلکہ برس کہ مرد کی آواز میرے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی رات کو چوکیدار پکارتا یا دن کو سودے والے صدا لگاتے تو میں کان لگا کر سنتی بلکہ ایک دفعہ تو بے اختیار ہو کر ڈیوڑھی میں جا کھڑی ہوئی اور پھر مہینوں اپنے تئیں ملامت کرتی رہی۔ بیماری میں لوگوں نے میری ایسی ایسی خدمتیں کی ہیں کہ بس میرا ہی جی جانتا ہے اور میں اُن کے احسانوں کی کسی طرح تلافی نہیں کر سکتی۔ لیکن ویسی تسلی ہی نصیب نہیں ہوئی جو خدا بخشے مولوی صاحب کے سرسری طور پر پوچھ لینے سے ہوتی تھی کہ اب تمہارا مزاج کیسا ہے۔ ایسی بھی بہتیری عورتیں نظر سے گزری ہیں جن کا سرے سے بیاہ ہی نہیں ہوا مجھکو کبھی اُن کے حال پر ترس نہیں آیا لیکن بیوہ ہو کر بیوگی کی قدر جانی کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ جو میرے کہے کا یقین کرے خدا اُس کو جزائے خیر دے اور جو نہ کرے اُس کے حق میں اس کے سوائے اَور کیا کہوں کہ خدا کرے وہ بھی ہم ہی سری کی عورت بنے خدا کرے اُس کا بھی بیاہ ہو اور خدا کرے وہ بھی بیوہ ہو کر دنیا میں رہے۔ جب مجھکو یقین ہوا کہ ہزاروں لاکھوں عورتیں بیوگی کی سخت مصیبت میں مبتلا ہیں تو میں نے سوچا کہ اگر میں ان کی کچھ مدد کر سکوں تو اس سے بڑھ کر کوئی ثواب کا کام نہیں۔ بندی کو چھڑانے غلاموں کو آزاد کرانے کا اجر ہے تو بیوؤں کو نجات دینے کا کیوں نہ ہوگا یہ بھی تو بندۂ خدا ہیں ان کو بھی قیدیوں کی سی تکلیف اور غلاموں کی سی ایذا ہے بلکہ زیادہ ان کو بھی رنج و راحت کا احساس ہے۔ پہلے میرے دل میں آیا کہ عورتوں کو جمع کر کے اُن ہی کو مردوا بناؤں لیکن دیکھا کہ عورتیں مجبورِ محض ہیں مردوں نے اپنی ایسی ٹانگ اڑا رکھی ہے کہ ان کو ہلنے ہی نہیں دیتے۔ حقیقت میں مردوں کے کام ہیں اور عورتیں ناحق میں بدنام۔ اسی تردد میں تھی کہ ایک دن قرآن پڑھتے پڑھتے یہ بات ذہن میں آئی کہ جتنے احکام عورتوں کے ساتھ خاص ہیں خدا تعالیٰ نے خود عورتوں کو مخاطب قرار دے کر نازل فرمائے ہیں جیسے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَہُنَّ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِہِنَّ وَ

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور

يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ الخ — اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں کے لیے

وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ — اور اگر وہ (عورتیں) معاف کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے۔

اور قرآن میں اس طرح کی اور بہت مثالیں موجود ہیں لیکن بیوہ عورتوں کو اس طرح پر دوسرے نکاح کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ مردوں کو مخاطب قرار دے کر فرمایا ہے وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ ضرور اس کا کچھ نہ کچھ سبب ہے اور وہ نہیں ہے مگر یہی مردوں کا اختیار اور اقتدار جو اُنھوں نے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف زبردستی اور ہیکڑی سے عورتوں پر حاصل کر رکھا ہے اب اگر مرد یہ کہیں کہ بیوہ کو چاہیئے اپنا نکاح آپ کرے۔ یہ اُس کا کام ہے۔ ایجاب قبول وہ کرے گی نہ ہم۔ بیوی بن کر وہ رہے گی نہ ہم تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا نے ان کو ناحق أَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ کا مخاطب قرار دیا نعوذ باللہ یا تو اُس کو اصلی حال معلوم نہیں یا اُس نے مردوں کے حق میں ظلم کیا کہ جو کام ان کے کرنے کا نہ تھا ان سے کرانا چاہا۔ اگر خدا کوئی چیز ہے اور قرآن اُسی کا کلام ہے تو انکحوا الایامی مردوں کے لیے بڑی سخت آزمائش کا حکم ہے۔ اول تو اختیار رکھ کر خدا سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور فرض کرو کہیں شاذ و نادر بے اختیاری ہو بھی تو ایسی صورت میں مردوں کو حکم دینے سے خدا کا یہ منشا ہوگا کہ اپنی بیواؤں کو نکاح پر مجبور کر دو لیکن بجائے اس کے کہ میں مردوں کو سمجھاؤں کہ انکحوا الایامی کی تعمیل کس طرح پر کرنی ہوگی۔ اُن کو خود سوچنا اور سمجھنا چاہیئے کہ انکحوا الایامی کا حکم مہمل تو نہیں اور مہمل نہیں تو اس کا کیا مطلب ہے اور جو کچھ مطلب سمجھا جائے اُس فرض سے سبکدوش ہونے کی کیا سبیل ہے۔ میرا اتنا ہی کام تھا کہ بیواؤں کی واقعی حالت کو سچائی اور نیک نیتی سے مردوں پر ظاہر اور مردوں کو اُن کے فرض سے آگاہ کر دوں شاید ایسا کرنے سے بیواؤں کی مصیبت میں خفت اور مردوں کو عند اللہ جواب دہی میں کمی ہو۔ سو میں نے کیا اور خالصۃً للہ کہا۔ اے خدا جو کچھ میں نے کہا اگر تیری مقدس مرضی کے مطابق ہے تو میری بات میں اثر اور لوگوں کو اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کر۔ الٰہی دنیا جہان کی بیواؤں کو سکھ ہو اور میری اس ناچیز کوشش کے صلے میں نہیں بلکہ تیرے فضل و کرم سے ان کے طفیل میں مجھ کو دنیا کی اس تکلیف سے جس کو میں اب سہ نہیں سکتی خاتمہ بالخیر کے ساتھ نجات۔

کہتے ہیں اور حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ دن رات میں کوئی نہ کوئی گھڑی ایسی بھی ہوتی ہے کہ آدمی جو کچھ مونہ سے نکالے وہ ہو کر رہے۔ جس وقت آزادی نے یہ دعا کی وہ ضرور ایسا ہی قبولیت کا وقت رہا ہوگا کہ ادھر جتنے مرد تھے سب اپنے اپنے دل میں ٹھان چکے تھے کہ کوئی بیوہ کے بیٹھنے کا روادار نہ ہوگا (اور ایسا ہی ہوا) اور اُدھر دعا کا خاتمہ ہونا تھا کہ آزادی نے دفعۃً ایک ہچکی لی اور ہو چکی۔

ہمارے نزدیک آزادی بیگم کا یہ لکچر ہمارے پُرانے خیال کے مولویوں کو از بر کر لینا چاہیئے اور ہم اُن کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ جا بجا ان خیالات کی اشاعت کرتے پھریں۔ اس لکچر سے اُن مسلمانوں کے دماغ کی قلعی کریں۔ اور تعصب کی اُس پھپھوندی کو دور کریں جس کی وجہ سے وہ عقدِ بیوگان کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں جو یہ رسم بد چل پڑی ہے اُس کا وبال ہمارے نزدیک ہمارے ہاں کے مولویوں کی گردنوں پر ہے۔ ہم نے اس وقت تک سیکڑوں مولویوں کے وعظ سُنے۔ لیکن ایک مولوی ابو محمد ابراہیم صاحب آروی کے سوا کسی کے مونہ سے عقدِ بیوگان کے متعلق ایک بات بھی نہیں سنی۔ جب

---

سلہ اور اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو ۱۲

کبھی اِن مولویوں کے وعظ سننے کا موقع ملا تو الا ماشاء اللہ یہی سنا کہ وہابی دوزخ کے کندے ہیں۔ شیعہ جہنمی ہیں۔ سُنّی
دوزخی ہیں اور نیچری یعنی سرسید مرحوم کے خیالات کے معتقد تو کُھلے کُھلے ملحد اور مرتد ہیں۔ ایک دوسرے پر پھپتیاں اُڑانے
کے سوا اِن مولویوں کے وعظوں میں اور کچھ نہیں۔ ایک مولوی ہمارے بھی دوست ہیں۔ ان کی ایک لڑکی سولہ سترہ برس
کی بدنصیبی سے بیوہ ہوگئی۔ ہم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ایک روز ہم نے اُن سے کہا کہ کسی موقع پر آپ عقدِ بیوگاں
پر وعظ فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ اُنھوں نے ہم سے وعدہ تو کر لیا۔ لیکن جب ایسا موقع آیا تو ان کو اتفاق سے معلوم
ہوگیا کہ ہم نے خود اپنے دوست مولوی کو تنبیہ کرنے کے لیے ایسا وعدہ لیا ہے۔ مولوی یہ سُن کر عقدِ بیوگان کا وعظ تو اُڑا گئے
اور وعظ میں اَور اَور فضول باتیں بیان فرمانے لگے۔ یہ ہیں مولویوں کے کرتوت۔

## رویائے صادقہ

یہ ناول نہیں بلکہ حقیقت میں ہمارے مولنا کے مذہبی عقائد کا ایک جامع مجموعہ ہے۔
اِس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سچا اسلام بالکل عقل کے مطابق ہے اور اُس میں شکوک
اور اشتباہات کو دخل نہیں ہو سکتا اس کتاب میں صادقہ اور صادقہ کے ساتھ سید صادق دو ہیرو ہیں۔
کتاب کی ابتدا یوں ہے۔

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا دھوکا ہوا ہے۔ ہم مدت تک اسی خیال میں رہے کہ صادقہ اور یوسفی دو سگی
بہنیں تھیں۔ اب تحقیق ہوا کہ ایک ہی عورت کے دو نام ہیں اور اصلی ایک بھی نہیں۔ اُس کو بچپنے ہی میں لوگ صادقہ کہنے
لگے تھے۔ اس واسطے کہ اُس نے ساری عمر نہ کبھی جھوٹا خواب دیکھا اور نہ اپنے جی سے بناکر کوئی خواب بیان کیا بیاہی گئی
تو سسرال کی طرف سے یوسفی بیگم کا خطاب ملا۔ اس لیے کہ کثرت سے خواب دیکھتے دیکھتے اس کو تعبیر میں ایسا ملکہ
ہوگیا تھا کہ اُس کی رائے تیر بہدف ہوتی تھی"

صادقہ کی دو اَور چھوٹی بہنیں تھیں۔ لیکن صادقہ کے سوا اور کوئی بہن ایسی نہ تھی کہ صادقہ کی طرح خواب دیکھا
کرتی ہو۔ شہر میں اس کا بڑا چرچا ہوا۔ اول تو ایک معمولی بات سمجھی گئی لیکن صادقہ کی عمر کے ساتھ لوگوں کے وہم بڑھتے
جاتے تھے کوئی کہتا کہ اس کے سر پر جن سوار ہے۔ کوئی کہتا کہ بھوت ہے یا خبیث لیکن بعض اُس کا ادب بھی کرتے تھے اور
اُس کو وقعت کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے۔ مگر دل ہی دل میں ڈرتے بھی تھے کہ خدا جانے کیا اسرار ہے اور آیندہ چل کر کیا گُل
کھلے گا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اکیس بائیس برس تک کہیں سے اُس کے بیاہ نکاح کا پیام سلام کیا مذکور تک بھی تو نہ آیا۔ کئی برس تک
اُس کی ماں اس برات کی بیٹھی رہی کہ بڑی آگے سے اُٹھ لے گی تو چھوٹیوں کا ٹھکانا کروں گی۔ بڑی کے آگے چھوٹیوں کے
بیاہے جانے کا کیا حق ہے۔ بڑی کو کوئی نہیں پوچھتا تو چھوٹیوں کے لیے میں سو دفع کسی کو نہیں پوچھتی ہوں ناکہ تینوں میرے
گھٹنے سے لگی لگی بوڑھی ہو جائیں بلا سے۔ غرض خوابوں کی وجہ سے صادقہ کی مٹی پلید تھی اور اُس کی چھوٹی بہنوں کے لیے
پیام پر پیام رقعے پر رقعے چلے آتے تھے۔ اور صادقہ کے لیے مُونہ پھوڑ کر کہا بھی جاتا تھا تو بھی کوئی ہامی نہیں بھرتا تھا غرض
لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے صادقہ کی ماں نے اپنی دونوں چھوٹی لڑکیوں کو بیاہ دیا اور بےچاری صادقہ کچھ عرصے
تک ناکتخدائی کی حالت میں پڑی رہی مگر بہت زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ صادقہ خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ جیسے اس کے

والد چوکٹھے میں ایک تصویر لیئے کھڑے ہیں اور اُس کو دکھا رہے ہیں اور وہ تصویر کسی انگریز کی سی ہے - صادقہ نے اجنبی مرد کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار اپنا مونہ چھپا لیا - تو اُس کے والد کہتے ہیں - بیٹا یہ تو تصویر ہے اور تصویر بھی ٹھیک نہیں - دیکھو اس کی اصلی صورت یہ ہے - یہ کہہ کر اُنھوں نے اُس تصویر کے نیچے سے اور تصویر نکالی تو وہ ایک مسلمان کی تصویر تھی مگر دونوں تصویریں تھیں ایک ہی شخص کی - صادقہ کو تو اپنے خوابوں کی تعبیر کی مہارت تھی ہی سمجھ گئی کہ بیاہ کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی - کوئی اَور ناداں عورت ہوتی تو مارے خوشی کے اُچھل پڑتی - مگر صادقہ کو اُن ذمہ داریوں کا خیال آ گیا جو بیاہ کے پیچھے اُس پر عائد ہوں گی اور وہ ابھی سے سوچ میں گئی کہ اس چہرے مُہرے کا شخص کس مزاج کا ہوگا اور اُس کو رضامند رکھنے کے لیئے مجکو کیا کیا کرنا پڑے گا - دوسری مرتبہ پھر صادقہ نے دیکھا کہ باپ نے وہی دو تصویریں اس کے حوالے کیں کہ لو تم اپنے پاس رکھو مگر بہت احتیاط سے رکھنا - اس کا مطلب بھی صاف تھا - تیسری بار کسی کو خواب میں پکار کر کہتے ہوئے سُنا کہ وہ تصویریں تمھارے ہم نام کی ہیں - صادقہ نے غور تو کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کیا مراد ہے - غرض اس آخری خواب کے بعد اگلے ہی دن کوئی چار گھڑی دن چڑھتے چڑھتے ڈاکیئے نے آواز دی کہ رجسٹری خط لے جاؤ - دیکھیں تو ایک بڑا سارا عمدہ انگریزی کاغذ کا لفافہ صادقہ کے والد میر خسرو کے نام بنارس سے صادق نامی کسی شخص نے ایسے اہتمام سے بھیجا ہے کہ لفافوں کی درزوں پر ایک ایک انچ کے فاصلے سے لاکھ کی مہریں ہیں - مکتوب الیہ کا نام اور پتہ انگریزی فارسی دونوں خطوں میں ایسا صاف لکھا ہوا تھا کہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا - لفافہ لیتے تو لے لیا مگر یہ معمولی طور کا لفافہ نہ تھا کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا کہ ہمارے متعارفین میں سے بنارس میں اس نام کا کون شخص ہے - اور اُس کو ایسا لفافہ رجسٹری بھیجنے کی کیا ضرورت پڑی ہوگی - سردی کا تھا موسم اور ابھی کچھ ایسا دن بھی نہیں چڑھا تھا - سب لوگ ایک ہی دالان میں جمع تھے از انجملہ صادقہ بھی - یہ تو سمجھ گئی کہ ہم نام کی یہ تعبیر ہے - میر صاحب نے تھوڑی دیر تامل کر کے آخر لفافہ کھولا - اندر سے جزکا جزو ایک خط نکلا - چند سطریں بھی پڑھنے نہیں پائے تھے کہ بی بی نے پوچھا آخر کون ہیں - کیا لکھتے ہیں -

میاں - ابھی اس کے پوچھنے کا کیا موقع ہے ذرا پڑھ تو لینے دو -

بی بی - بس میرا بولنا تم کو زہر لگتا ہے -

میاں - تم بات ہی ایسی کرتی ہو کہ رکھی جائے اور نہ اُٹھائی جائے - اوّل تو تم کو میری ہر ایک بات کی کُرید ہی کرنی کیا ضرور ہے اور پھر صریحًا دیکھ رہی ہو کہ کتاب کی کتاب میرے ہاتھ میں ہے - پڑھنا شروع کیا ہے کہ تم نے بیچ میں ایک پتھر کھینچ مارا - مجکو خود معلوم نہیں تو جواب کیا دوں - ابھی زردے کا عمل پورا نہیں ہوا او پر تلے چار پانچ پان کھاؤ گی تو تمھارا مزاج دُرست ہو گا *

بی بی - آپ سارے دن حقہ میٹھے گڑ گڑائیں تو کچھ نہیں میرے زردے کا ہر وقت طعنہ - لو اب زردہ کھاؤں تو حرام کھاؤں - سُور وار کھاؤں -

یہ کہہ کر گلوری جو تھوڑی دیر ہوئے مونہ میں رکھی تھی اور ابھی اُس کے چبانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی اُگال دان اُٹھا تھوک دی - میر صاحب بیچارے خط ہاتھ میں لیئے دُم دبا چلتے ہوئے اور اگر ایک لمحہ بھی بیٹھے رہیں تو دونوں میں ایسی

لڑائی ہو جیسی ہر روز ہوا کرتی تھی - باہر مردانے میں جا کر خط پڑھا - یہ خط کاہے کو تھا ایک کتاب تھی اور کتاب بھی پڑھنے کے قابل - اور نصیحت اور تجربہ کرنے کے لائق ناظرین کی خاطر کا لحاظ کر کے ہم اُس خط کو ذیل میں درج کرتے ہیں اور اُس کی طوالت کی ذرا پروا نہیں کرتے ۔

## سید صادق کی طرف سے شادی کا رقعہ کہنے کو رقعہ اور واقع میں کتاب اور اُسی میں علی گڈھ کالج کا مختصر حال اور نکاح کے بارے میں لوگوں کی رائیں

جناب من - بندے کا نام تو آپ کو لفافے ہی سے معلوم ہو گیا ہو گا - میں اُس پر اتنا اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ۱۸۹۰ء کے بی اے کے امتحان میں جو شخص کلکتہ یونیورسٹی میں اول رہا وہ یہی خاکسار ہے - میں نے علی گڈھ کالج میں تعلیم پائی ہے اور اب بھی اُسی کالج کی ایم اے کلاس میں پڑھتا ہوں - بندے کا وطن آبائی تو فیض آباد ہے مگر شاہزادۂ فلک شکوہ کے توسل کی وجہ سے والد نے بنارس میں رہنا اختیار کیا - اور چوں کہ کچھ جایداد از قسم زمینداری وغیرہ بھی پیدا کر لی ہے - اب ہم لوگ یہیں کے ہو گئے ہیں ہمارا النسب نامہ محفوظ ہے اور میں اُس سے آپ کو اپنے سید الطرفین ہونے کا یقین دلا سکتا ہوں - اور اس کا بھی کہ بزرگوں میں علما اور مشائخ اور حکام اور مشاہیر گزرے ہیں ع

لیکن نبود وصف اضافی ہنر ذات

میں آپ اپنا معترف ہونا زیادہ پسند نہیں کرتا ہوں - مجھ کو آپ کے ایک بڑے واقف کار سے آپ کے ذاتی اور خانگی حالات بالتفصیل سُننے کا اتفاق ہوا ہے - اور اُس سے جو خیال میرے دل میں آپ کی طرف سے پیدا ہوا اُسی نے مجھ کو اس عریضے کے لکھنے اور پیش کرنے کی جرأت بھی دلائی گو آپ انگریزی نہیں جانتے لیکن مجھ کو تحقیق دریافت ہوا ہے کہ آپ کا مزاج بے تعصب واقع ہوا ہے طبیعت منصف - ذہن رسا - رائے صائب - عقل مصلحت اندیش - خیال آزاد - افسوس ہے کہ لوگوں کو یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ ہمارے کالج میں کاہے کی خصوصیت ہے - مجھ کو اس بات کے مان لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ پڑھائی کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں اور چوں کہ سرکار نے تعلیم اپنے اختیار میں رکھی ہے - وہ لیاقت کے درجے ٹھیراتی اور اُن ہی کے مطابق بی اے وغیرہ علمی خطاب دیتی تو ہم اُس میں کوئی رد و بدل کر نہیں سکتے ہم سب سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیم ہم کو کچھ ایسی زیادہ مفید نہیں - لیکن تا وقتیکہ گورنمنٹ اپنا کورس نہ بدلے - ہم کو چار و ناچار اسی کی پیروی کرنی ہے - غرض میں اپنی اُسی بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں - اور یہ جو نماز روزے کی تاکید اور دینیات کے درس کا چرچا آپ سُنتے ہیں - یہ تو چند دانے ہیں جو مسلمانوں کو دام تعلیم میں لانے کے لیئے بکھیر دیئے گئے ہیں - پادریوں کا مقصد اصلی ہے اپنے دین کی اشاعت اور ہمارا دنیاوی تعلیم - وہاں لوگوں کو دین عیسوی سے گریز ہے - اور ہمارے ہاں مطلق انگریزی تعلیم سے تو پادریوں نے دفع وحشت کے لیئے دنیاوی تعلیم کو آڑ بنایا ہے اور ہم نے دینیات کو ہمارے کالج میں جو خصوصیت ہے - صرف دو باتوں کی ہے - ایک تو ہمارے ہاں کثرت سے ایسے طالب العلم ہیں جو مدرسے ہی میں

پڑھنے مدرسے ہی میں کھاتے مدرسے ہی میں سوتے۔ مدرسے ہی میں کھیلتے اور رات دن مدرسے ہی میں رہتے اور گھروں کی بے تمیزیاں اور شوسائٹی کی بیہودگیاں۔ بزرگوں کی نازبرداریاں ان کی طبیعتوں پر بُرا اثر نہیں کرنے پاتیں۔ دوسرے پڑھنے کے علاوہ لڑکوں کو دنیا کے معاملات میں غور کرنا اور دنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھلانا۔ یعنی طالب العلموں کو آیندہ کی زندگی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اگر مجکو بالفرض کسی کا چال چلن دریافت کرنے کی ضرورت ہو اور وہ شاید ایک درجن عمدہ سے عمدہ سارٹیفکیٹ مجکو دکھا سکے تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میرا دل اُس کی طرف سے ہرگز ایسا مطمئن نہیں ہوگا جیسا صرف اتنی بات سے کہ وہ میری طرح علی گڑھ کالج کا بورڈر ہو اگر آپ نے علی گڑھ کالج کے کچھ حالات معلوم کیے ہیں۔ اور آپ جیسے بیدار مغز روشن خیال آدمی سے تعجب ہے کہ نہ کیے ہوں تو آپ نے کالج کی رپورٹوں میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہم بورڈر کیوں کر اپنے کھانے اور پہننے اور کھیلنے اور کُل ضرورتوں کا خود انتظام کرتے آپس میں کیسے مباحثے رہتے۔ اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں کس طرح شریک ہو جاتے۔ ہم لوگوں میں کئی طرح کی کمیٹیاں قائم ہیں ازاں جملہ ایک کمیٹی الاصلاح ہے اُس کے تحت میں ایک سب کمیٹی ہے جس میں صرف بیس برس سے زیادہ عمر کا طالب العلم شریک ہو سکتا ہے اور مجکو اس کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی عزۃ بخشی گئی ہے۔ اس کمیٹی کی کارروائی شب کے وقت دروازے بند کر کے ہوتی ہے اور ممبروں کے سوائے کسی کو کمیٹی میں آنے کی اجازۃ نہیں۔ اِس سب کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص نکاح کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے اور اُس پر ردّ و قدح ہو تاکہ جو شخص ایسا تعلق کرنا چاہے وہ اُس کے نفع و نقصان اور لوازم و نتائج کو پہلے سے سوچ چکا ہو مدت تک میری یہ رائے رہی کہ میں تجرّد میں اپنی زندگی بسر کروں گا۔ جس دن میں نے کمیٹی میں اپنی رائے پیش کی اور وہ مضمون جو لکھ کر لے گیا تھا پڑھ کر سُنایا ممبروں کا ایک گروہ کا گروہ اُس کی تردید کو کھڑا ہو گیا اور مہینوں اس پر بڑی سرگرمی اور جوش کے ساتھ بحث ہوتی رہی میں نے جن باتوں پر زور دیا تھا وہ یہ تھیں کہ اِس تعلق کا مدار دلی رغبۃ اور محبۃ پر ہے بلکہ رغبۃ اور محبۃ کی جگہ لفظ تعشق استعمال کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا اور رغبۃ اور محبۃ کی مثال میرے نزدیک درخت کی سی ہے کہ ایک دم سے سموچا کا سموچا زمین سے نہیں نکل کھڑا ہوتا بلکہ اُس کا بیج بو یا جاتا ہے۔ پھر وہ جڑ پکڑتا ہے۔ پھر پھوٹتا ہے۔ پھر اُس میں کونپل نکلتی ہے پھر پتے نکلتے ہیں پھر پھیلتا اور بڑھتا ہے۔ پھر پھولتا اور پھلتا ہے بعینہٖ یہی حال ہے رغبۃ اور محبۃ کا دو طبیعتوں میں ایک طرح کی خلقی مناسبۃ ہوتی ہے پھر ساتھ رہنے سے اُنس پیدا ہوتا۔ اُنس سے الفت۔ الفت سے رغبۃ اور آخر کار رغبۃ سے محبۃ پھر آگے محبۃ کے مدارج ہیں تو جن دو شخصوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں ایک دوسرے کے پاس نہیں بیٹھے۔ ساتھ نہیں رہے ایک دوسرے سے بات نہیں کی ایک دوسرے کے شریک رنج و راحت نہیں ہوئے۔ کیوں کر ایک کو ایک کی محبۃ ہو سکتی ہے پس ہمارے یہاں کا تعلّق زناشوئی ایک طرح کا جوا ہے۔ لوگ جیتتے بھی ہیں اور ہارتے بھی ہیں۔ اور چوں کہ محبۃ ایک کے کرنے سے نہیں ہوتی جیتنے کا احتمال ایک ہے تو ہارنے کے دو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر خانہ داریوں میں فساد سُنے جاتے ہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ انسان کیوں یہ مصیبت مول لے۔ ہم مسلمانوں میں سے دولۃ نکل گئی ہے اور نکلتی چلی جاتی ہے۔ اور دولۃ کے کمانے کے جو طریقے ہیں اُن سے ہم کو گریز ہے اور مسلمانوں کی طرف سے میں بالکل ناامید ہوں اور اسی میں اُن کی بہتری سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہو اپنے شمار کو بڑھنے نہ دیں کیوں کہ شمار کے ساتھ ساتھ مفلسی اور خواری بڑھتی جائے گی

ہوں اور ذلیل و محتاج ہوں تو ہوں ہی کیوں بے شک میرے اکیلے کی کَون سُنتا ہی اور نہ صِرف میرے اکیلے کی بل کہ مجھ
جیسے سیکڑوں کی ہزاروں کی۔ لیکن مسلمانوں کے فائدے کی جو بات سُوجھ پڑے اُس کے ظاہر کیئے بدون بھی تو نہیں
رہا جاتا۔ تھوڑا سا اثر ہوگا تو بہت ہی اس معاملے میں سب سے زیادہ مشکل ہم لوگوں کی ہی جنھوں نے انگریزی پڑھی ہی یا پڑھ
رہے ہیں۔ اِس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ انگریزی پڑھنے سے معلومات میں وسعت اور خیالات میں آزادی آجاتی
ہی اور ایک خاص طرح کا مذاق پیدا ہوجاتا ہی۔ ہندوستانیوں (پُرانے خیالات کے ہندوستانیوں) کے مذاق سے بالکل
جُدا اور ممتاز بلکہ متباین۔ اختلافِ راے اختلافِ وضع اختلافِ خیالات کے ہوتے دوسرے تعلقات تو خیر بُری طرح یا
بھلی طرح نبھ بھی سکتے ہیں۔ لیکن یہ خاص تعلق یہ تمام تعلقات سے قوی تر تعلق میں نہیں سمجھتا کہ ایک دن بھی خوش اسلوبی
سے نبھ سکتا ہی۔ جو شخص اپنے برابر والوں کو بل کہ اپنے سے بڑوں کو صِرف پُرانے خیالات کی وجہ سے مُونہ سے نہ بھی کہے
تو دل میں ضرور حقیر سمجھے کیوں کر مانوس ہوجائے گا اُس عورت سے جس کو اس کے سے خیالات چھو بھی نہیں گئے کیا وہ
خوش رہ سکتا ہی اس سے کہ جب گھر میں آئے پکانے کھانے اور سینے پرونے کے سوائے کوئی بات نہ سُنے۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہی
اِس سے کہ جب دو عورتیں مل کر بیٹھیں۔ اِس کی بدی اُس کی غیبۃ کے علاوہ اُن میں کوئی مذکور نہ ہو۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہی
اِس سے کہ جن باتوں میں اس کو دل چسپی ہی گھر میں کسی کو اُس سے لگاؤ نہیں۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہی اِس سے کہ جتنی دیر گھر میں
رہے اکیلا پڑا ہوا کتاب دیکھا کرے یا اخبار پڑھا کرے اِس لیئے کہ گھر والی کے ساتھ گفتگو کی سلسلہ جنبانی کرنے کو یہ کوئی مطلب نہیں پاتا
کیا یہ خوش رہ سکتا ہی اس سے کہ خیالات کے اعتبار سے بی بی کو ایک انچ اُبھار نہیں سکتا اور اُس کے پست خیالات میں
شریک ہونے کے لیئے اپنے تئیں گرا نہیں سکتا۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہی اس سے کہ سارے گھر کی روزی پیدا کرنے کے لیئے یہ
اکیلا دن بھر مصیبۃ جھیلے اور رات کو تھکا ماندہ گھر آئے تو کوئی اتنا نہ ہو کہ اِس کو صلاح بتائے یا زبانی سہارا لگائے کیا یہ
خوش رہ سکتا ہی اس سے کہ یہ دلیس میں ہو تو صِرف اس وجہ سے کہ بی بی پڑھی لکھی نہیں نہ اپنی کہہ سکے اور نہ اُس کی سُن سکے
کیا یہ خوش رہ سکتا ہی اس سے کہ ماں کی بے تدبیریوں سے اِس کے بچّے ہلاک ہوں۔ وہ پڑیں بیمار۔ اور دوا کے عوض
اِن کو پلائے جائیں تعویذ باندھے جائیں گنڈے۔ اُتارے جائیں ٹونے ٹوٹکے۔ مانیں جائیں منّتیں۔ کیا یہ خوش رہ
سکتا ہی اس سے کہ اولاد کی ابتدائی تربیت میں ایسی غلطیاں کی جائیں کہ ساری عمر اُن کی اصلاح نہ ہوسکے اَلغرض اِن وجوہ سے
اپنی نسبۃ اِس وقت تک میرا ایسا خیال ہی کہ میں شادی نہیں کروں گا اور میں اِس کمیٹی کے ممبروں کو بھی یہی رائے دیتا ہوں
کیوں کہ آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگرے مپسند۔ میں تو اتنا کہہ کر بیٹھ گیا اور پھر جو اس پر چاروں طرف سے بوچھاڑ ہونی شروع
ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے مضمون کیا پڑھا بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑ دیا کوئی شخص نہ تھا جس کے مُونہ میں ایک یا دو
اعتراض نہ ہوں ان میں سے بعض بودے اور پُھسپُھسے بھی تھے لیکن میں نے کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے
روداد میں لکھنے کے لیئے سب کو یک جا کیا تو مجموعہ ایسا قوی معلوم ہوا کہ مجکو اپنی رائے بدل دینی پڑی۔ اعتراضات کا خلاصہ
یہ تھا کہ ہم کو اپنے دوست سید صادق کی رائے سے ہرگز اتفاق نہیں۔ اِن کی رائے مدلّل ہی مگر غلطی اور مبالغے سے خالی
نہیں۔ اُنھوں نے اِس اصول کے قرار دینے میں بڑی مکروہ غلطی کی ہی کہ تعلّق زن و شوئی کا ہونا چاہیئے نتیجۂ محبۃ یعنی طرفین میں

پہلے رابطۂ محبۃ قائم ہولے اُس کے بعد یہ تعلق ہو۔ ہم بالکل اِس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا خیال یہ ہی کہ محبۃ پیدا ہوتی ہی۔ تعلقِ زناشوئی کے بعد بے شک دو اجنبی جن میں مطلق سابقۂ معرفت نہیں ایک دوسرے سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اُن میں خدائے تعالیٰ نے ایک دوسرے کی طرف رغبۃ کرنے کا مادّہ ودیعت رکھا ہی۔ چناں چہ موقع پاکر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رغبۃ کرتے ہیں۔ جس کو تخمِ محبّۃ کہنا چاہیئے۔ اور آخرِ کار اِن میں محبۃ پیدا ہو بھی جاتی ہی اور جتنی خانہ داریاں ہیں سب مظاہر ہیں اُسی محبۃ کے ہمارے دوست سید صادق نے محبّۃ کے پیچ کو بہت زور سے کس دیا ہی اور وہ اُس موانسۃ کو جو تعشّق سے کم ہو محبۃ نہیں کہنا چاہتے۔ یہ بھی اِن کی غلطی ہی۔ تعشّق کیا چیز ہی۔ بے قراری کی محبۃ۔ اور اس درجے کی محبۃ کو عقلاء اور حکماء اور اطباء اور صلحاء ان میں کسی نے بھی جائز نہیں رکھا۔ ایسی ہی محبۃ یعنی شیفتگی ہی جس کو پیغمبر صاحب صلوات اللہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہ اجمعین فرماتے ہیں۔ حبّ الدنیا راس کل خطیئۃ (دنیا کی محبۃ اعلیٰ درجے کا گناہ ہی) ایسی ہی محبۃ یعنی شیفتگی ہی جس کو اطبا نوع من الجنون (ایک طرح کی دیوانگی) لکھتے ہیں۔ انتظامِ دنیا کے لیئے ایسی گاڑھی محبۃ جو عشق اور شیفتگی کی حد کو پونہچ گئی ہو درکار بھی نہیں۔ اور کیوں اُس کو خانہ داریوں میں ڈھونڈا جائے۔ جتنی معمولی طور کی محبۃ سے خانہ داریاں چلتی ہیں۔ اور چل سکتی ہیں عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہیں۔ اِس سے کہ میاں بی بی کسی وقت کسی بات پر ردّ و کد کر لیتے ہیں نہیں کہہ سکتے کہ ان میں محبۃ نہیں۔ وہ صبح کو روٹھتے اور شام کو منتے دن کو روٹھتے اور رات کو پیار اخلاص کرتے ہیں۔ ہمارے دوست سید صادق عجب حکمت سے پردے کی بحث کو اڑا گئے ہیں۔ لیکن جو اُن کا اصلِ مطلب ہی وہ اِن کی تمام تقریروں سے پڑا ٹپک رہا ہی وہ حقیقۃ میں عورتوں کے پردے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ یہی پردہ ہی جو تعلقِ نکاح کے بدون مرد اور عورۃ میں اختلاط کا مانع ہی لیکن بے پردگی سے جو شرم ناک نتیجے یورپ اور امریکا میں پیدا ہوئے۔ ہمیشہ کے لیئے ایک غیور اور منصف مزاج آدمی کی آنکھیں نیچی رکھنے کے لیئے کافی ہیں۔ شاید سَو میں ننانوے ہوں گے جو بے پردگی کی رسمِ بد کو آج اُٹھا دیں اگر اُن کا بس چلے علاوہ بریں وہ محبۃ جس کو ہمارے دوست نے اِس تعلق کے لیئے ضروری سمجھا ہی اور وہ ضروری ہی بھی پردہ داری کی صورۃ میں زیادہ محفوظ رہ سکتی ہی کیوں کہ عورۃ نہ اجنبی مرد کو دیکھتی اور نہ اُس کی نیت ڈانوا ڈول ہو سکتی۔ پردہ اُس کو سکھاتا ہی کہ وہ صِرف شوہر کے لیئے ہی اور بس۔ پردے کی غرض و غایۃ کیا ہی۔ عورت کی پاک دامنی اور ناموس کی حفاظت لیکن جن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں وہ بھی اپنی عورتوں کی پاک دامنی اور ناموس کی ویسی ہی حفاظت کرنی چاہتے ہیں جیسی ہم۔ ہم میں اور اُن میں فرق ہی تو اتنا ہی کہ مثلاً ایک شخص نے خزانے کے صندوق پر تالا لگایا دوسرے نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم پوچھتے ہیں ہم اپنے دوست کے مُونہ سے سُننا چاہتے ہیں دونوں میں خزانے کی طرف سے زیادہ مطمئن کون۔ بے شک وہی جس نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے ہم اس کو مانتے ہیں کہ انگریزنیں ہماری عورتوں سے بہت زیادہ لائق ہیں۔ انتظامِ خانہ داری میں شوہروں کے خوش رکھنے میں اولاد کی تربیت و تعلیم میں بلکہ علمی لیاقت میں بھی۔ لیکن نہ بے پردگی کی وجہ سے بلکہ عام سوسائٹی کی شایستگی اور تہذیب اور ترقی کی وجہ سے۔ ہم میں بھی لائق مردوں کی ماں بہنیں جوروئیں زیادہ لائق ہوتی ہیں۔ دین و دنیا

کی دین دار۔ نیک کرداروں کی نیک کردار۔ بھلوں کی بھلی۔ بُروں کی بُری۔ شریفوں کی شریف پاجیوں کی پاجی۔ یوں تو جیسی دو آنکھیں مَردوں کی ویسی عورتوں کی۔ جیسے دو کان مَردوں کے ویسے عورتوں کے۔ جیسے قوائے دماغی مَردوں کے ویسے عورتوں کے۔ لیکن پھر بھی خدا نے مَرد اور عورت میں بڑا فرق رکھا ہے اور عورتیں کتنے ہی ہاتھ پیر پٹیں۔ کتنا ہی غُل غپاڑا مچائیں وہ فرق مٹ نہیں سکتا۔ عورت کی حالت کہے دیتی ہے کہ وہ گھر کا کام کاج دیکھنے بھالنے بچّوں کے پالنے کے سوائے اور کچھ کر نہیں سکتی۔ اور کرے گی تو کیا۔ کرنا چاہے اور کرنے کا قصد کرے تو ہم سمجھیں گے کہ مَردوں کا مُونہ چڑاتی ہے۔ اور ہم مردوں میں اس سے زیادہ اس کی قدر نہیں ہوگی جیسے عورتوں میں ہیجڑے کی۔ شور و شغب تو بہت کچھ سنتے ہیں مگر یورپ اور امریکا میں بھی عورتوں نے آزادی پاکر اس سے زیادہ اَور کونسا کمال حاصل کر لیا ہے کہ میڈم اَنگ گاتی خوب ہے۔ میڈم ڈھمک پیانو کے بجانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی میڈم فلاں تھیٹر میں سوانگ ایسا بھرتی ہے کہ نقل کو اصل کر دکھاتی ہے یا بڑی نضیلۃ پناہ لیاقۃ دستگاہ ہوئیں تو ناول یعنی قصہ کہانی کے ڈھکوسلے ہانکنے لگیں اور قصے کہانی بھی گندے ناپاک ع می تراود چہ کنم انچہ در آوند من ست۔ کبھی نے وزارت کی کوئی سپہ سالار ہوئی۔ مقنّن بنی۔ اور یوں سیکڑوں برس میں دو چار نام نمود کی ہو گئیں تو ایسی اذان دینے والی مرغیاں کبھی ہمارے دڑبوں میں سے نکل آتی ہیں۔ اب ہی ہمارے دوست سیّد صادق کی یہ تجویز کہ مسلمان بے دولت ہیں اور دولت کے کمانے کے ہنر اُن کو سیکھنے منظور نہیں۔ اس لئے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اُن کا شمار بڑھنے نہ پائے تشخیصِ مرض تو درست ہے مگر علاج غلط اگر ہاتھ میں ایک پھنسی نکلے اور اُس کا زہر پھیلتا چلا جائے اور خوف ہو کہ سارا ہاتھ از کار رفتہ ہو جائے گا تو گیا طبیب کا یہ کام ہے کہ پھنسی کا نام سُنتے کے ساتھ ہاتھ کے جڑ سے اُڑا دینے کا حکم دے یا کسی پھوہڑ عورت کے سر میں جوئیں پڑ جائیں تو اُس کو یہی صلاح دینی چاہیے کہ سر منڈوا ڈال نہ بال ہوں گے نہ جوئیں پڑیں گی۔ نہیں نہیں۔ علاج اس کا نام ہے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے زخم اچّھا ہو جاتے اور قطع ید لازم نہ آئے چٹیا بھی رہے۔ اور سر میں لیکھ ڈھونڈی نہ ملے۔ اب ہمارے دوست سیّد صادق کا صرف ایک اعتراض اَور رہ گیا ہے کہ انگریزی پڑھے ہوؤں کو اُن کی مرضی کی بی بیاں مل نہیں سکتیں۔ سچ ہے کہ نہیں مل سکتیں جس طرح عورتوں کو ایسے شوہر نہیں مل سکتے جو دایہ گری کا کام بھی جانتے ہوں۔ عورتوں سے وہ توقعات ہی کیوں پیدا کی جاتی ہیں جو اُن کے بس کی نہیں۔ اور آخر ایسی ہی عورتوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں آدمی گزارہ کرتے ہیں انگریزی خوان جو خوش نہیں رہ سکتے تو اس وجہ سے کہ اُنھوں نے انگریزی پڑھ کر اپنے تئیں چھوئی مُوئی بنا لیا ہے قصور تو اپنا اور اُلاہنا دو مسروں پر۔ سیّد صادق نے تاہّل میں تو بہتیرے کبڑے ڈالے لیکن اُنھوں نے اُن قباحتوں پر بھی نظر کی جو تجرّد کو لازم ہیں اگر یہ بیٹھے جیسا کہ اِن کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا چاہتے ہیں تو زیادہ نہیں آج سے نو دس برس کے اندر اندر دکھا دیں گے کہ کسی ناگفتہ بہ بیماری میں گل سڑ کر مر گئے ہوں گے یا پڑے گھُل رہے ہوں گے۔ یا قیدیوں کے ساتھ سڑک کاٹتے ہوں گے یا ایسی خراب حالت میں ہوں گے کہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر اور طالب العلم تو رہے اپنی جگہ۔ کالج کے بھنگی کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ یہ بھی کبھی ہمارے کالج میں تھے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر ہو تو وہ سزا ہو گی اُن کی اپنی کرتوت کی اُنھوں نے قانونِ قدرۃ کو توڑا اور پیغمبر اسلام کی سُنّت سے مُونہ موڑا۔ اے جناب یہ اعتراض سُن کر میں لگا بغلیں جھانکنے۔ اور مجھ

سے ایک بات کا بھی جواب دیتے نہ بن پڑا - اور میں نے اپنا کان اینٹھا اور تجرّد سے توبہ کی اور اب مجکو یہ سوچ پیدا ہوا کہ تاہّل کرتا تو ضرور ہی اور میں نے اپنی غلط فہمی سے اُس کی عمر کا ایک حصہ ضائع بھی کر دیا - اگر میں زیادہ دن تک بیٹھا رہوں تو لوگ ایسا خیال کریں گے کہ میں اُس غلطی پر جما ہوا ہوں - اور کمیٹی ہی کہ اپنے قاعدے کے موافق برابر ہوئے چلی جا رہی ہی جس کے جی میں آتا ہی کوئی رائے پیش کرتا ہی اور اُس پر بحث ہوتی ہی میں تو پہلے ہی دفعہ تجرّد کی حمایت کر کے نکّو سا ہو گیا - اب سُنتا سب کی ہوں مگر حوصلہ نہیں پڑتا کہ آپ بھی کچھ کہوں - لیکن کمیٹی کی کارروائی جواب تک ہو چکی ہی میں سمجھتا ہوں کافی اور کافی سے زیادہ ہی - اور مجکو کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہیں - مَیں کمیٹی کے ممبروں کے نام ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ کمیٹی کے قواعد کی رُو سے کسی کو ایسی اجازت ہی ورنہ جیسی جیسی گفتگو کمیٹی میں ہوئی ہی میں نام بنام بیان کرتا اور چوں کہ کمیٹی میں بعض آپ کے بھی متعارف ہیں آپ کو کسی قدر مزہ بھی ملتا - لیکن مجکو جہاں کہیں اس خط میں ضرورت ہو گی - میں حرفوں سے کام لوں گا - ایک دن - الف نامی ایک ممبر کے مُونہ سے نکل گیا کہ میں تو انگلش لیڈی لاؤں گا - اِس پر جو گفتگو ممبروں میں ہوئی اُس کی نقل کرتا ہوں -

(ب) ارے میاں کہیں خدا کے لیئے ایسا غضب نہ کر بیٹھنا -

(الف) آپ تو جانتے ہیں کہ میں اپنے والد کا اکیلا بیٹا ہوں اور وہ جیسے کفایہ شعار ہیں - معلوم - ان کے پاس اچھا اندوختہ تھا اور ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ اس کو کاہے میں مشغول کروں کوئی صلاح دیتا تجارت میں - تو وہ کہتے مجکو آپ تو اس کا سلیقہ نہیں اتنا سرمایہ نہیں کہ اُس سے بڑی تجارت ہو سکے - اے ہوئے پچاس ساٹھ ہزار تو اُس کی کیا بساط اور پچاس ساٹھ ہزار بھی میں نے مثال کے طور پر بیان کیئے ورنہ مَیں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی اور دیکھنا کہاں سے اِس لعنتہ بر ہیچ ڈپٹی کلکٹری میں تو موقع ہی نہیں وہ موذی کلکٹر چھاتی پر بیٹھا ہوا مونگ دلا کرتا ہی - آپ بڑے دن کی ڈالیاں لے - مفت کی سواریوں پر لدا لدا پھرے دورے میں دودھ انڈا مرغی کوئلا لکڑی گھاس کسی چیز کے دام - قلی بیگار کی مزدوری نہ آپ دے اور نہ اُس کے لشکر والے دیں تو کچھ نہیں - عین میز کے تلے عملے کی تقدیر کا ہُن برسا کرے تو خبر نہیں - چپراسی اور خانگی ملازم انعام کے لیئے کُتّوں کی طرح لوگوں کو لپٹیں تو پروا نہیں - مگر ڈپٹی صاحب نے خدا جانے اِس کا باپ مارا ہی یا کیا بگاڑا ہی - جب دیکھو اِن ہی کے حال کی تفتیش اِن ہی کی خبروں کی کُرید - بھلا ایسی تاک جھانک میں کس کی شامت آئی ہی کہ رشوت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ لے - یادش بخیر تحصیلداری کا خدا بھلا کرے کہ دس بارہ برس نبھ گئی تو ذرا پُرزے بھی دُرست ہو گئے اور ایک خدا نے یہ بھی بڑا ہی کرم کیا کہ چینگی پوٹے بہت نہ ہوئے ساری عمر میں ایک چینچلا کہ خدا کرے جیتا رہے ورنہ گھر والی کا سلیقہ بھی دھرا ہی رہتا تو ایسی تھوڑی پونجی میں میں کیا تجارت کر سکتا ہوں - تحصیلداری ڈپٹی کلکٹری کرنے کے بعد یہ تو مجھ سے ہونے کا نہیں کہ بساطی بنوں یا آٹے دال کی دوکان کھول بیٹھوں - چار و ناچار دوسرے کی آڑ میں شکار مارنا ہو گا تو وہ دوسرے ایسے کیا قرآن کا جامہ پہنے ہوں گے کہ جو کمائیں گے میرے ہاتھ پر لا کر دھر دیں گے آٹا لے کر نمک چھوڑ دیں تو غنیمت - غرض تجارت میں روپیہ لگانا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا دوسرا کہتا جناب آپ پرامیسری نوٹ خرید لیجیئے اِس سے مطمئن تر پیرایہ تو کوئی ہو نہیں سکتا یہ برکت خدا نے سُود ہی میں دی ہی کہ بیٹھے چڑھے سوتے چڑھے اور پھر نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری - چھ ماہی ہوئی اور اپنے ٹکے گنوا لیئے - نہ ہڑ ہڑ نہ کھڑ کھڑ - تو والد فرماتے ہیں کہ کہتے تو سچ ہو -

مگر فائدہ تو دیکھو اونٹ کے مُونہ میں زیرا کو وہ گنڈن وکاہ برآور دن اپنی چھاتی تلے سے رقم نکال کر دو۔ اور برس بھر بیٹھے سیوا کر وا تنی زحمت کے بعد ملا کیا سو پیچھے چار دیکھو تو کیا چالاک قوم ہے۔ یہ کسی کے چھپر پر پھوس نہیں رہنے دے گی۔ بادشاہ ہو کر رعایا سے لیں قرض اور اس کو ریلوں اور نہروں اور فائدے کی چیزوں میں لگائیں۔ اور بیس بیس پچیس پچیس روپے سیکڑا کمائیں اور روپے والوں کو دیں چار۔ کیا کہوں نمک کھایا ہے ان کو خدا کی سنوار۔ اور پھر اس میں سے ٹیکس کی گنوتی۔ اور کل کو عملداری اُٹھ گئی تو کاغذ کو لیے چاٹا کرو۔ اور عمل داری کا کس نے بیمہ لیا ہے۔ روس آہستہ آہستہ بڑھتا ہی چلا آتا ہے امیر کابل کی آڑتھی سو اُس کا یہ حال ہے کہ یہ کہتے ہیں سیدھی اور وہ سمجھتا ہے اُلٹی۔ دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ نا صاحب نوٹ کی صلاح تو ٹھیک نہیں۔ اس پر وہ صلاح کار بولا تو زمینداری۔

والد۔ ہاں ہاں میں یہی سوچتا ہوں۔ مگر کم بخت زمینداروں کی بھی شامت ہے۔ دیکھتے نہیں آئے دن تھانے اور تحصیل میں کھنچے کھنچے پھرتے ہیں۔ اور اب زمینداری میں رہ ہی کیا گیا ہے۔ گُودا گُودا تو سرکار نکال لیتی ہے۔ باقی بچی ہڈیاں ان کو زمیندار اور کاشتکار بڑے بچوڑا کریں۔ اوّل تو زمین میں وہ اگلے وقتوں کے سے پیداوار کہاں۔ اور جو من کی جگہ پنسیری رہ بھی گیا ہے تو کاشتکار ہی کا پورا نہیں پڑتا زمیندار کو کہاں سے دے اور جب سے سرکار نے کاشتکاروں کے حقوق تسلیم کر لیے ہیں گانوں میں چوکیدار کی وقعت ہے اور نہیں ہے تو زمیندار کی۔ یہ کسی کا کرہی کیا سکتا ہے کہ کوئی اس سے دبے اور اس کا حکم مانے۔ پس زمینداری اب اس کا نام ہے کہ کاشتکاروں سے جو کچھ وقت پر منّت سے خوشامد سے وصول ہوا اپنے پاس سے پورا کر کے سرکار میں بھرا اور حقِ زمینداری میں تحصیل والوں کی جھڑکیاں سُنیں دھکّے کھائے حوالات میں رہے اللہ اللہ خیر صلاح گانو میں واردات ہو گئی تو پہلا مجرم زمیندار۔ بہتیری تدبیریں کرتا ہے کہ بھلا کچھ بچے نہیں تو مہاجن کا سُود تو پُہنچتا رہے مگر برس کے برس دَورے کی ہِڈیوں کا ڈراوا ایک تدبیر کو پیش رفت نہیں ہونے دیتا۔

صلاح کار۔ پھر جناب آپ فائدے سے قطع نظر کیجیے اور جو کچھ آپ کے پاس ہے لیے بیٹھے رہیئے۔ مالِ عرب پیشِ عرب اول تو آپ کی پنشن ہی اتنی ہو گی کہ آپ اُس میں سے بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیا کریں گے۔ گرہ سے نہ کھانا پڑے تو یہ فائدہ کیا کم ہے۔ اور اگر آپ روپے سے روپیہ کمانا چاہیں گے تو اس میں تھوڑی یا بہت زحمت بھی ہو گی۔ کم یا زیادہ خطر بھی ہو گا۔

والد۔ روپے کے معطّل ڈال رکھنے کو تو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ دیکھو کوئی علاقہ ہی مول لوں گا۔ ہر چند زمینداری میں چندور چند قباحتیں ہیں پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو زمینداری کرنی نہیں آتی ورنہ بہتیری گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور جو ناجائز تکلیفیں زمینداروں کو پُہنچتی ہیں تو اُن ہی کی ناواقفیت کی وجہ سے اور اگر اُن کو پورے طور پر اپنے حقوق اختیارات اور ذمّہ داریاں معلوم ہوں تو اب بھی زمینداری بسا بہتر چیز ہے اور میں جو اس کو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو اس کی ایک وجہ خاص اَور بھی ہے کہ اب میری ہونے والی ہے پنشن یوں تو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے میں کسی طرح کام سے معذور نہیں۔ اب بھی چھ سات گھنٹے قلم ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا اور دس کوس پندرہ کوس بے تکان گھوڑے پر چڑھ سکتا ہوں۔ انگریزوں کی طرح پیدل تو دوڑا نہیں جاتا لیکن یوں ہوتے ہوتے دو تین کوس

چل لینا کچھ بات نہیں۔ غرض کوئی حاکم مہربان ہو تو پچپن سالہ کے قاعدے سے مستثنیٰ ہو سکتا ہوں مگر اب سرکار کا منشا نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کو انگریزی نہیں آتی بڑے عہدوں پر رہیں تو ایسے سر پڑ کر نوکری کرنی کیا ضرور ہے اور سر پڑا کیسا میں تو بہتیرا پاؤں پڑوں مگر اگلا ہاتھ بھی دھرے تو میں سوچتا ہوں پنشن ہوئے پیچھے کیا کروں گا ساری عمر کام کرتے گزری تو کوئی نہ کوئی مشغلہ ہونا ضرور ہے زمینداری سے بہتر کوئی شغلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خیر وہ تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری تو کہاں تاہم اس میں ایک طرح کی حکومت ہے۔ غرض بلند شہر کا وہ مشہور گاؤں خدادادپور جو آپ نے سنا ہو والد نے خرید لیا داخل خارج میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ آخر کار دیوانی کرنی پڑی اور ہائی کورٹ سے قبضہ ولا ملا اب والد کی پنشن اور گاؤں کی آمدنی ملا کر چھ سات سو روپے مہینے کی معقول یافت ہے۔ مگر چوں کہ والد کو ہمیشہ سے جوڑنے کا مرض ہے میں اُن کو کبھی خوش نہیں دیکھتا۔ اگرچہ وہ آپ انگریزی نہیں پڑھے اور اُن کے خیالات بھی کچھ ایسے شگفتہ نہیں ہیں مگر آخر ڈپٹی کلکٹری کرتے تھے۔ اتنی بات اُن کو زمانے نے سکھا دی تھی کہ مجکو انگریزی پڑھانا ضرور ہے جبلّی کفایت شعاری کی وجہ سے وہ مجکو انگریزی پڑھواتے رہے۔ مگر کس طرح کہ اُن کے ملاقاتیوں میں سے یا انگریزی دفتر کے کرانیوں میں سے مَیں کسی کے پاس چلا گیا۔ یا کسی کو ڈپٹی صاحب کا ایسا ہی پاس و لحاظ ہوا تو تھوڑی دیر کے لیئے اُس نے تکلیف کی۔ میں نے اس وضع سے پانچ چھ برس انگریزی پڑھی اور جس کے باپ کو انگریزی نہ آتی ہو اُس کو ایسے طور پر پڑھنے سے جتنی اور جیسی انگریزی آنی چاہیئے مجکو آتی بھی تھی اتنے میں تو سُن پڑا کہ کل سید احمد خاں آنے والے ہیں۔ ڈاک بنگلے میں ٹھیریں گے اور اگلے دن علی گڑھ کالج کے لیئے چندہ جمع کرنے کی غرض سے لکچر دیں گے۔ سید احمد خاں کا نام تو سُنا ہی تھا میرے دل میں بھی گدگدی ہوئی کہ اُن کو دیکھوں اور لکچر سنوں۔ بارے والد صاحب اُن سے ملنے گئے تو مجھ کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ والد سے اور اُن سے پہلے کی بھی ملاقات تھی۔ مجھے ساتھ دیکھ کر پہچان گئے ہوں گے کہ ان کا بیٹا ہے۔ غرض میں نے دُور سے بہت ہی جُھک کر سلام کیا اور اُن کے فرمانے سے ایک کرسی پر مودب بیٹھ گیا۔ والد کی طرح لباس میرا بھی ہندوستانی تھا۔ مگر سادہ۔ اس واسطے کہ بڑھیا پوشاک نہ وہ آپ پہنتے تھے اور نہ مجکو زرق برق کے کپڑے پہننے دیتے تھے والد صاحب اور سید صاحب دونوں باتیں کر رہے ہیں اور میں سر جُھکائے سید صاحب کو کبھی کبھی نیچی نظروں سے دیکھتا جاتا ہوں۔ آخر والد صاحب نے کہا دیکھیے آپ کے منشا کے مطابق مَیں بندہ زادے کو انگریزی پڑھوا رہا ہوں۔

سید صاحب۔ ایسا انگریزی پڑھوانا کیا فائدہ دے سکتا ہے جب تک تم اس کو جنٹلمین نہ بناؤ اور وہ تمھاری سوسائٹی میں رہ کر ہو نہیں سکتا۔ نری انگریزی پڑھ کر یہ بہت کرے گا تو ایک کرانی بننے کے لائق ہو جائے گا اور ایک اسسٹنٹ اس کو ویسا ہی ذلیل سمجھے گا جیسا ہم لوگ کُتّے کو سمجھتے ہیں۔

والد۔ تو مَیں کیا اس کو کسی سکول میں داخل کر دوں۔

سید صاحب۔ ان سکولوں اور کالجوں سے تو یہی بہتر ہے کہ تم اس کو گھر پر پڑھواؤ۔ جیسا پڑھواتے ہو۔

والد۔ پھر آپ جیسا ارشاد فرمائیں۔

سید صاحب ابھی تک آپ میرے ارشاد فرمانے ہی کے منتظر ہیں۔ میں ولایت تک کی خاک چھان آیا کئی برس مجھ کو بھیک مانگتے

ہو گئے - اپنے اوپر کفر کے فتوے لکھوائے گالیاں سُنیں - بُرا کہلوایا - ابھی تک آپ کو معلوم ہی نہیں کہ میں کیا ارشاد فرماتا ہوں لے جناب میں آپ کی خدمت میں بمنّت التماس کرتا ہوں کہ آپ اِس کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میں اِس کو لے جا کر علی گڑھ کالج میں داخل کر دوں - ابھی تک آپ نے اِس کو پڑھوایا ہی اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کیا ہی میرے اور آپ کے سامنے بھیگی بلّی بنا ہوا بیٹھا ہی - گویا یہ آدمی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہی کہ میں بھی آدمی ہوں - میں اِس کو لے جاؤں گا اور آدمی بناؤں گا اِس کو سکھاؤں گا کہ تُو کیا ہی اور تجکو کیا ہونا چاہیئے - یہ پہلے اپنی عزّت آپ کرے گا اور پھر دوسروں سے طلبگار ہو گا کہ اس کی عزّت کریں اسسٹنٹ جنٹ کلکٹر کیا چیز ہیں - اِس سے لاٹ صاحب کے آگے بھی ہاتھ نہیں جوڑے جائیں گے ہاتھ جوڑنے کے عوض یہ اُن سے شیک ہینڈ کرنا چاہے گا اور اُن کو شیک ہینڈ کرنا پڑے گا اور وہ اِس کے ساتھ شیک ہینڈ کرنے سے اتنے خوش ہوں گے جتنے تمہارے ہاتھ جوڑنے سے نہیں ہوتے یہ انگریزوں سے نہیں ملے گا اس طرح پر جس طرح تم لوگ ملتے ہو کہ احاطے کے باہر سواری سے اُترے اور دبے پاؤں اندر گئے جس کی بڑی رسائی ہوئی شاگرد پیشوں میں بیٹھا - ورنہ ذلّت اور بے عزّتی کے ساتھ دُور دُور پڑا پھرا - بڑی لمبی چوڑی عزت رکھتا ہی تو گھنٹوں کے انتظار کے بعد بُلایا گیا - کھڑے کھڑے سلام کیا - رخصت - صاحب کچہری جانے لگے - ما و شما فراشی آداب بجالائے - دل میں فرض کر لیا کہ دیکھا اور پہچانا خوشی خوشی واپس آئے اور گھر جا کر شیخی بگھاری - یہ انگریزوں سے ملے گا جس طرح ایک جنٹلمین ایک جنٹلمین سے ملتا ہی - ملاقات کے اوقات معلوم ہیں - عین برآمدے میں سواری لے گئے - کارڈ بھیج دیا صاحب آپ باہر آ کر لے گئے - یا اُن کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا - تیار ہو کر آئے - ہاتھ ملایا بٹھایا جی کھول کر باتیں کیں عزت سے گئے تھے - آبرو کے ساتھ رخصت کیا - اور ہمارے کالج کے لڑکے اسی طرح اب انگریزوں سے ملتے ہیں - جج اور کلکٹر اِن کے ساتھ کرکٹ کھیلتے اور دوستانہ اِن کے ساتھ مدارات کرتے ہیں - یہ باتیں ہو ہوا کر اُس وقت ہم دونوں باپ بیٹے رخصت ہو آئے - اگلے دن سیّد صاحب نے مسلمانوں پر لکچر دیا - میں کہہ نہیں سکتا کہ لکچر تھا یا سحر تھا - سیّد صاحب آپ بھی روئے اور سُننے والوں کو بھی ایسا ایسا رُلایا کہ لوگوں کی ہچکی بندھ بندھ گئی - بندے کو ایک بار میر انیس کے سُننے کا بھی اتفاق ہوا ہی - عجب باکمال آدمی تھا - رزم پڑھ رہا ہی اور لوگ ہیں کہ اُچھل اُچھل پڑتے ہیں اور ہر طرف سے واہ واہ اور تحسین کی صدا بلند ہی کہ دفعتہً پکارا صاحبو اپنے اپنے رومال سنبھالو کہ میں کچھ رقت آمیز بند پڑھنے کو ہوں - اِس کے بعد تو مجلس کی یہ کیفیت ہوتی تھی جیسے مرغ بسمل - میر انیس اہل بیت نبوی علیہ السلام کے مرثیہ خواں تھے اور سیّد احمد خاں مسلمانوں کی قوم کے مرثیہ خواں ہیں - وہ اپنے فن میں طاق تھے - یہ اپنی شان میں یکتائے روزگار ہیں - اگرچہ میرے سامنے ہی سیّد احمد خاں صاحب نے والد سے مجھے علی گڑھ بھیجدینے کے لیئے کہا تھا - مگر میں جانتا تھا کہ والد صاحب اتنا خرچ گوارا نہیں کر سکیں گے - دوبارہ والد اکیلے سیّد احمد خاں سے ملنے گئے - خدا جانے کیا سمجھا کہ گھر آتے کے ساتھ میری کتابیں اور کپڑے بیگ میں رکھ مجھ کو سیّد صاحب کے ساتھ کر دیا - پہلے ہی مہینے میں دو سو ساڑھے بارہ روپے کا بل گیا - والد تو بہت گھبرائے کہ یہ کیا آفت آئی - اور سیّد صاحب کو لکھا کہ میں ایسی تعلیم سے باز آیا میرے لڑکے کو اُلٹا بھیج دیجیے - مگر اِس لکھا پڑھی میں اتنا عرصہ گزرا کہ میرا جی لگ گیا تھا - میں نے والد صاحب

کو صاف لکھ دیا کہ میں پڑھوں گا اور علی گڑھ کالج ہی میں پڑھوں گا۔ نوبت بانیجا رسید کہ آخر کار والد صاحب خود تشریف لائے
اور میرے ٹھاٹھ دیکھ کر بہت ہی ناراض ہوئے۔ اور مارے غصے کے یہ بھی تو نہ پوچھا کہ میں نے اتنے دنوں میں کیا ترقی کی
ہی کہ آج میں کالج کرکٹ ٹیم کا کپتان ہوں۔ جمناسٹک میں ہمیشہ اول رہتا ہوں۔ تین بار رننگ ریس جیت چکا ہوں۔ پڑھنے
میں میرا سائنس کمزور ہی مگر تلفظ ایسا اچھا ہو کہ کئی انگریزوں نے میرے مونہ پر تعریف کی ہی۔ تاہم میں امید کرتا ہوں
کہ اسسال انٹرنس ضرور پاس کر لوں گا۔ میں خانگی جھگڑوں کے بیان کرنے سے آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا
خلاصہ یہ کہ والد نے بات کا ایسا تبنگڑ بنایا کہ ناخوش ہو کر شہر میں جا رہے اور سارے کنبے کو جمع کر لیا اور مجھ پر ہر طرح کا
دباؤ ڈالنا چاہا۔ مگر اصل مرغے کی ایک ٹانگ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنی ہٹ پر جما رہا۔ اور میں نے سب
کو یقین دلا دیا کہ اگر میرے ارادے میں ناکامیابی ہوگی تو میں اپنے تئیں ہلاک کروں گا اور چونکہ میں ایک بیٹا ہوں اور
سوائے اس کے کہ جنٹلمین کی شان سے رہنا چاہتا ہوں۔ کسی طرح کا الزام میرے ذمہ عائد نہیں ہو سکتا تھا اور لوگ
والد کی کفایت شعاری اور جزرسی سے بے وجہ ناراض بھی تھے۔ سب نے والد ہی کو قائل معقول کیا کہ تمھاری یہ عمر آئی کہ تم
گویا قبر میں پانو لٹکائے بیٹھے ہو اور تمھارے اندھیرے گھر کا یہی ایک چراغ ہی تم نے اب تک جو کچھ کیا اسی کے لئے کیا اور
اب بھی جو کچھ کرتے ہو اسی کے لئے کرتے ہو۔ کیوں اس کو ضد دلاؤ۔ جوان لڑکا ہی ایسا نہ ہو اپنی جان پر کھیل جائے
اور اگر خراب کرنے پر آئے گا تو آج نہیں کل تمھارے بعد اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ اس وقت کون اس کا ہاتھ
پکڑ سکتا ہی۔ ہماری صلاح مانو تو خداداد پور اس کے سر مار دیہ جانے اور اس کا کام جانے۔ جو چاہے سو کرے۔ تم جب تک
جیتے ہو پنشن ہی تمھاری پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ اور آخر یہ بھی بڑے نام و نمود کے کالج میں پڑھتا ہی اور سنتے ہیں کہ
یہاں لڑکوں کے چال چلن کی بہت نگرانی کی جاتی ہی۔ انگریزوں سے ملنا جلنا ہی اور یہ لوگ جیسے منتظم ہوتے ہیں ظاہر
کچھ تو ان کی خو بو اس میں بھی آئی ہوگی۔ دودھ پیتا بچہ نہیں اتنا تو سمجھتا ہوگا کہ اگر جایداد کو ضائع کر دوں گا تو یہ اللے
تللے کی زندگی کیسے نبھے گی۔ کچھ پس و پیش نہ کرو بسم اللہ کرکے خداداد پور پر اس کا نام چڑھوا دو کہ اسی کے سر پر بوجھ
رہے۔ یہ خداداد پور جس پر اب میں اکیلا قابض و متصرف ہوں مجھے زندگی شروع کرنے کے لئے بہت ہی۔ اور میں نے
مصمم ارادہ کر لیا ہو کہ انٹرنس پاس کیا اور میں ولایت روانہ ہوا۔ خداداد پور پر مجھکو پندرہ بیس ہزار روپیہ مل جانا کچھ بات نہیں
تین برس میں ولایت رہوں گا۔ بیرسٹری کے لئے قانون پڑھوں گا۔ انگریزی میری اب بھی اچھی ہی۔ ولایت میں اور بھی
اچھی ہو جائے گی۔ بیرسٹری کے امتحان میں کسی کو فعل ہوتے سنا نہیں کچھ لکچر ہوتے ہیں کہ وہ سننے پڑتے ہیں۔ بے شک میں
اونچے درجے کی سوسائٹی میں ملوں جلوں گا۔ اور کسی نہ کسی مس کے ساتھ اپنی پٹیس جماؤں گا۔ میں نے تحقیق سنا ہی کہ وہاں
شادی کر لینا کچھ بات نہیں عورتوں کو مرد کم ملتے ہیں اور خوش حال آدمی پر میمیں اس طرح گرتی ہیں جیسے شہد پر مکھیاں
جب میں بیرسٹری کا ڈپلومہ اور میم لے کر ہندوستان واپس آؤں گا تو میں سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی
ہوں گا دنیا میں۔

ب۔ نہیں نہیں۔ تم سب سے زیادہ بدنصیب آدمی ہوگے دنیا میں۔

الف - کیا اِس وجہ سے کہ مَیں ولایتی بی بی کا خرچ نہیں چلا سکوں گا - ذری مجکو بیرسٹری کا ڈپلومہ تو لے آنے دیجئے تو دکھادونگا
کہ انگریزی گفتگو کے ذریعے سے کتنا کما سکتا ہوں -

ب - میں نے خرچ کے لحاظ سے نہیں کہا - آپ تو ماشاءاللہ بیرسٹری کے بدون بھی اتنا مقدور رکھتے ہیں - بلکہ میں نے
اختلافِ صورت اختلافِ مزاج - اختلافِ طبیعت - اختلافِ رسم و عادت - اختلافِ مذاق - اختلافِ وضع -
اختلافِ مذہب - اختلافِ حالت کے اعتبار سے کہا کہ اتنے اختلافات کے ہوتے یہ پیوند محض بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اور
میں یقین نہیں کرتا کہ یہ گنگا جمنی رشتہ تم دونوں میں سے کسی کو بھی سازگار ہو -

الف - اگر ہم طبیعت اور رسم و عادت اور کیا اور کیا کے ایسے مغلوب ہیں تو ہمارا اِس کالج میں رہنا لاحاصل ہے میں اپنے
تئیں دیکھتا ہوں کہ بالکل بدل گیا ہوں اور نیٹو سوسائٹی سے مجکو سخت نفرت ہے - اور مجکو اِن کی کوئی ادا نہیں بھاتی
اور برسویں دن تعطیل میں مجبوری گھر جاتا ہوں تو گھر مجھ کو پھاڑے کھاتا ہے - اور یہی سبب ہے کہ میں ولایتی بی بی
لانی چاہتا ہوں -

ب - یہ تمہارا خدعِ نفس ہے اور میں تمہاری رائے کی تردید میں اتنے واقعات چشم دید پیش کر سکتا ہوں کہ اُن کو سننے
کے بعد ضرور تم کو اپنی رائے بدلنی ہو گی - میں نہیں کہتا کہ انسان اپنے اختیار سے اپنی کوئی چیز نہیں بدل سکتا - اگر ایسا ہو
تو صحبت اور تلقین و تعلیم اور افہام تفہیم سب کو لغو و لاطائل ماننا پڑے گا مگر ہاں یہ ضرور میری رائے ہے کہ بعض باتیں انسان
میں ایسی بھی ہیں اور وہ شاید اُس کی خاص فطرت میں داخل ہیں کہ وہ ان کو مشق و مہارت سے کم تو کر بھی سکے مگر مطلقاً معدوم
نہیں کر سکتا - ازاں جملہ ایک مذاق ہے کہ اس کی جڑ طبیعت سے نہیں نکلتی نہیں نہیں نکلتی - بندے کے والد اصل میں دیہات
کے ہیں - اور کوئی دس گیارہ برس کی عمر سے شہر میں آئے اور تب سے برابر شہر ہی میں ہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو اُن کی
طبیعت چنے کے ساگ بتھوے کی بھوجی - جوار کی روٹی ایسی چیزوں کو للچایا کرتی ہے اور باوجودیکہ گھر میں لوگ اُن کو چھیڑتے
بھی ہیں - مگر وہ مذاق سے مجبور ہیں اور جب کبھی اِن کو اپنی مرضی کی کوئی چیز مل جاتی ہے اگرچہ کم ملتی ہے اور مشکل سے ملتی
ہے مگر جب کبھی مل جاتی ہے تو ایسے چاؤ سے کھاتے ہیں کہ کبھی پلاؤ زردے کو بھی اِس رغبت سے کھاتے نہیں دیکھا اِس سے
زیادہ عجیب ایک بات سنو کہ مسٹر فلان کو یہ انگریزی طرز اختیار کیے ہوئے میں جانتا ہوں تیس برس سے بھی زیادہ ہوئے
ہونگے - تیس برس کی عادت کو طبیعتِ ثانیہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں اور چونکہ خدا نے اُن کو بہت بڑا مقدور دے
رکھا ہے جس قدر تکلف سے رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں - اور یہ سارے نخرے دولت ہی کے ہیں تو ان سے کوئی انگریزی
شان چھوٹنے نہیں پائی اور انگریز بھی ریل اور پولیس کے سٹریل یوروشین نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے ولایت زا - یہ صاحب
ایک دفعہ بڑے بیمار - ہلکا سا بخار تھا مگر امیری کے چوچلے اِن کے لئے وہ بھی بڑا ہی خطرناک تھا - دن میں گھنٹے گھنٹے
بعد ٹمپریچر لیا جاتا تھا انگریز تو بلا کے موجد ہیں - تھرمامیٹر کے قسم کی ایک نلی نکالی ہے اِس سے حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے
جو چاہے دیکھ لے - اِس نلی کے آگے نبض اور قارورے اور زبان کی رنگت کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی - اُس نلی کو پہلے
مریض کی بغل میں رکھتے تھے - اب مُونہ میں رکھنے لگے ہیں - آیندہ دیکھیے کہاں رکھنا تجویز کریں غرض دن میں گھنٹے گھنٹے

بعد ٹمپریچر لیا جاتا اور ایک کتاب میں لکھا جاتا تھا۔ڈاکٹر ٹمپریچر لے کر باہر آتا اور مریض صاحب کے اعزہ اور احباب اور خوشامدی اور اہل اغراض اُس کو آچمٹے اُن لوگوں کو مریض کی حرارت کی اُتار چڑھاؤ کی ایسی لگی رہتی تھی کہ آج کسی نیچ کے اُتار چڑھاؤ کی بھی کسی کو نہیں لگی رہتی۔بعض کے تو ایسے مغز چلے ہوئے تھے کہ وہ مریض کا بلٹن نکالنے کی فکر میں تھے جیسا آئے دن بڈھے گلیڈسٹن کا نکلتا رہتا ہی۔یہ سب کچھ ہو رہا ہی اور بخار ہی کہ جنبش نہیں کھاتا۔ڈاکٹر نے اوپر تلے کونین کی ایسی بھرمار کی کہ اُس کی یبوست سے مریض کو بہکنا لگ گیا۔اِس بہکنے میں بیمار کو مہیر کی رٹ لگی ہوئی تھی۔بیمار داروں میں کوئی سمجھتا نہ تھا کہ مہیر کیا چیز ہی اور جو اُن کے عزیز سمجھتے تھے وہ مارے شیخی کے بتا نہیں سکتے تھے کہ رسوائی ہوگی۔مہیر غالباً جوار یا اِسی قسم کے کسی اناج کے دلیئے کا نام ہی جو دیہات میں چھاچھ کے ساتھ پیا جاتا ہی۔بیمار نے کبھی بچپن میں اپنے گھر مہیر پیا ہوگا اور اُن کی روح مہیر میں ایسی پڑی تھی کہ بہکنے میں مہیر ہی مہیر رٹتے تھے۔تو جب ایسے شخص کا مذاق نہ بدلا تو کیونکر باور کر لیا جائے کہ تمہارا یا کسی کا مذاق بدل سکتا ہی۔اور یہ تو میں نے مثال کے طور پر بیان کیا۔کتنی ایسی باتیں ہیں کہ طبیعت میں جمیں تو جمیں پھر ساری عمر نہیں نکلتیں۔کیا تم پسند کروگے کہ تمہاری بی بی فل ڈریس پہنے۔کیا تم پسند کروگے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر ہال میں ناچے۔بشرطے کہ تمہارے تعلق کی وجہ سے کوئی انگریز اِس کے ہال میں بلانے یا آنے کا روادار نہ ہو۔کیا تم پسند کروگے کہ وہ اجنبی لوگوں کے ساتھ آمد و شد یا خط کتابت رکھے اور تم اِس سے اتنا بھی نہ پوچھ سکو کہ کہاں جاتی ہو یا اتنی دیر کہاں رہیں یا کس کا خط ہی اور کیا لکھا ہی شاید تم اپنی بات کی پچ پر آکر کہہ دوگے کہ ہاں پسند کروں گا۔اور بے شک تم اِس وقت ایسا ہی خیال کرتے ہوگے۔مگر بھائی جان منہ سے کہہ دینا آسان ہی اور عمل میں لانا مشکل جب تمہاری بی بی کے ساتھ تمہارے دیکھتے کوئی لگاوٹ کی باتیں کرے اور تم کو برا نہ لگے تو جانیں۔جب تک تمہاری رگوں میں ہندوستان کا بلکہ مجکو کہنا چاہیئے مسلمان کا خون ہی ممکن نہیں کہ تم ایسا اختلاط ایسا گاڑھا ربط ضبط ایسی بے تکلفی دیکھو اور بدگمان نہ ہو الرجال قوامون علی النسا[1] کی آواز اُس وقت سے ہمارے کان میں پھونکی گئی ہی جب ہم صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ عورت ماں کو کہتے ہیں اور مرد باپ کو یا عورت بہن کو کہتے ہیں اور مرد بھائی کو اور اگرچہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں بہت پہلو تہی کرنے لگے ہیں مگر الرجال قوامون علی النساء کے قاعدے پر بڑی سختی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔اور ہمارا قومی مزاج اِسی قسم کا واقع ہوا ہی کہ ہم عورتوں پر حکمرانی کرنے کو اپنا حق لازمی سمجھتے ہیں اور ہم نے ہر ایک گھر میں اِس قاعدے کو ایسے عام طور پر برتے جاتے دیکھا ہی کہ جہاں کہیں اِس کے توڑنے کا نام لیا جاتا ہی وہیں فساد ہوتا ہی۔جب تم کو شخصی مزاج کے بدلنے پر پوری قدرت نہیں تو قومی مزاج بدرجۂ اولے تمہارے بس کا نہیں۔اور یورپ میں بالکل اِس کا اُلٹا ہی النساء قوامات علی الرجال تو تمہارا انگلش لیڈی سے شادی کرنا اور سازگاری کی امید رکھنا اِس سے زیادہ امکان وقوعی نہیں رکھتا جیسے کوئی شخص جون اور دسمبر کو ملا کر ایک معتدل موسم بنانا چاہے۔میاں بی بی ایک اختلاف سے دونوں آدمی ہوا اور کوئی صفت مشترک نہیں۔علاوہ اِس کے جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنا تو کچھ

[1] عورتوں کے کار فرما مرد ۱۲

ٹھیک بات نہیں ۔ ولایت کی بات تو رہی ولایت کے ساتھ اِس ملک میں ہم ہندوستانیوں کو ولایت کی سی آزادی تو نہ نصیب ہوئی ہے ۔ اور نہ کبھی نصیب ہوگی ۔ ہم میں اور انگریزوں میں فاتح و مفتوح کا تفرقہ ہے ۔ جو نہ مٹا ہے اور نہ مٹ سکتا ہے ۔ بنگالی پڑتے بڑبڑائیں اور سید احمد خانی بلا سے اپنے مُونہ میاں مٹھو بنیں ۔ یہاں کے انگریزوں کو کب خوش آتا ہے کہ ہم اُن کو چھیڑیں اور چڑائیں کوٹ پتلون ہیٹ تک کا تو خیر چنداں مضایقہ نہ تھا ۔ بعض کریم النفس انگریز ایسا بُرا بھی نہیں مانتے ۔ مگر داماد بنتا تو ہمارے یہاں بھی کُھلی کُھلی بے نقط گالی ہے ۔ تو تم انگلش لیڈی لاکر اپنی عزۃ تو کیا بڑھاوگے اُس بیچاری کو بھی اُس کے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی نظر میں ذلیل کر دوگے اور اِس گستاخی کا خمیازہ بھگتوگے سوا الگ ۔ انگلش سوسائٹی تم کو اپنے میں لے گی نہیں اور ہندوستانی سوسائٹی سے خود تم کو گریز ہوگا ۔ تو تم دو میاں بی بی شہر کے باہر اکیلے بنگلے میں پڑے کیا بھلے لگوگے ۔ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده ۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں تم کو میم صاحب کے ساتھ ایسا شغف ہو کہ کسی کا کسی وقت خلل اندازِ صحبت ہونا تم کو پسند نہ ہو لیکن پھر سوسائٹی کی تم کو حاجت ہو اور ہو تو انگلش لیڈی کے تمہارے قیدِ نکاح میں آنے سے تم دونوں کو ساری عمر قید تنہائی میں رہنا ہوگا ۔ اِس کو سمجھ لو ۔

الف ۔ خیر تو میں یوریشین لیڈی کروں گا ۔

ب ۔ ع ۔ بریں عقل و دانش بباید گریست ۔ اے وہ ... نہیں چھی چھی ۔ بات تو وہی کی وہی رہی ۔ اور اگر تمہاری قسمت میں یہی مصیبت لکھی ہے تو انگلش لیڈی بدرجہا بہتر ۔ دو غلے نہ اُدھر نہ اِدھر یہ بلا کدھر ۔ عیب دیکھو تو چُن چُن کر دونوں قوموں کے موجود اور ہنر کے نام نہ اُن کے نہ اِن کے ۔ اور ایسی ہی نسل تم بھی چلانی چاہتے ہو کہ خچر کی طرح پوچھیں باپ کو تو بتا دے ماں کو ۔ اِس پر ایسا قہقہہ اڑا کہ بیچارے الف ہمزہ کے سے بل کھا کر رہ گئے ۔ اِس کے بعد کمیٹی کے کئی جلسوں میں اِس پر بحث رہی کہ اگر آدمی کو اپنے پسند کی بی بی کرنے کا موقع ملے تو اُس کو کون کون سی صفت کا گرویدہ ہونا چاہیئے اکثر کی یہ رائے تھی کہ حسن صورت کا اس واسطے کہ یہی حسنِ صورت ہے جو ابتدا مرد اور عورت میں کٹنی کا کام دیتا ہے ۔ لیکن ہماری کمیٹی کے معزز ممبر ص لبسر جن کی رائے پر ان معاملات میں اکثروں کا صاد ہوتا ہے کہتے تھے کہ نہیں ۔ میں اُن کی عبارت ہی بلفظہا کیوں نہ نقل کروں جس سے اُن کا مطلب بخوبی سمجھا جائے اُنھوں نے کہا کہ حسنِ صورت کی مخالفت سے میری یہ غرض نہیں کہ دلوں کو حسن صورت کی طرف سے پھیر دوں اُس کی پسندیدگی کو میں قریب قریب تقاضائے طبیعت سمجھتا ہوں ۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ جس طرح انسان اَور بہت سے بے اصل خیالات کیا کرتا ہے اُن میں سے ایک حسنِ صورت بھی ہے ہر ایک ملک کے آدمیوں نے ایک خاص طرح کے رنگ ایک خاص طرح کے تناسبِ اعضاء کو اچھا سمجھ رکھا ہے اور کوئی پوچھے کہ کیوں تو کچھ بتا نہیں سکتے ۔ لیکن یہ خیال اب راسخ اور ایسا عام ہے کہ دنیا کے فسادات میں سے ایک تہائی ضرور اِس کی وجہ سے ہیں ۔ چنانچہ لوگ زر ۔ زمین ۔ زن ۔ تین چیزوں کو برابر کے درجے میں فساد کی جڑ کہتے بھی ہیں ۔ کوئی ایسا ہی زبردست حکیم یا صوفی ہو تو اِس خیال کو مٹائے یاد بائے خدا جانے مزاج کی نفاست ہے یا جنوں ہے جس کو دیکھو حسن صورت

پر مفتوں ہی۔ حسنِ صورت بے اصل ہو یا نہ ہو مگر اُس کے بے ثبات ہونے میں تو کچھ شک نہیں تو میرا کہنا یہ ہی کہ اگر صرف حسنِ صورۃ مدارِ تعلق زناشوئی ہو تو دونوں میں کے دن بنھے گی۔ ایک طرف خدا کا فرمان ہی کہ آدمی پیدا ہوا اور ماں کے دودھ سے پرورش پائے پھر جب دودھ کفایت نہ کر سکے تو اُس کو غذا کی چاٹ لگے۔ اور غذا کے چبانے اور نرم کرنے کے لئے اُس کے دانت نکلیں اور تاکہ ایک حد تک وہ جلد جلد بڑھے۔ اور اُس کی جسمانی اور دماغی قوتیں ترقی پکڑیں اُس کے اعضا میں پھُرتی ہو اور حواس میں تیزی۔ پھر وہ چندے ایک حالت پر ٹھہرے اور پھر از خود گھٹتا اور مضمحل اور کمزور ہوتا جائے قطعہ

ایک وقت تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے
پھر یہ ہوا گزرنے لگی کھیل کود کے

اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

اور جیسے ابتدا میں مٹی سے بنا تھا آخر کار مٹی میں جا ملے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى[1] غرض ایک طرف تو خدا چاہتا ہی کہ یہ خاک کا پتلا دنیا کی بھول بھلیاں میں گشت کر کرکے اپنی جگہ پر لوٹ آئے دوسری طرف آدمی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی ہی مسجد بنانے کی فکر میں ہی۔ وہ بھول بھلیاں میں آکر سب کچھ بھول بسر گیا اور سمجھتا ہی کہ بھول بھلیاں میرا گھر ہے تو میں اس سے نکلوں کیوں اور باہر جاؤں کس لئے یہ قدم قدم پر ٹھٹکتا اور مچلتا ہی۔ لیکن خدا کی طرف سے ایک مُسطر اِس کے پیچھے لگا ہی وہ اس کو ٹھہرنے نہیں دیتا۔ یہ رکا اور اِس نے آگے کو دھکا دیا۔ یہ اڑا اور اُس نے ہانکا۔ اِس کی بیہودہ ہٹ تو دیکھو کہ جوانی تو جوانی پیری تک چاہتا ہی کہ میں بچہ ہی بنا رہوں۔ ورنہ سٹھیا جانے اور سترے بہترے ہونے کے معنی کیا اِس نے جوانی کا رنگ و روغن باقی رہنے کے لئے پوڈر اور خضاب نکالے ہیں۔

باقی ہی شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی
کالا کرے گا مونہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی

کاٹھی کا کساؤ قائم رکھنے کو چست لباس اور لوہے کے تاروں کے شکنجے ایجاد کئے ہیں۔ دانتوں کے لئے منجنون اور غرارو کے علاوہ یہ بندش کی ہی کہ ان کو باندھ کر رکھتا ہی۔ لیکن یہ سب دھوکے کی ٹٹیاں ہیں سہ

گرفتم سال را کردی با موچہ سازی
گرفتم موئے را کردی سیہ بار وچہ سازی

آدمی اپنے جیسے احمقوں کو بہکا سکتا ہی مگر خدا کے آگے اس کی ایک نہیں چلتی۔ اگر مرا نہیں تو جو بچہ ہی وہ جوان ہوگا ضرور۔ جوان بوڑھا ہوگا بے شک۔ بوڑھا ایک نہ ایک دن مرے گا لا کلام۔ انسان کو خدا نے عقل دی ہی اور صاحب فہم و شعور بنایا ہی اُس کو زیبا ہی کہ ناداں بچّوں کی طرح چند روزہ زرق برق اور عارضی چمک دمک پر فریفتہ ہو۔ اور جو شخص ایسی چیزوں سے متلذذ نہ ہوتا ہی اُس کی حالت اُس شخص سے زیادہ اطمینان کے لائق نہیں کہ ایک دریا ہی عمیق جس کی تھاہ نہیں اور اُس میں ایک جگہ ایسا بھنور پڑتا ہی کہ اُس کا گرا ہوا کبھی اُچھلا ہی نہیں اور اُس میں بے شمار مردم خوار ناکے اور گھڑیال مونہ کھولے پھرتے ہیں۔ اِس بھنور کے عین کنارے پر وہ شخص کھڑا ہی اور کنارے کی مٹی ایسی بھربھری ہی کہ ہمہ وقت دریا اُس کو کاٹتا رہتا ہی گیا بھروسا ہی کہ یہ شخص کسی وقت غڑاپ سانی بھنور میں جا رہے گا اور کیا معلوم بھنور میں گرے پیچھے اس کو کوئی جانور نگل لے گا یا پانی کا گھماؤ اُس کو نہیں اُچھلنے دے گا۔ یہی حال حسن پرستی کا ہی خدا کسی بھلے مانس کو اِس کی چاٹ ہی نہ لگائے۔ جن لوگوں کو اس کی لت بری دیکھی ہی اول تو اُن کی نیت کچھ ایسی

[1] ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو لوٹا کر لا میں گے اور اسی سے پھر ایک بار تم کو نکال کھڑا کریں گے۔ ۱۲

ڈانواڈول ہو جاتی ہو کہ نہ موقع دیکھیں نہ محل اچھی صورت سامنے آئی اور اِن کی رال ٹپکی دوسرے وہ جو کہا ہو
حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِی وَ یُصِمُّ بس ایسی محبت پر صادق آتا ہو۔ لوگوں نے اِس کے پیچھے مال تلف
کیے۔ آبروئیں کھوئیں اور بہتیروں نے جانیں بھی گنوائیں۔ اور اِس میں مبتلا بھی اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو بازاری طور کے ہیں وضع
آبرو باختہ۔ لوگوں کی نظروں میں سبک۔ کچھ تو دین نے روک تھام کی اور بہت کر کے لوگ ان خرابیوں کو بھی دیکھ کر ڈرے جو حُسن
پرستوں کو آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور پیش آتی ہیں۔ اِس سے یہ ٹھرک بہتوں کو نہیں اُبھرنے پاتی ورنہ ہمارے
یہاں کی شاعری نے تو بچے بچے کو فرہاد و مجنوں بنا ڈالا ہوتا اور پھر دیکھتے اُس کی جان کا دشمن ہیں۔ اور میرے خون کے پیاسے
تم۔ لیکن کان پڑی ہوئی آواز خالی تھوڑی ہی جاتی ہو۔ جن کے مونہ پر مہر ہو اُن کے دلوں میں بھی دفتر لکھے پڑے ہیں۔ جو آنکھ
بھر کر نظر کرنے کو جائز نہیں رکھتے۔ ساری رات اِسی کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہ تقریر سُن کر سارے ممبروں میں ایک سناٹا سا گزر گیا۔
اور کسی سے اتنا نہ ہو سکا کہ حسن صورت کی تائید میں ایک لفظ تو مونہ سے نکالتا۔ اِس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو ایک صاحب
نے چھوٹتے ہی یہ سوال پیش کیا کہ اگر کسی کو اتفاق سے دولتمند بی بی ملتی ہو تو کمیٹی اُس کو کیا رائے دیتی ہو۔

م۔ دنیا میں اِس سے بدتر کوئی ذریعہ معاش ہو نہیں سکتا۔ اور جن لوگوں کو ایسی دولت مل گئی ہو ہمیشہ حقارت کی نظر
سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور اِس کی مثالیں کثرت سے تو نہیں مگر ہاں موجود ہیں۔

س لیکن لوگوں کو کیا حق ہو کہ ایسے شخص کو ذلیل سمجھیں۔ اُس نے کسی کا مال نہیں مارا۔ چوری نہیں کی امانت میں خیانت نہیں کی
کسی ناجائز طریقے سے روپیہ نہیں کمایا۔ دنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں۔ جن کو خدا بے زحمت دے دیتا ہو۔ لوگوں کو بخت
و اتفاق سے کبھی کے دبے گڑے خزانے ہل مل گئے ہیں۔ یا کسی اَور طور پر غیر متوقع فائدے پہنچے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ خدا
دینے پر آتا ہو تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہو۔ نری خیالی بات تو نہیں ہو۔ ایسا ہوا ہو اور ہو رہا ہو اور ہوتا رہے گا۔ سینکڑوں
ہزاروں آدمی ایک ہی ذریعہ سے معاش پیدا کرتے ہیں سب کے سب کی ایک حالت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص بی بی کے
ذریعے سے مالدار بننا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک اِس میں کوئی قباحت نہیں۔ شاید دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا
نہیں نکلے گا جس نے دوسرے کی دولت سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ اور نہیں تو اِس نے بزرگوں ہی سے کچھ نہ کچھ میراث
میں پایا ہوگا تو وہ دوسرا شخص بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ لوگ نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا
ہوں کہ رشک و حسد اِس کا باعث ہوتا ہوگا۔ جس سے شاید کوئی نفسِ بشر خالی نہیں۔ لوگ کسی کی دودھ اور پُتری نہیں
دیکھ سکتے + ۔

م۔ تو کیا آپ اسی کو جائز رکھتے ہیں کہ شوہر بی بی کا کنونڈا ہو کر رہے۔

س یہ سوال خارج از بحث ہو۔ اول تو ضرور نہیں کہ ہر ایک مالدار بی بی اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے نکتوڑے کرے اور فرض
کیا کہ کرے تو شوہر کو یوں بھی بی بی کی ناز برداری کرنی پڑتی ہو نہ کہ مالدار بی بی ہی کرنی کیا ضرور ہو۔ اور ایسی مثالیں بھی میری

---

ف۔ کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہو"

سماعت میں آئی ہیں کہ مالدار بیبیوں نے دفع بدگمانی کے لئے معمول اور توقع سے زیادہ شوہروں کی اطاعت کی ہی۔

م۔ کچھ بھی ہو اپنی حمیت تو تقاضا نہیں کرتی کہ جورو کے دست نگر ہو کر رہیں۔

س۔ آپ شاید کسی بات میں بھی بی بی کا شوہر سے بہتر ہونا پسند نہیں کرتے۔

م۔ بے شک۔

س۔ صورت شکل پر بھی عورت کو ویسا ہی ناز کرنے کا موقع ہی جیسا دولت پر۔

ج۔ ہاں لیکن وہ ناز اَور قسم کا ہی اور یہ ناز اَور قسم کا۔

اس ردّو کدّ میں کوئی بات طے ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ص صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ بات یہ ہی کہ ہمارے پاس اِس خاص بارے میں خدا کا فرمودہ موجود ہی جس سے بخوبی اِس نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہی وہ جو میں نے کمیٹی کے کسی جلسے میں قرآن کی ایک آیۃ پڑھی تھی الرجال قوامون علی النساء وہ حقیقت میں پوری آیۃ نہیں بلکہ آیۃ کا ایک جزو ہی اور مجکو اس وقت اُسی جزو سے کام لینا تھا۔ اُس جز کے ساتھ اتنا اَور بھی ہی اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاۤءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ[1] اِس آیۃ میں خدا نے عورتوں پر مردوں کے قوّام یعنی حکمراں ہونے کے دو سبب بیان کئے ہیں۔ ایک مردوں کی فضیلت مطلق عورتوں پر لیکن وجہِ فضیلت بیان نہیں فرمائیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مرد مطلقاً عورت پر فضیلت اور برتری رکھتا ہی۔ اور یہ فضیلت خلقی ہی اِس قسم کی جیسے انسان کی فضیلت جانوروں پر۔ کہ گھوڑا اگرچہ وہ نجدِ عرب کا ہو اور اگرچہ وہ سکاب کی نسل مستند کا ہو۔ تاہم اُس پر فضیلت ہی انسان کو اگرچہ وہ حبشی یا وحشی یا گونڈ یا بھیل ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا سبب عورتوں پر مردوں کے حکمراں ہونے کا فرمایا ہی۔ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[2] کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ یعنی مہر دیتے اُن کے نان و نفقے کا بار اُٹھاتے تو جو شخص عورت کا دست نگر ہو کر رہنا چاہے وہ پھر بھی قوّام ہو گا اِس لئے کہ اُس کی خلقت میں فضیلت باقی ہی اُس سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتی۔ مگر ادھوری کیونکہ اُس کو وہ دوسری خرچ کرنے کی فضیلت حاصل نہیں اور جو شخص مالدار بی بی ڈھونڈھتا ہی آخر کوئی نہ کوئی اُس کی غرض و غایت تو ضرور ہو گی اور وہ سوائے اِس کے کیا ہو سکتی ہی کہ وہ بی بی کے مال سے متمتع ہونا چاہتا ہی۔ اور یہ دلیل ہی اُس کے قصورِ ہمت کی۔ اور افسوس ہی کہ ہمارے کالج کا کوئی طالب العلم ہماری کمیٹی کا کوئی ممبر ایسے پست خیال کو ایک منٹ کے لئے بھی اپنے دل میں آنے دے۔ آخر واللہ آدمی ہی پیدا کرتے ہیں۔ اور جو دوسرے آدمیوں نے کیا ہی یا دوسرے آدمی کرتے ہیں کیا وجہ کہ ہم نہ کر سکیں اور اگر ہم ہمت ہار دیں گے تو بُرے نمونے ہوں گے اپنے ابنائے جنس کے لئے۔ اور موجب بدنامی ہوں گے اپنے کالج کے حق میں۔ جس رسوائی سے خدا ہم سب کو بچائے۔ اِس پر آمین کے غل سے سارا کمرہ گونج اُٹھا اور جلسہ برخاست ہوا۔ ہماری کمیٹی میں شہری دیہاتی کسی کی خصوصیت تو ہی نہیں۔ مگر اتفاق سے جتنے ممبر ہیں سب شہری دلی آگرہ لکھنؤ بنارس کے رہنے والے۔ الا ایک صاحب شیخ وہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔ یہ صاحب حاضر

[1] مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں (اس کے دو) سبب (ہیں ایک) یہ کہ (آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر (دل کی مضبوطی اور جسمانی توانائی میں) برتری دی ہی ۱۲ م

[2] اور (دوسرا) سبب یہ کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہی ۱۲ م

ہونے والے تو ایسے جیدؔ ہیں کہ شروع سے لیکر اب تک کمیٹی کا کوئی جلسہ نہیں ہوا جس میں یہ نہ رہے ہوں۔ سنتے تو بڑی توجہ سے رہتے ہیں مگر آپ کچھ دخل نہیں دیتے۔ آخر ایک دن خدا جانے کس نے کہا کہ آپ بھی تو کچھ فرمایا کیجیے تو لگے کہنے کہ مجکو تمھاری کمیٹی کے مباحثوں میں مزہ تو بہت ملتا ہے مگر مجکو اس کمیٹی سے کوئی ذاتی تعلق نہیں اس لئے کہ میں ٹھہرا دیہات کا رہنے والا۔ ہمارے یہاں بڑی قیدیں ہیں اور وہاں انتخاب کا قاعدہ چل نہیں سکتا۔ عورت تو عورت ہمارے یہاں کوارا مرد بھی گو وہ کیسا ہی جوان ہوا اپنی بیاہ برات کے معاملے میں بھلی یا بری کوئی بات مونہ سے نہیں نکال سکتا۔ وہ لوگ اس کو پرلے درجے کی بے حیائی سمجھتے ہیں دوسرے ہم ہیں جھتے اور برادری کے لوگ کوئی کتنا ہی امیر ہو یا کیسا ہی پڑھ لکھ جائے اگر اُس کو دیہات میں رہنا ہی تو چار و ناچار برادری کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ یہاں تک کفو کا لحاظ کیا جاتا ہی کہ مثلاً میں شیخ ہوں اول تو ہونے ہی کیوں لگا لیکن اگر بالفرض سیّد بھی مجھے بیٹی دینے پر راضی ہو تو میں نہیں لے سکتا۔ شیخ صاحب تو اتنا کہہ کر چپ ہو گئے اور اِس پر بہت سے ممبر گفتگو کرنے پر آمادہ معلوم ہوئے تو جلسے کے پریزیڈنٹ نے کہا شیخ صاحب نے بات تو مختصر کی مگر اُس میں دو امر بڑے بحث طلب اغراضِ کمیٹی سے متعلق ہیں ایک شرافت دوسرے شرم میں امید نہیں کرتا کہ آج کے جلسے میں دونوں امر طے ہو سکیں گے تو جن صاحب کو کچھ کہنا ہو شرافت کی نسبت اپنا اپنا خیال ظاہر کریں اور شرم کو اگلے جلسے پر ملتوی رکھا جائے۔

الف۔ میرے نزدیک شرافت یعنی شرافتِ نسب کوئی چیز نہیں۔ ہمارے پاس عقلی شہادت موجود ہی کہ کُل آدمی ایک آدم کی اولاد ہیں۔ اِن کی جسمانی بناوٹ اِن کی خواہشیں اِن کی ضرورتیں سب یکساں ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں یہی وہ خیال ہی جو میرے نزدیک سب سے زیادہ ہم مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہوا۔ جو لوگ شریف گنے جاتے ہیں وہ شرافت کی شیخی میں اگر کسی طرح کا کمال حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جو لوگ رذیل سمجھے جاتے ہیں اُن کو لیاقت کے پیدا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

د۔ نہیں نہیں۔ شریف و رذیل کیسے برابر ہو جائیں گے۔ کہنے کو تو آدمی وہ بھی آدمی یہ بھی مگر آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ اول تو صورت سے شریف و رذیل الگ پہچان پڑتے ہیں۔ شریفوں کو دیکھو گے اکثر رنگ کے گورے۔ چہرے مہرے کے درست صورت شکل کے پاکیزہ متناسب الاعضا نازک۔ کہ دیکھے سے جی خوش ہوتا ہی۔ اور رذیل ہیں کہ اُن کی صورتیں ہی کچھ دوسری طرح کی ہوتی ہیں۔ پکّی پکّی ہنگم کرخت بد رنگ۔ اور چونکہ یہ فرق پیدائشی ہی معلوم ہوتا ہی کہ خدا کی مرضی سے ہی۔ جیسے گھوڑا اور گدھا کہ خدا نے دونوں کو یکساں نہیں بنانا چاہا۔ اور نہ وہ یکساں ہیں اور نہ کوئی اِن کو یکساں سمجھ سکتا ہی

الف۔ یہ قیاس مع الفارق ہی۔ اگر رذیلوں کی۔ یعنی اُن لوگوں کی جن کو تم رذیل کہتے ہو۔ صورتیں اچھی نہیں تو اس کی وجہ ہی کہ اُن کو معاش پیدا کرنے کے لئے محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ وہ گرمی کے دنوں میں میر مہین اور مرزا پھویا بنکر تہ خانوں میں رہ نہیں سکتے۔ نہ دھوپ اور مینھہ اور سردی سے بچنے کے لئے اُن کے پاس سامان ہی کہ اُن کا رنگ میلا نہ ہو اور نہ وہ بیکار رہ سکتے ہیں کہ اُن کے اعضا نرم اور پلپلے ہوں اُن کی یہ حالت داغ خود غرضی ہی انسان کے ناصیۂ حال پر جو کسی طرح دھل نہیں سکتا۔ کیا حق رکھتا ہی ایک شخص اتنا کھا جانے کا کہ اُس کے ہضم کرنے کے لئے اُنکو چورن کی ضرورت

ہو۔ جب کہ ایسی جیسے ہزاروں بندگانِ خدا مارے بھوک کے انتڑیوں کو مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک
شخص قیمتی دوشالہ اوڑھنے کا۔ جب کہ دوسرے آدمی کو کمبل بھی نصیب نہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص خدا کی دی
ہوئی دولت کو شیخی اور نام نمود میں لُٹانے کا جب کہ بہتیرے ایک مُٹھی چینوں کے لیئے کوڑی دوکان مانگتے پھرتے
ہیں اور نہیں ملتی دنیا میں جس قدر مصیبت ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم میں سے جتنے آرام پر جس کا قابو چلا دبا بیٹھا
چُٹکی کی جگہ مُٹھی مُٹھی کی جگہ لپ۔ لپ کی جگہ جھولی۔ جھولی کی جگہ گٹھری۔ ڈھیری۔ ڈھیر۔ پہاڑ۔ مجکو تو ہنسی اس بات
پر آتی ہے کہ کرتوت تو یہ ہے اور اس پر بعض کو دعوے ہیں ہمدردی کے۔ دینداری کے۔ رحم کے۔ جود وسخا کے۔ بذل وایثار کے
غرض ہیں حضرت انسان بھی عجائب المخلوقات کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ کرنا چاہیئے کیا اور کر رہے ہیں کیا۔

(د) لیکن شریف ورذیل کی عادت اور طبیعت کا فرق بھی تو دیکھیے۔ انتظام دنیا اسی طرح پر واقع ہوا ہے کہ سب لوگ ایک
حالت کے نہ ہوں تو ایک محتاج ہو دوسرا محتاج الیہ۔ ایک آمر ہو دوسرا مامور۔ ایک خادم ہو دوسرا مخدوم۔ اور اگر سب
کی ایک ہی حالت ہوتی تو دنیا کا انتظام دگرگوں ہوتا۔ آپ اگر سب کو ایک حالت کا بنانا چاہتے ہیں تو اس کے یہ معنی
ہیں کہ آپ انتظام آلہی میں دخل دیتے ہیں۔ آج تو آدمی ہے کل کو آپ جانوروں کی وکالت کریں گے کہ یہ بھی جان رکھتے
ہیں۔ ان کو بھی آرام وتکلیف کا احساس ہے آدمی کیوں ان پر سوار ہو کس لیئے ان پر بوجھ لادے۔ ان سے محنت
مشقت کے کام لے اور سب سے بڑھ کر کیوں کس واسطے اپنے مزے کے لیئے ان کو جان سے مارے۔ پھر آپ
اَور ترقّی کریں گے تو درختوں کا ترس کھائیں گے کہ ان کی بھی ایک طرح کی زندگی ہے۔ لکڑی نہ کاٹو۔ پتّہ نہ توڑو۔ ایندھن
نہ جلاؤ۔ خلاصہ یہ کہ دوسروں کی خاطر مر رہو۔ اور جیو تو سراوگی ہو کر جیو۔

(ص) میرے دونوں دوست الف اور د مجکو معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ دونوں صاحب اصل مطلب ہے
الگ ہو کر افراط وتفریط کے کناروں پر آ گئے ہیں۔ ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ شرافتِ نسب کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ ہیں
کہتا ہوں ہے اور دنیا کی تمام قومیں اس کو تسلیم کرتی ہیں بے شک زمانے میں ایسے باکمال لوگ ہوتے آئے ہیں ج ایک
صفت یا چند صفتوں میں اپنے ابنائے جنس پر تفوّق رکھتے تھے اور جس کو خدا ممتاز کرتا ہے اُس کی نسبت سے اُ س کی
سب چیزوں میں وقعت آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ رہنے کے مکان میں۔ پہننے کے کپڑوں میں باندھنے کے ہتیاروں
میں۔ سواری کے جانوروں میں۔ لارڈ ٹینس مشہور انگریزی ملک الشعراء حال میں مرا ہے۔ اُس کی بیٹھنے کی کر ی کے۔
لکھنے کی میز کے قلم کے دوات کے لوگ لاکھوں روپے دینے کو موجود ہیں۔ اُس کے وارث چوں کہ خود مت ور والے
ہیں نہیں دیتے اور اس طرح کی مثالیں ڈھونڈھنی چاہو تو ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں کثرت سے ملیں گی نامی نامور
لوگوں کی کیسی قدر کی جاتی ہے۔ تو جب ممتاز لوگوں کی نسبت سے اُن کی سب چیزوں میں وقعت آ جاتی ہو کیوں اُن
کی نسلوں کی وقعت نہ ہو جو اُن کی زندہ یادگار ہیں۔ اور اُن کے ساتھ نسبت بھی قوی اور قریب کی رکھتے ہیں۔ یہ
ہے ماخذ شرافتِ نسب کی قدر کا۔ اب دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آدمی اشرف المخلوقات تو ہے مگر اس کی
مجموعی حالت کے اعتبار سے۔ ورنہ اس کی بہت سی باتیں حیوانوں سے ملتی ہیں کہ اُن ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا سوتا چلتا

پھرتا ہی۔ اُس میں کئی خواص نباتات کے ہیں کہ اُس کو ہالید گی ہی پھولنے پھلنے کے عوض اُس کی نسل چلتی ہی۔ درختوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک درخت کے مزاجِ شخصی کے مطابق اُس میں پھل لگتا ہی۔ ہو نہیں سکتا کہ نیم کے درخت میں نیبو پھلیں یا نیبو کے درخت میں نبولیاں۔ جس درخت کے پھل میں ایک خاص ذائقہ ہی اُس سے جتنی نسل چلے گی وہ ذائقہ کم و بیش سب پھلوں میں ہوگا غرض یہ بات نباتات حیوانات اور انسان سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہی کہ نسلیں اپنے بزرگوں کے ساتھ مشابہت اور مماثلت کو باقی رکھتی چلی آتی ہیں اِس کی تصدیق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ سے ہوتی ہی اور اسی طرح کی ایک کہاوت ہندی میں بھی ہی۔ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ یہ مشابہت نہ صرف جسمانی بناوٹ میں ہوتی ہی۔ بلکہ اخلاق و مزاج میں بھی۔ میرے متعارفین میں ایک صاحب ہیں اُن کی گُدّی میں ایک مسّا ہی وہ اُس کو مُہرِ شرافت کہا کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہی کہ ایسا ہی مسّا اسی جگہ میرے باپ اور دادا کی گردن میں تھا میرے بیٹا ہوا اُس کی گردن میں بھی ایک مضمحل سا نشان مسّے کا تھا لیکن گُدّی میں نہیں بڑے ہو کر وہ مسّا کھسکتے کھسکتے اُسی خاندانی جگہ آ رہا۔ ایک نوجوان آدمی کا حال مجکو معلوم ہی کہ وہ شروع سے نہ باپ پاس رہا نہ اُن سے پڑھا لیکن باپ بیٹوں کا سوادِ خط اِس قدر اَشْبَہ ہی کہ تمیز نہیں ہو سکتی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جن کو لوگ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا متبنّیٰ سمجھ کر زید بن محمدؐ پکارتے تھے گورے چٹّے آدمی تھے۔ اور اُسامہ رضی اللہ عنہ اُن کے فرزند تیرہ فام۔ اِس سے لوگ اُن کو چھیڑتے تھے اور باپ بیٹے دونوں کو بُرا لگتا تھا۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اُس خصوصیت کی وجہ سے جو زید کے ساتھ تھی ایذا ہوتی تھی۔ ایک دن کا مذکور ہی کہ زید اور اُسامہ دونوں باپ بیٹے ایک چادر اوڑھے مسجدِ نبوی میں پڑے سوتے تھے اور دونوں کے پانو چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے اُدھر سے کوئی قیافہ شناس ہو کر گزرا۔ اور بے اِس کے کہ پہچانے دونوں کے پاؤں دیکھ کر کہنے لگا واللہ یہ پانوں ایک دوسرے کی نسل ہیں۔ یہ سُن کر آں حضرت کو بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اور اِس حکایت کو آپ نے کئی آدمیوں کے روبرو نقل کیا۔ ہم خیال نہیں کرتے ورنہ اِس مشابہت کی مثالیں اِس کثرت سے موجود ہیں کہ ہر فردِ بشر۔ ہر جانور ہر پھل پھُول پتا اِس کی گواہی دے رہا ہی پس شرافتِ نسب کی قدر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم حقیقت میں اُن صفتوں کی قدر کرتے ہیں جو بانیِ سلسلہٴ نسب میں تھیں اور اُن صفتوں کے قابلِ قدر ہونے میں کسی کو گنجائشِ گفتگو نہیں۔ تو قدرِ نسب میں کیوں ہو۔ لیکن ہاں یہ بات بھی خیال کرنے کی ہی کہ تعلیم سے تربیت سے دوسروں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے سے بھی آدمی کے مزاج پر اخلاق پر عادت پر بڑا اثر پڑتا ہی۔ اور اچھوں کی اولاد بُری اور بُروں کی اچھی ہو جاتی ہی۔ اور یہی حال نباتات کی پود اور حیوانات کی نسل کا ہی پھر بھی اصالت اپنا رنگ دکھائے بدون نہیں رہتی۔ اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں میرا ذاتی خیال تو یہ ہی کہ میں مردوں کی طرف سے ایسا مطمئن نہیں ہوں جیسا عورتوں کی طرف سے کیوں کہ جو چیزیں خارج سے مزاج پر اثر کرتی ہیں۔ عورتیں اُن سے زیادہ محفوظ ہیں اُن کے پاس وہی موروثی اثاثہ ہی جو اُنھوں نے اپنے بڑوں سے پایا اور بس۔ اِس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو اُس میں شرم پر گفتگو ہونی چاہتی تھی۔ مگر معلوم ہوا کہ سوا ے ع کے اور کوئی گفتگو کے لیے تیار نہیں نوع نے کہنا شروع کیا کہ انسان میں بہت سی صفتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ

اشرف المخلوقات کہلایا۔ ان میں سب سے عمدہ سب سے زیادہ بکار آمد شرم ہی اگر ہم شرم کا مطلب دوسرے لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو شرم ایک طرح کا ڈر ہی کہ میں نے جو یہ بے جا بات کی ہی ایسا نہ ہو کہ کسی پر ظاہر ہو جائے تو وہ میری نسبت کیا خیال کرے گا کہ یہ کیسا نالائق ہی تو اس ڈر کے لیئے چاہیئے پہلے برے بھلے کی تمیز اور تمیز کے ساتھ اتنا اور کہ یہ بات بری ہی تو مجکو کرنی زیبا نہیں ۔ اور یہی وجہ ہی کہ حیا کو جزوِ ایمان ٹھیرا کر فرمایا ہی اَلحَیَاءُ مِنَ الاِیمَانِ کہنے کو شرم ایک چیز ہی مگر وہ اکٹھے تین کام دیتی ہی۔ وقوعِ جرم سے پہلے تو اس کو قدرتی پر بونٹو پولیس کا کانسٹبل یا کوئی اور عہدہ دار سمجھو جس کا کام ہی کہ جہاں تک ممکن ہی جرموں کا انسداد کرے دنیا میں کتنے گناہ ہیں جو شرم کی وجہ سے ہونے نہیں پاتے ۔ دل میں ارادہ ہوتا ہی لیکن شرم دامن گیر ہو کر باز رکھتی ہی۔ اور بنا رہ بشر ہی شرم مانع آتی ہی رہی اور اس سے قصور سرزد ہو گیا تو نہ ہو ڈیکٹو پولیس کی طرح اُس کو ماخوذ کرتی اور جج بن کر اس کو سزا دیتی اور یہ افسوس کرتا کہ ہائے میں نے کیوں ایسا جھک مارا اور آیندہ کے لیئے اس سے مچلکہ مانگتی کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو مطلق شرم کی نسبت میں نے چند باتیں بیان کیں اب مجکو اُس شرم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے جو شادی بیاہ کے معاملات میں کی جاتی ہی۔ عورت تو کوئی رذیل سے رذیل بھی اپنے بیاہ کی صلاح میں شریک نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں اتنا تو نہیں مگر مردوں کا حال بھی قریب قریب عورتوں ہی کا سا ہی پہلے مجکو تعجب ہوتا تھا کہ وہ ضرورت جو ہر فردِ بشر کے پیچھے لگی ہی اور خدا کی حکمتِ کاملہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ اسی ضرورت کو دنیا کے بڑھنے اور باقی رہنے کا ذریعہ قرار دے تو اتنی ساری شرم اس میں کہاں سے آگھسی۔ بہت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ضرورت طرح طرح کے فسادات اور انواع واقسام کے جھگڑوں کا پھاٹک ہی اگر اس کو سختی کے ساتھ بند نہ رکھا جائے تو دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا پہلا خون جو آدم کی نسل میں ہوا وہ اسی نالائق ضرورت کی وجہ سے ہوا کہ ہابیل نے عورت کے کارن اپنے بھائی قابیل کو مار ڈالا۔ اُس دن سے جو یہ پھاٹک۔ تیغہ ہوا ہی تو آج تک تیغہ چلا جاتا ہی اور اسی طرح روزِ قیامت تک تیغہ رہے گا ضرورت کے لیئے نکاح کی ایک کھڑکی کھلی رکھی گئی ہی سو اس پر بھی جیسی کچھ روک ٹوک ہی آپ سب صاحبوں کو معلوم ہی۔ یہ روک ٹوک کی گئی تھی کسی مصلحت سے مگر لوگ اس کی سختی کے متحمل نہ ہو سکے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا کہ لگے دیواریں پھاندنے ۔ نقب لگانے ۔ سرنگیں دوڑانے ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پھاٹک کے چوپٹ کھول دینے سے اتنی خرابیاں نہ ہوتیں جتنی ان ناجائز اور شرم ناک رستوں سے ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی جب پہلے دن ہمارے دوست سید صادق نے بھری کمیٹی میں اپنا ارادہ تجرّد کا ظاہر کیا تو مجکو سخت تعجب ہوا تھا میں سید صادق کو ایسا ضابطہ اور مستقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ مشکل سے مشکل بات کو بھی جی میں ٹھان لیں تو چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے یہ اُس کو پورا ہی کر اُتاریں لیکن جب اُنھوں نے تجرّد کا نام لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ الٰہی برسویں دن ایک مہینے کے رمضان کے روزے تو پہاڑ کی طرح کٹتے ہیں یہ ساری عمر کا روزہ ان سے کیوں کر نبھے گا۔ بارے لوگوں نے اُن کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور چوں کہ ہمارے سید صاحب منصف مزاج اور معقول پسند ہیں میں یقین کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اس خیال کو چھوڑ دیا ہی۔ یہ خدا کی ستاریاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو مُونہ دکھانے کے قابل ہیں ورنہ ؎

ٹھیرے ہی نہ پروانہ نہ روے ہی زباں شمع  وہ سوختنی ہی تو یہ گردن زدنی ہی ::

اخلاق کی کتابوں میں شرم کے تین درجے لکھے ہیں۔ ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ابنائے جنس سے شرم کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ خدا سے شرم کرے اور سمجھے کہ وہ دانائے نہان و آشکارا ہمارے دلوں کے ارادوں تک سے واقف ہے اور ہم اندھیری رات میں ستر پردوں کے اندر کوئی کام کریں تو۔ اور روز روشن میں ڈھول بجاکر کوٹھے پر چڑھ کر کریں تو۔ اُس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرم کا ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کہ آدمی اپنے نفس سے شرم کرے اور بُرے کام کرنے سے اُس کو یہ خیال مانع ہو کہ یہ کام میری شان کے لائق نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بڑے ہی شرمالو تھے یہاں تک کہ اکیلے مکان میں بھی برہنہ غسل نہیں کرتے تھے بے شک یہ ہے اعلیٰ درجے کی شرم جس کو خدا نصیب کرے میں نے بہت غور کیا کہ ہم لوگوں کی شرم ان تین قسموں میں سے کس قسم کی ہے تو میری سمجھ میں یوں آیا کہ اس کو ایک قسمِ جداگانہ قرار دینا چاہیئے کہ گانگلوں کے تو نام سے چڑیں اور گڑ پائیں تو بھیلیاں کی بھیلیاں چٹ کر جائیں غرض اس جھوٹی اور منافقانہ اور دکھاوے کی شرم کو شرم کہتے ہوئے مجکو تو بہت ہی شرم آتی ہے۔ ایک بات اور ہے کہ یوں تو وہ شرم سے خارج ہے مگر ہے اُسی کا ضمیمہ۔ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا دستور ہم مسلمانوں میں نو کم ہے مگر جیسی عمروں میں ہمارے یہاں اکثر شادی بیاہ ہوتے ہیں لوگ اس کو بھی جلدی ہی سمجھتے ہیں۔ اور اُن کا خیال یہ ہے کہ اس سے ہماری نسلیں کمزور ہوتی اور عمریں گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض انگریزوں نے نکالا ہے اور دوسرے ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں لیکن اگر واقع میں ہماری نسلیں کمزور اور عمریں گھٹتی جاتی ہوں تو اس کا سبب یہ نہیں ہے جو قرار دیا جاتا ہے بلکہ اس کا سبب ہے ہمارا طرزِ تمدّن کہ ہم لوگوں میں اصولِ صفائی کی مطلق رعایت نہیں گنجان آبادی۔ بند مکان۔ میلا پانی۔ گندی ہوا۔ آپ احدی چلنے کے نہیں پھرنے کے نہیں۔ بل بوتا آئے تو کہاں سے آئے۔ اور دیہات میں یہ خرابیاں کم ہیں تو ویسے ہی وہاں کے لوگ موٹے تازے زبردست مضبوط چونچال جفاکش بھی ہوتے ہیں۔ ہم جیسے نہیں کہ چھینکنے سے ناف ٹلتی اور کھانسنے سے گولا اُترتا۔ ملک کی آب و ہوا کہ یہاں مرد اور عورت جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سوسائٹی کی حالت دیکھ کر میں مسلمانوں کو شادی بیاہ میں زیادہ دیر لگانے کی ہرگز رائے نہیں دوں گا کہ کوارے میری جان کو کوسیں۔ اگر ہمارے ہاں کچھ جلدی ہوتی ہے اور اس سے کچھ قباحت لازم آتی ہے تو وہ اُس قباحت بلکہ اُن قباحتوں کے آگے ہرگز قابلِ لحاظ نہیں جن کا دیر کی صورت میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ بلا سے آگے کو نسل چلے اور مرجیونی ہو اور ہم بھلے مانس رہیں بہتر ہے اس سے کہ چلے ہی نہیں۔ یا چلے اور بعد خرابی بصرہ چلے۔

ہماری کمیٹی کی کتاب رُوداد بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں نے ضروری مطالب اُس میں سے اخذ کر لیے ہیں آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص اس کمیٹی کا ممبر ہو اور صرف ممبر ہی نہیں بلکہ سکرٹری بھی۔ شادی بیاہ کے بارے میں اُس کے کیسے خیالات ہونے چاہئیں۔ چناں چہ اس کمیٹی کی تعلیم کا اثر ہے کہ میں نے جھوٹی شرم کو بالائے طاق رکھ کر یہ عریضہ لکھا ہے۔ مجکو اس کے بھیجنے میں شرم تو مانع ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ مگر ہاں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ایسا نہ ہو آپ بُرا مانیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کو یا کسی کو رنج دینا گو وہ رنج بے اصل اور بلاوجہ معقول ہی کیوں نہ ہو میں جائز نہیں رکھتا۔ لیکن آخر میں نے سوچا کہ جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ نکاح کروں گا تو گویا میں اپنی تجویز سے نہ کروں۔ اس کا نتیجہ بھلا یا بُرا تو میں بھگتوں گا۔ میں ننّا بچہ نہیں

کہ اپنے نیک و بد میں تمیز نہ کرسکوں گا - ایسا بڑا ضروری کام جس پر میری آیندہ کی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی خوشی اور ناخوشی موقوف ہوگی دوسروں کے سر ڈال کر میں تماشا دیکھا کروں تو مجھ سا احمق کون - اُن حالات سے جو میں نے سُنے تھے میں نے آپ ہی کے سایہ عاطفت میں عافیت اور آسایش دیکھی - مجکو اس خط کے بھیجنے سے حقیقت میں اس بات کی ٹٹول منظور ہی کہ میں نے جیسا کچھ آپ کو سمجھا ہی اُس میں غلطی تو نہیں کی - اگر آپ نے میری اس جسارت کو گستاخی اور بے تمیزی اور بیہودگی اور بے حیائی خیال فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ نہ میں آپ کے ڈھب کا اور نہ آپ میرے ڈھب کے لیکن مجکو امید نہیں کہ آپ ایسا خیال فرمائیں کیا ضرورت تھی کہ میں مشاطہ کے ہاتھ رقعہ یا اسم نویسی بھیجتا پھروں - یہ بھی ایک قسم کا رقعہ ہی ہی - مگر ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے دلی خیالات تک اس میں ظاہر کر دیئے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنا حال پوست کندہ بیان کرنے میں کچھ اُٹھا رکھا ہی - میں اپنا فوٹو بھی اس میں ملفوف کرتا ہوں - تاکہ تعلق سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں ہر طرح کی معلومات بہم پہونچانے کا موقع دوں - ابھی آپ کے حالات کی تفتیش جب تک میں نے بخوبی نہیں کرلی اس خط کے لکھنے کے لیئے قلم نہیں اُٹھایا - میں آپ سے اتنی بات بھی کیوں چھپاؤں کہ میں زیادہ تر اُسی صفت کا گرویدہ ہوا ہوں جس سے لوگ بھڑکتے ہیں - عالمِ ارواح کے ساتھ ایسا قوی تعلق ایک نعمتِ خداداد ہی اور سخت افسوس کی بات ہوگی اگر کسی ناقدر دان کے پلّے پڑے - فقط راقم سید صادق از بنارس

غرض اس خط پر میاں بی بی میں بہت کچھ لڑائی بھڑائی ہوئی - بی بی کسی طرح سے رضامند ہوتی ہی نہ تھیں کبھی سید صادق کے مذہب پر اعتراض کرتی تھیں - کبھی اُس کے لباس پر - اور حقیقت میں وہ سید صادق کو مسلمان ہی نہیں سمجھتی تھیں لیکن جب صادقہ نے اپنی سہیلی ہمراز کی معرفت اپنی اماں سے کہلا بھیجا کہ "جہاں خدا کو منظور تھا میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہی اباجان سے لڑیں جھگڑیں نہیں - اور مذہب کے شُبہے کو بھی دل سے نکال ڈالیں کہ یہ بات ہی بے اصل - جو لوگ ایسی تہمت رکھتے ہیں ناحق ایک مسلمان کا گناہ سمیٹتے ہیں - آدمی کی طبیعت کا بھی عجب حال ہی ذری میں خوش ذری میں آزردہ" صادقہ کی ماں یا تو صادقہ کے بیاہ کی دعائیں مانگتی تھی یا اب جو ہمراز نے صادقہ کا پیام جا کر دیا تو سنتے کے ساتھ مُونہ فق ہی تو ہو گیا - اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اس سے پہلے ایک چھوڑ دو بیٹیاں بیاہ چکی تھی اور وہ خیر بہت آرام میں نہ تھیں تو چنداں تکلیف میں بھی نہ تھیں جیسی رسمی خانہ داریاں ہوتی ہیں اُن کی بھی تھیں مگر صادقہ کا بیاہا جانا تھا - ماں کو حقیقۃً میں معلوم نہ تھا کہ اُس کی بیٹی کے ساتھ اُس کو کیسا تعلق ہی - یہ بیٹی اُس کی بائیس برس کی رفیق تھی کہ ایک دن کو ماں سے جدا نہیں ہوئی - اور رفیق بھی ایسی کہ جب سے ہوش سنبھالا ماں کو پلنگ سے اُترنے نہیں دیا دایہ گری یہ کرے ماماگری یہ کرے مغلانیوں کا کام یہ دے - بال بچوں کو نہلائے دُھلائے کپڑے بدلوائے - ان کی دوا دَرمن کھلانے پلانے کی خبر رکھے - گری پڑی چیز سینتے اُٹھائے - بیٹی کی بیٹی مصاحب کی مصاحب پھر اُس کے بیاہ کے اٹکاوے سے ماں کو بڑی بڑی ایذائیں پہونچی تھیں اس کے لیئے ماں کا دل ایسا ہو گیا تھا جیسا پکا پھوڑا ام جاتا ہی - اب جو خدا خدا کر کے پیام بھی آیا تو پردیس کا نہیں معلوم بنارس لے جائے گا یا ساتھ ساتھ لیئے پھرے گا اور انگریزیت کا پیٹنا الگ - کون جانے کہ دین پر بھی قائم ہے یا نہیں - غرض یہ رُوداد ماں کے رو دینے کو بس کرتی تھی - آخر میر صاحب کو باہر سے بلوایا - بی بی کو روتے دیکھ کر پوچھا

خیریت تو ہی۔
بی بی۔ ہاں خیریت تو ہی۔ مگر میری صادقہ مجھ سے چھُٹی۔ یہ بنارس کا جو پیغام آیا ہی اس کے آنے سے پہلے صادقہ اس مرّودے کو خواب میں دیکھ چکی ہی اور اُس کو اِس کا نام تک معلوم ہو گیا ہی اور اُس نے یہ بھی خواب میں دیکھا ہی کہ گو اُس کا ظاہر انگریزوں کا سا ہی مگر حقیقت میں مسلمان ہیں۔ صرف انگریزی کپڑے پہن رکھتے ہیں۔ بس تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔
میاں۔ "دیکھو میں تم سے کہتا تھا تم ہی نے شبہہ کیا پھر اپنا دل کیوں تھوڑا کرتی ہو۔ اس دن کے لیئے تو میں نے اور تم نے مدّتوں ناک رگڑی ہی۔ اب خدا نے غیب سے سامان کیا ہی تو ہنسی خوشی اس کو رخصت کرو۔" غرض بہزار خرابی بی بی نے سیّد صادق کی درخواست منظور کی بلکہ کہنا چاہیئے کہ صادقہ کے خواب نے زبردستی تسلیم کرائی۔ اور میر خسرو نے سیّد صادق کو لکھ بھیجا کہ "ہم نے آپ کی درخواست بخوشی منظور کی۔ اور اس کے لیئے ہر وقت تیار ہیں۔" سیّد صادق نے اس خط کا پھر اُسی طرح کا جواب دیا طول طویل۔ جس کا خلاصۂ مطلب یہ ہی کہ میں پندرھویں دن اپنے چند دوستوں کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوں گا اور شرعی معاہدہ ہو جانے کے بعد ایک ہفتہ رہ کر تنہا کالج کو واپس آؤں گا اور جب تک امتحان سے فارغ ہونے کے بعد میرا معاملہ یکسو نہ ہو اس انتظام کو جاری رکھوں گا ایسا ہی ہوا کہ روزِ مقررہ پر سیّد صادق اور اُن کے دوست ہندوستانی بھلے مانسوں کے لباس میں شام کو آئے نکاح ہوا۔ دونوں دوست اُسی رات نو بجے کی گاڑی میں واپس گئے۔ سیّد صادق ایک ہفتے تک ٹھیرے رہے۔ اِن میاں بی بی کے حالات بھی شروع سے آخر تک بڑے ہی بکار آمد اور دل چسپ ہیں۔ دونوں اچھی خاصی پکّی عمر میں بیاہے گئے جب کہ دونوں سمجھتے تھے کہ بیاہ ہی کیا چیز۔ صادق کے خیالات اُس کی تعلیم کی وجہ سے اور صادقہ کے اُس کی جبلّی اُفتادِ مزاج کے سبب ایسے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے تھے کہ وہ جو ایک جان دو قالب کہتے ہیں۔ بس اِن دونوں پر صادق آتا تھا۔ دونوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کو خوش رکھے۔ بھلا پھر اِن میں سازگاری نہ ہو تو اَور کن میں ہو ایسا نہیں ہوا کہ راہ چلتے ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہی۔ بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو بقدرِ امکان جانا سمجھا اور جانے سمجھے پیچھے میاں بی بی بننے پر راضی ہوتے۔ پس حقیقت میں اُن کا ایجاب و قبول البتّہ ایجاب و قبول تھا۔ وقت پر تو اعلان نہ ہوا مگر چھُپانے کی چیز نہ تھی اور چھپاتے ہی کیوں آخر لوگوں کو معلوم ہوا اور معلوم ہوا تو گھر گھر اِس کا چرچا تھا۔
سیّد صادق ایک عقلی مذہب رکھتا تھا۔ جو بات اُس سے پوچھی جاتی اپنی رائے سے کچھ نہ کچھ اُس کا جواب دیتا اور اُس کی پیچ کرتا۔ اُسی پر جما رہتا۔ اتنی تو غلطی اِس کی بھی تھی کہ اِس کو عقل پر زیادہ اعتماد تھا۔ وہ ہر جگہ عقل دوڑانی چاہتا تھا۔ جو بات اُس کی سمجھ میں نہ آتی اُس کو جھٹلانے لگتا۔ اس طور پر اِس کا عقل پر اعتماد سچّا تھا کہ انسان جو مکلّف ہوا تو اِسی عقل کی وجہ سے ہوا اگر اِس میں عقل نہ ہوتی تو یہ بھی اَور جانوروں کی طرح ایک جانور تھا۔ عذاب و ثواب دونوں سے بری۔ آدمی کے پیچھے جو عاقبت کا جھگڑا لگا تو اسی سے لگا کہ اس کو عقل دی گئی ہی۔ نیک و بد کی تمیز رکھتا ہی تو جس عقل کی وجہ سے اتنی ساری ذمہ داری گلے پڑی اِس کو دین میں معطّل کر کے بٹھا دیں تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے تو بنایا آدمی

اور ہم رہیں جانور اُس نے تو دیں آنکھیں اور ہم باندھ لیں اُوپر سے پٹّی۔ پس اِس وجہ سے صادق کی مت مسلمانوں کے متعارف فرقوں میں سے کسی فرقے سے ملتی ہی نہ تھی۔ وہ اسلامی فرقوں کی آپس کی کش مکش سے بہت گھبراتا تھا اور اُس کی عقل ٹھکانے نہ تھی۔ آخر کار گھبرا کر ایک وقت اِس پر ایسا بھی گزرا کہ وہ سرے سے کسی مذہب ہی کا معتقد نہ تھا اور دل میں کہتا تھا کہ شروع سے آدمی مذہب کے خیال کے پیچھے پڑے ہیں اگر مذہب واقع میں کوئی چیز ہوتا تو اب تک انسان کی نظر سے مخفی نہ رہتا اور ساری دنیا میں کبھی کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا۔ دنیا جتنی پُرانی ہوتی جاتی ہے مذہبوں کا شمار بڑھتا چلا جاتا ہے تو جس چیز کو اتنی مدت ڈھونڈا جائے اور ڈھونڈا بھی جائے تو ایسی کاوش سے کہ کوئی فردِ بشر اِس کی جستجو سے فارغ نہیں اور وہ نہ ملے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اُس چیز کا وجود ہی نہیں اور خدا کو بھی کس نے دیکھا ہے۔ یہی نا کہ دنیا میں کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی اور بنانے والے کون ہم ہی آدمی۔ تو جو چیز ہم میں سے کسی نے نہیں بنائی جس نے بنائی وہی خدا۔ یہ دلیل ظاہر میں تو بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہے لیکن اِس کو منطق کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں اُترتی۔ کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ اِس کی جگہ ہم کو یوں کہنا چاہیئے کہ آدمی کے بنانے کی کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ دو ہی لفظوں کی کمی بیشی میں بات کیا سے کیا ہو گئی۔ نہ دعویٰ رہا نہ دلیل اور کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی میں تو خدا بھی آ گیا۔ غرض عقلی خیالات میں اُس کی عقل غلطاں پیچاں تھی اور ایک سید صادق کی کیا خدا جھوٹ نہ بلائے ہزار ہا بندگانِ خدا اور میں ڈروں کیوں ہزاروں مسلمانوں کے اِس قسم کے خیالات ہیں۔ بعض دل ایسے کمزور ہوتے ہیں کہ جو خیالات اُن کے دل میں مذہبی شکوک لئے گھومتے رہتے ہیں اُن کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اور بعض ایسے بھڑ بھڑیا ہوتے ہیں کہ اِدھر دل میں آیا اور اُدھر مُونہ سے اُگل دیا۔ مگر بے سمجھے بوجھے نہیں عقل کی کسوٹی پر کس کر۔ یہی حال صادق کا تھا۔ سید صادق پر دین کے اعتبار سے کچھ وقت اُسی طرح کا گزرا جیسے بنی اسرائیل چالیس برس جنگل میں بھٹکتے پڑے پھرے۔ بہتیری اٹکلیں دوڑاتے اور ہر روز صبح سے شام تک چلتے آخر کار پھر کے وہیں آ کھڑے ہوتے جہاں سے چلے تھے مگر تھا کیا کہ طلب تھی صحیح اور تلاش تھی سچّی۔ اِس سوچ میں اِس کا یہ حال ہو گیا تھا جیسے کوئی مبہوت دیکھتا ہے اور نظر نہیں آتا سنتا ہے اور سمجھتا نہیں۔ بہتیری کوشش کرتا کہ یہ خیال دل سے دُور ہو مگر سوتے جاگتے ہمہ وقت یہی تصور پیش نظر تھا کسی چیز میں طبیعت نہیں لگتی تھی کسی بات سے جی نہیں بہلتا نیند تو اس کی مدتوں سے اُچٹی ہوئی سی تھی ایک رات آخرِ شب اِسی خیال میں پڑا کروٹیں بدل رہا تھا کہ اِس نے بے قرار ہو کر دعا کی کہ

اے خدا اگر واقع میں تو خدا ہی جیسا کہ تمام اہلِ مذاہب تجکو مانتے ہیں تو مجکو
اِس ورطۂ حیرت سے نکال اور حق بات میرے دل میں ڈال:۔

ابھی پورے لفظ بھی اُس کے مُونہ سے نہیں نکلے تھے کہ برابر کے پلنگ پر سے صادقہ نے آواز دی کیا تم جاگتے ہو۔

صادق! ہاں جاگتا ہوں۔ کیوں خیر ہے۔

صادقہ۔ میں نے ابھی ایک بڑا لمبا سا خواب دیکھا ہے جیسے تم کسی قیمتی کپڑے کی ایک نہایت سفید شیروانی پہنے ہو ایسی کہ میں نے آج تک ایسا سفید کپڑا دیکھا نہیں۔ جا بجا اُس پر سیاہی گری ہوئی ہے اور تم داغوں کے چُھڑانے کی فکر میں ہو اور تم کو ایک طرح کا رنج اور رنج کے ساتھ نا امیدی بھی ہے کہ ہائے کیسی عمدہ شیروانی تھی اب اِس کے دھبّے کیا چھوٹیں گے۔ تم نے

بہتیرے جتن کیے اور جس نے جو تدبیر بتائی آزمائی دھبّے پھیلتے اور پھیلنے سے زیادہ بدنما ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تم نے اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چاہا کہ شیروانی کو اُتار پھینکوں اتنے میں تو ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ یہ دھبّے مٹّی سے چھوٹیں گے۔ مجکو اس کا طریقہ معلوم ہی میں تمہارے ہی ہاتھوں سے اس کو صاف کرا دوں گا اور شیروانی جیسے اصل میں تھی ویسی ہی نکل آئے گی گھبراؤ نہیں اس کے بعد تو سوتے ہی میں خود بخود خواب کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ شیروانی تمہارا دل ہی اور سیاہی کے دھبّے تمہارے مذہبی شکوک ہیں۔ اور مٹّی سے مراد ہی خاکساری۔ پھر کیا دیکھتی ہوں کہ جیسے تم میں اور اُن بزرگ میں اُسی طرح کی مذہبی بحث ہونے لگی جیسی تم لوگوں سے کیا کرتے ہو۔ جوں جوں بحث ہوتی جاتی ہی شیروانی کے دھبّے ہیں کہ مٹتے اور کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب داغ دور ہو کر شیروانی اچھی خاصی اُجلی نکل آئی۔ گویا اُس پہ سیاہی گری ہی نہ تھی اور تم اُس کو پہن کر بہت خوش ہوئے اور کہتے ہو کہ بس اب میں اسی کو پہنے رہوں گا اور جو دیکھتا ہی شیروانی کی تعریف کرتا ہی کہ سبحان اللہ کیا کپڑا ہی اور دھوبی نے کیسا اچھا دھویا ہی وہ بحث جو تم میں اور اُن بزرگ میں ہوئی مجھ کو لفظ بہ لفظ یاد ہی اور میرا قاعدہ ہی کہ چاہوں سمجھوں نہیں مگر خواب کی بات مجکو بھولا نہیں کرتی۔

صادق تو مذہب کے معاملے میں بے چین تھا ہی سُنتے کے ساتھ اُٹھ بیٹھا اور چاہا کہ اُسی وقت سے اپنا زہر اُگل چلے اس پر صادقہ بولی کہ صبح صادق ہو چکی ہی میں نماز پڑھ لوں تم بھی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو پھر اطمینان سے باتیں کریں اور یہ جھگڑے ایک دن کے تو نہیں ہیں جتنی باتیں میں نے خواب میں دیکھی ہیں کئی ہفتوں میں جا کر طے ہوں تو ہوں۔

صادق۔ یہ ہی تو زبانی بیان کرنے سے لکھنا ہی بہتر ہوگا کہ خواب کی تحریری یادداشت بھی رہے گی۔

صادقہ۔ ہاں میں بھی لکھنے ہی کو زیادہ پسند کرتی ہوں تم میرے پاس بیٹھے رہو اور میں تمہارے روبرو لکھتی جاؤں تم ساتھ کے ساتھ دیکھتے جانا۔ میرا لکھنا بیان کی جگہ ہوگا اور تمہارا دیکھنا سننے کی جگہ:

صادق۔ یہ ٹھیک ہی اور اس کو سوال وجواب کے طور پر لکھو یعنی جو کچھ میں نے کہا ہو سوال اور جو اُن بزرگ نے فرمایا ہو جواب۔

غرض مصنف مدظلہ نے صادقہ کی زبانی سید صادق کے خیالاتِ مذہبی کو درست کرنا شروع کیا ہی۔ جتنے بھی مذہبی شکوک اُس کے دماغ میں گھوم رہے تھے اُن سب کی اصلاح فرمائی ہی:

سب سے اول خدا اور اُس کی وحدانیت اور صفات کا عقلی ثبوت دیا ہی۔ بعد ازاں عقلِ انسان کی نارسائی انسان کی بے حقیقتی۔ دینی خیالات کا سلسلہ۔ مذہب کی ضرورت۔ عاقبت کا یقین انسان کی فطرت میں ہی مذہب کا خلاصہ۔ عبادت کی لِم شریعت نصفِ دین ہی۔ عاقبت۔ مذہبی مباحثہ بڑی بُری بات ہی۔ دین کا دستور العمل۔ مذہبی شکوک اور اُن کا دفعیہ۔ مقلدوں اور غیر مقلدوں کے جھگڑے۔ سُنی شیعوں کا اختلاف۔ فرقۂ صوفیہ۔ نیچری فرقہ۔ دعا۔ وحی اور معجزات۔ کی اصلی حقیقت کو بیان کر کے سید صادق جیسے متزلزل العقیدہ کے خیالات کو عقلِ اسلام کے مطابق بڑی بلاغت وفصاحت کے ساتھ بیان کر کے ثابت کیا ہی

## ترجمۃ القرآن

کچھ بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ مولانا نے قرآن مجید کے ترجمے کی نسبت یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فارسی میں قرآن تک کی اجازت دے دی ہے۔ مگر میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ تک گناہ ہے۔ کیوں کہ ترجمے میں معجز بیانی آ نہیں سکتی۔ اُردو فارسی کے ترجمے دیکھے پھیکے بدمزہ بے رونق ان میں اصلی قرآن کی سی چستی اور برجستگی اور متانت اور قوت اور فصاحت اور بلاغت اور تاثیر کا کہیں پتا بھی نہیں ملا۔ اور بجائے اس کے کہ کلام الٰہی کی عظمت ذہن نشین ہو ترجموں سے توبہ توبہ اُلٹی سخافت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں ترجموں کا کچھ قصور نہیں بل کہ ترجمہ ہی فی نفسہٖ امر محال ہے۔ دوسری آسمانی کتابوں کے ترجمے کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔ اگر باب ترجمہ مفتوح ہوا تو قرآن کا بھی وہی انجام ہونا ہے۔ کوئی اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔ جس دن مسلمان ان لفظوں کو بھولے اور بھولنے سے میری مراد ہے نہ سمجھنا۔ بس جان لینا کہ اسلام کی آب و تاب گئی"۔

جس شخص کا ترجمۂ قرآن کی نسبت ایسا سخت خیال ہو اُس کے دماغ میں یکایک اس کے خلاف ترجمے کی تائید کا خیال پیدا ہونا بل کہ عمل کرنا یعنی ترجمہ کرنا ضرور اچنبھے کی بات ہے۔ مولانا کے اس خیال نے کیوں پلٹا کھایا اس کی وجہ راقم کے خیال میں سوا اس کے کچھ نہیں کہ مسلمان اُس وقت تک دنیاوی ترقی نہیں کر سکتے جب تک یہ پکے مسلمان نہ بن جائیں۔ جب تک مسلمان اسلام کے طریقے پر سچائی اور راستی سے قائم رہے اُس وقت تک دنیاوی اعزاز۔ دولت اور جاہ و جلال اُن کے مطیع و زیر نگین رہے۔ اور جس وقت مسلمان ڈھل مل یقین ہو گئے اور ارکان مذہب کی پابندی میں سستی کرنی شروع کی اُسی وقت سے اُن کی دنیوی حالت میں بھی خلل پڑ گیا۔ اور اب جو یہ آئے دن مسلمانوں میں مذہبی معاملات پر بحث و تکرار رہتی ہے اور علما میں روز جوتی پیزار ہوتی ہے۔ اور تکفیر و ارتداد کے فتووں کا گراب بے جا اور نار و اتعصب کی توپوں میں چلا کرتا ہے یہ صرف ناواقفیتِ احکامِ مذہب کا سبب ہے۔ بل کہ یہ بیچارے عوام الناس مسلمان جو گیہوں کے ساتھ گھُن کی طرح پِس جاتے ہیں اُن کی گمراہی کا تو بڑا باعث یہی ہے کہ وہ عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے قرآنِ مجید کے معنی کو جو اسلام کا منبع اور احکامِ شرعی کا مخزن ہے نہیں سمجھتے۔ بس اس زمانے میں مذہب اسلام کی اور مسلمانانِ ہند کے واسطے سب سے بڑی اور ضروری یہی قومی خدمت ہے کہ اُن کو کلامِ پاک کے معانی و مطالب اُن کی مادری زبانِ اُردو میں ایسی خوش اسلوبی اور سہولت سے بتائے جائیں کہ جن کے مطالعہ کرنے کے بعد اُن کو اپنے مذہب پر کما حقہٗ واقفیت اور دست رس ہو جائے۔ ان سچے خیالات نے مولانا کی رائے کو بدل دیا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جناب ممدوح نے ترجمۃ القرآن شائع فرمایا۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیرا۔

## ترجمے کی ضرورت مترجم کی زبانی

مولانا ممدوح نے چند جگہ ترجمۃ القرآن کی ضرورت کو ظاہر فرمایا ہے۔ لیکن ترجمۂ قرآن کے ساتھ جو ایک مبسوط دیباچہ ہے اُس میں اس کی ضرورت کو نہایت مشرح طور پر ظاہر کیا ہے۔ چوں کہ راقم ترجمے کی ضرورت کو مولانا کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں نہیں بتا سکتا اس لیے تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں کے لحاظ سے فاضلِ مترجم کی عبارت درج کی جاتی ہے۔

"خدا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مسلمانوں کے حال پر رحم کرے وانا اول المسلمین۔ ان کی دنیاوی

حالت جس قدر خستہ و خراب ہو چکی ہے اور روز بروز ہوتی چلی جا رہی ہے ہم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ سلطنت۔ حکومت۔ دولت عزت۔ سب نعمتیں ان سے چھن گئیں اور اگر یہی حال رہا اور ظاہری سامان تو ایسے ہی نظر آتے ہیں کہ یہی حال رہے گا تو کوئی دن کو یہ یہودیوں کی طرح صفحۂ روزگار سے مٹ جائیں گے یا نہیں بھی مٹیں گے تو اُن کی طرح ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ[1] خدا کو جو معاملہ مسلمانوں کے ساتھ کرنا منظور ہے اُس کو تو وہی بہتر جانتا ہے مگر ہم کو تو عالمِ اسباب میں پیدا کیا ہے جہاں ہر واقعے کا کوئی سبب ہوتا ہے اور ہر سبب کا کوئی نتیجہ عقل وہی ہے جس کے ذریعے سے ہم ہر واقعے کا سبب معلوم کر سکتے ہیں اور روے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر ہم کو اختیار بھی دیا ہے کہ اسبابِ مخالف کو رفع اور موافق کو مہیا کر سکتے ہیں پھر ہمارا مذہب بھی ایسا نہیں کہ اُس کو دنیا سے کچھ تعلق نہ ہو بلکہ وہ ایک دستور العمل ہے جامع کہ آدمی طفلی اور جوانی اور پیری اور تجرّد اور تاہّل اور توانگری اور فقیری اور سفر اور حضر کسی حالت میں بھی ہو اُس کے لیئے اُس میں کافی ہدایت موجود ہے اور شارع نے ہمارے کھانے پینے۔ چلنے پھرنے جاگنے سونے۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ رشتے ناطے۔ میل ملاپ۔ لین دین۔ حرکات سکنات۔ غرض کل معاملات کے لیئے قاعدے بنا دیئے ہیں کہ اگر ہم اُن قاعدوں پر چلے جائیں تو دنیا کی زندگی بھی اچھی طرح گزار دیں اور آخرت میں بھی خدا سے سرخ رو ہوں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[2] پس جیسا کہ میں اپنی کسی کتاب میں لکھ چکا ہوں ہم مسلمانوں کے لیئے دین کو دنیا سے جدا کرنا ایسا ہی جیسا کوئی شخص چاہے کہ عرَض کو جوہر سے لازم کو ملزوم سے۔ روح کو جان دار سے۔ بو کو گل سے۔ نور کو آفتاب سے اور ناخن کو گوشت سے جدا کرے۔ اگر ہم مسلمانوں کی دنیاوی حالت خراب ہے تو ممکن نہیں کہ دنیا کی لپیٹ میں ہمارا دین درست رہا ہو۔ ہم مسلمان بمنزلہ ایک عمارت کے ہیں جو ستونِ دین پر قائم کی گئی۔ اب اگر وہ عمارت گرنے کو ہو رہی ہے تو ضرور ہے کہ ستون بودا پڑ گیا ہے۔ محالِ عقل ہے کہ سببِ واحد سے دو متضاد نتیجے پیدا ہوں۔ ہو نہیں سکتا کہ مذہب ہی ایک وقت ہماری قوّت اور توانائی کا باعث ہو جیسا کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان اور پھر وہی مذہب دوسرے وقت ہم کو ایسا کمزور اور ناتوان کر دے جیسے کہ ہم اب ہیں۔ پس ہو نہ ہو ضرور وہن اور ضعف اور فتور اور خلل ہمارے دین و مذہب میں بھی آ گیا ہے۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں

[1] یعنی اُن پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی۔ یہ آیت یہود کے بارے میں اُتری ہے جو اُس مقتدر بادشاہ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل ہیں جنھوں نے ایک نہایت زبردست سلطنۃ کے لیئے جنابِ الٰہی میں یوں دعا کی تھی ربِّ اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (یعنی اے میرے پروردگار میرا قصور معاف فرما اور مجکو ایسی سلطنۃ عنایت کر کہ میرے پیچھے کسی کو سزاوار نہ ہو) خداے تعالیٰ نے اُن کی اِس دعا کو قبول فرمایا اور مونہ مانگی سلطنت عنایت کی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اُن کی نسل یہود کا یہ حال ہوا کہ متواتر نافرمانیوں اور پیغمبروں کو ایذائیں دینے اور قتل کرنے کی شامت سے بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے اُن میں وبائیں آئیں۔ برسوں جنگلوں میں بھٹکے بھٹکے پھرے اور ہلاک ہوئے۔ اُن کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی۔ قید ہوئے غلام بنائے گئے جلا وطن کیئے گئے اب ملکوں ملکوں مارے مارے پڑے پھرتے ہیں لوگ اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے اور بحر و بر میں کہیں ایک چپّے بھر زمین پر ان کی شاہانہ حکومۃ نہیں یہ بھی گورنمنٹ انگریزی کی امن و انصاف سے بھری ہوئی عملداری ہے کہ انگلستان اور ہندوستان میں ان کو امن اور اطمینان کے ساتھ بود و باش کرنے اور تجارت وغیرہ کے ذریعے سے معاش حاصل کرنے کا موقع مل گیا ہے ۱۲ (محمد رحیم بخش عفا اللہ عنہ)

[2] جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اُس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور اُن کو (آخرت میں بھی) اُن کے (ان) بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے ۱۲

سے تو بحث نہیں مگر ہند کے مسلمانوں کی تو ہم کہتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر بے اختیار یہ بات مُونہ سے نکل جاتی ہی کہ "مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب"۔ وہ اسلام جس نے اُونٹوں کے چَرانے والوں کے ہاتھ میں نکیل کے عوض زمامِ سلطنت پکڑا دی تھی اَب وہی اسلام ہی کہ شُترِ بے مُہار کی طرح آوارۂ دشتِ غربت ہی۔ وہ اسلام جس نے اہلِ عرب کو تہذیب و شایستگی کا اُستاد منوا دیا تھا اَب وہی اسلام ہی کہ جو قومیں برسرِ عروج ہیں اُس کو وحشی اور بے تمیز کہتی ہیں۔ وہ اسلام جس نے خدا کی رحمت بن کر دُنیا میں اَمن و صلح کاری اور سازگاری اور اُلفت و اتحاد قائم کرنے کے لیئے رواج پایا تھا اَب وہی اسلام ہی کہ اُس کے پَیرو آپس ہی میں لڑے مَرتے ہیں۔ ہندوستان میں ضعفِ اسلام کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہی کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب یعنی قرآن جو اصلِ دین ہی۔ زبانِ عربی میں ہی جو اِس مُلک کی بولی نہیں اوّل تو کوئی سی بھی اجنبی زبان ہو اُس کا سیکھنا دِقّت سے خالی نہیں ہوتا اور پھر عربی کہ بُعدِ مسافت کی وجہ سے اہلِ عرب کے ساتھ اختلاط نہیں اور خود عربی دوسری زبانوں کے مقابلے میں ہی بھی مشکل اور اُس کے اشکال کی ایک اَدنیٰ سی شناخت یہ ہی کہ مثلاً فارسی میں مذکر اور مؤنث کے فرق سے فعل کا صیغہ نہیں بدلتا ایک مرد کو بھی کہتے ہیں آمد اور ایک عورت کو بھی کہتے ہی آمد مگر عربی میں مَرد کو جَآءَ اور عورت کو جَآءَتْ اِسی طرح فارسی میں تثنیہ نہیں دو کو کہتے ہیں آمدند اور دو سے زیادہ کو بھی کہتے ہیں آمدند مگر عربی میں دو کو اگر مرد ہوں تو کہیں گے جَآءَا اور عورتیں ہوں تو جَآءَتَا دو سے زیادہ مَرد ہوں تو جَآءُوْا عورتیں ہوں تو جِئْنَ دیکھو اسی ذرا سے تفاوت سے عربی میں فعل کی ہر گردان کے تیرہ^۱۳ صیغے ہیں اور فارسی میں صرف چھ^٦۔ ہم زبانوں میں تو کوئی محاکمہ کر نہیں رہے کہ اِس بات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کریں اور بیان کریں بھی تو بہتوں کی سمجھ میں نہ آئے مگر اِسی ایک مثال سے اتنا تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ عربی اور فارسی میں فعلوں کی گردان کے اعتبار سے تیرہ^۱۳ اور چھ^٦ کی نسبت ہی عربی کچھ تو اپنی ذاتی مُوشگافیوں کی وجہ سے مشکل تھی اور رہا سہا اُس کو مشکل کیا لوگوں کی بے تدبیریوں نے کہ اُنھوں نے صَرف و نحو کے قواعد ایسے پیچیدہ اور کثرت سے بنائے کہ اُنھیں کے سیکھنے اور سمجھنے میں عمرِ تحصیل تمام اور پھر بھی خامی باقی۔ نتیجہ یہ ہوا اور اِس کے سوا ہونا بھی کیا تھا کہ صَرف و نحو پڑھتی تو اِس غرض سے شروع کی کہ اُس کے ذریعے سے عربی عبارت کے پڑھنے سمجھنے کا ملکہ ہو جائے گا مگر صَرف و نحو کی بھُول بھُلیاں سے نکلنا نصیب نہ ہوا۔ غرض صَرف و نحو آلہ اور ذریعہ ہونے کی جگہ خود مقصود بالذّات ہو گئی اور اصلِ مطلب فوت۔ میں نے کسی موقع پر اس کی مثال بھی بیان کی ہی کہ آج کل کے صرفیوں نحویوں کی مثال اُس شخص کی سی ہی جس کو اَجرامِ فلکی میں عجائباتِ قدرتِ آلہی کا دیکھنا منظور تھا اور اُس نے اُس کے لیئے دُوربین لگائی مگر وہ دوربین کے کیل پُرزوں کی بناوٹ اور ترکیب میں ایسا محو ہُوا کہ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے بھی نہ پایا۔ عربی زبان اجنبی سہی فی نفسہ مشکل سہی اُس کی صَرف و نحو کا ایک اَنبار سہی اور اہلِ عرب کے ساتھ بُعدِ مسافت کی وجہ سے مغایرت بھی سہی مگر یہ سب باتیں اور اتنی ہی اَور ایک طرف۔ اور معاش کی ضرورت ایک طرف۔ یعنی کہیں اگر معاش کا انحصار عربی پر ہوتا تو دیکھتے کہ بنیئے بقال تک حلق میں بول رہے ہیں۔ عربی زبان اجنبی تو ہی مگر از بسکہ مُسلمانوں کی مذہبی زبان ہی اور جیسی فی نفسہ مشکل ہی ویسی ہی فی نفسہ عمدہ اور مزے کی بھی ہی اور سیکڑوں برس مسلمان ہندوستان پر حکمراں رہے ہیں۔ عربی کے ہزارہا الفاظ اُردو کے روزمرّہ میں ایسے داخل ہو گئے ہیں جس طرح کھانے میں نمک کہ وہ نہ ہوں تو اُردو پھیکی پھیکی بدمزہ لگے۔ اُردو کی تو خبر نہیں مگر ہماری دلّی ہی کے بڑے نامی گرامی شاعر اسداللہ خاں غالب ایسی فارسی لکھا

کرتے تھے کہ اُس میں عربی کا لفظ نہیں آنے پاتا تھا مگر وہ فارسی اُنہیں کی ایجاد تھی اور اُس کو وہی سمجھتے بھی ہوں گے
اگر کوئی غالب کی فارسی کی طرح کی اُردو لکھنا چاہے اور اِس کا التزام کرے کہ عربی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے تو وہ اُردو
بھی ایسی ہی اُردو ہوگی کہ پشاور سے کلکتے تک اور کشمیر سے بمبئی تک تو اُس کو کوئی سمجھنے کا نہیں - اور دلّی لکھنؤ کے لوگ اُس
کی داد بھی دیں گے - ٹھیٹھ اُردو سے ہماری مراد ہی صفحے و و صفحے جس میں تصنّع اور تکلف نہ معلوم ہو ورنہ سطر دو سطر تو ہر کوئی
لکھ سکتا ہی پانی پلاؤ و ٹھیٹھ اُردو وہی جس میں عربی فارسی کا کوئی لفظ نہیں اور با محاورہ اور فصیح بھی ہی مگر اِس میں کمال ہی کیا ہی -
اردو کے کسی ادیب کے کلام میں سے کیف ما اتفق ایک لمبا سا مضمون لو اور اُس کو ٹھیٹھ اُردو میں ادا کرو اور فصاحت
کے ساتھ ادا کرو تو جانیں - تو مطلب یہ ہی کہ ہم کو عربی کے سیکھنے میں ایک طرف چند مشکلیں ہیں تو دوسری طرف یہ بہت بڑی
آسانی بھی ہی کہ اُس کے ہزارہا الفاظ ہمارے روزمرہ میں داخل ہیں - مگر اِس مشکل کا کوئی بھی علاج نہیں کہ عربی پر ہماری معاش کا
انحصار نہیں - ہم انگریزی سے عربی کا مقابلہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ وہ اشکال میں عربی سے کہیں بڑھی ہوئی ہی اب چند
روز سے انگریزی کے چند الفاظ پوسٹ کارڈ - منی آڈر - ریلوے اسٹیشن - سکول - کالج وغیرہ اُردو میں داخل ہوگئے ہیں یہ
تو کسی گنتی میں نہیں - یُوں اُردو کا سارا کتاب خانہ چھان مارو کہیں انگریزی کا نام و نشان نہ پاؤ گے اِس سے بڑھ کر اجنبیت
کیا ہوگی - اِس کے علاوہ انگریزی ہمارے مخارج پر ثقیل ہی اِس میں کثرت سے ٹے اور ڈال اور ابتدا بسکون ہی - با ایں ہمہ چونکہ
انگریزی عملداری کی وجہ سے انگریزی پر معاش کا انحصار ہوگیا ہی - ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اِس وقت پڑھے لکھوں کی مردم شماری
کی جائے تو مثلاً سو انگریزی داں نکلیں گے تو اُن کے مقابلے میں بہت سے بہت ایک یا دو عربی داں - اور ایک یا دو بھی
ہم نے ڈرتے ڈرتے کہے ورنہ ایک بھی نہیں آدھا بھی نہیں تہائی بھی نہیں - چوتھائی بھی نہیں - اچھا تو مسلمانوں نے چھ سو
برس اِس ملک میں حکمرانی کی اور گو اُنھوں نے عربی پر زور نہ بھی دیا ہو تاہم عربی کا مسلمانوں کی مذہبی زبان ہونا ہی کیا کم تھا اور
انگریزی کو تو حکومت کی طرف سے جو کچھ مدد پہونچی ہی ۱۸۵۷ء کے ادھر ہی ادھر پہونچی ہی - تو کہاں چھ سو برس اور کہاں پورے
پچاس بھی نہیں - اِس پر بھی انگریزی اِس قدر جلد جلد ترقی کر گئی اور عربی یُوں دیکھتے دیکھتے ہندوستان سے ناپید ہوگئی یہ کیوں ؟
یہ وہی انحصارِ معاش - بیچاری عربی کے پاس سوائے اِس کے کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہی اَور بَل بوتا ہی کیا تھا لوگ
مذہب کو دیکھیں یا روٹیوں کی فکر کریں شعر شب چو عقدِ نماز بر بندم ٭ چہ خورد بامداد فرزندم ٭ زبانی دعووں اور لن ترانیوں
کے تو ہم قائل نہیں - یُوں تو ایک ایک مسلمان مُونہ سے ایسا مذہبی جوش ظاہر کرتا ہی کہ گو یا وہ اِس چودھویں صدی کا عمر بن
خطابؓ یا خالدؓ بن ولید ہی لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ہندوستان میں عربی کی روک تھام کرنے والے کون ؟ چارو ناچار ماننا پڑے گا
کہ مسلمان - پھر ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں نے عربی کے ساتھ کیا سلوک کیا - چارو ناچار ماننا پڑے گا کہ اُس کو مٹنے دیا - ناپید ہونے
دیا - دین کا اور معاش کا اگر بڑا مقابلہ مسلمانوں نے معاش کا پاس کیا اور دین کا نہ کیا - سچ فرمایا ہی کَلَّا[۱] بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَ
تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ پس عربی کو تو ہندوستان سے رخصت ہوا سمجھو - لیکن مصیبت یہ ہی کہ عربی کے ساتھ ساتھ دین بھی رخصت ہوتا
نظر آتا ہی کچھ شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم تمام افرادِ بنی آدم کی طرف بھیجے گئے - وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

[۱] (۱) یعنی تم کو جلدی کرنی نہیں چاہیئے، مگر تم بنی آدم کچھ ہو ہی جلد باز اسی لیئے دنیا کو (جو سردست موجود ہی) دوست رکھتے اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو ۱۲ ۔

اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ[۱] اور دینِ اسلام تمام افرادِ بنی آدم کا دین ہونا چاہیئے عرب کے ہوں یا عجم کے اور ایسا دینِ عام جو کسی قوم اور کسی ملک کا پابند نہیں وہ کسی زبان کا پابند کیوں ہو لیکن خدا کی رحمت اِسی کی مقتضی ہوئی۔ اور اُس کا وعدہ بھی تھا کہ اہلِ عرب جن کی حالت بعثت کے وقت تمام اقوامِ روے زمین میں ردی تھی اُنھیں کو سب سے پہلے ٹھیک کیا جائے اور وہ دوسروں کے لیئے نیکی اور تہذیب اور شائستگی کا نمونہ بنیں آفتابِ ہدایت عرب سے نکلے اور سارا جہان اُس کے نور سے مستفیض ہو اِس مصلحت سے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا یعنی جو کچھ سکھانا سمجھانا تھا خدا نے اپنے پیغمبر کو اور پیغمبر نے اپنے ملک کے لوگوں کو عربی میں سکھایا سمجھایا۔ دین کی بعض باتوں کی بنیاد ایسے ہی عقائد پر ہی جو عقلِ انسانی کی پوری پوری گرفت سے باہر ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہی کہ خدا ہی۔ سو دنیا کے کارخانے پر نظر کرنے سے اِتنا تو سمجھ میں آتا ہی کہ اِس انتظام کے ساتھ اِس عظیم الشان کارخانے کا کوئی بنانے والا ضرور ہی۔ اور وہ قادرِ مطلق ہی حکیم ہی علیم ہی غرض تمام صفاتِ کمال کا جامع ہی۔ بس اِس کے سوا نہ کسی فردِ بشر سے جانا اور نہ جان سکتا ہی۔ کہ وہ کیا ہی اور کیسا ہی۔ پھر ہم ہی جیسا ایک آدمی دعوی کرتا ہی کہ مجکو خدا سے ایک خاص طرح کی خصوصیت ہی اور میں اُس سے باتیں کرتا ہوں۔ مجکو اُس نے یہ حکم دے کر تم لوگوں کی طرف بھیجا ہی۔ ناچار لوگ اُس سے دلیل مانگتے ہیں۔ اور وہ اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے معجزے یعنی اَن ہونی باتیں کر دکھاتا ہی۔ کچھ تو مان کر ایمان لاتے اور کچھ جادو یا نظر بندی بتا کر یا ناحق کی ضد سے انکار پر جمے رہتے ہیں۔ لیکن معجزہ کیسا ہی عجیب کیوں نہ ہو اُنھیں پر اثر ڈال سکتا ہی جنھوں نے اُس کو واقع ہوتے دیکھا اور واقع ہوئے پیچھے یا پیغمبر کے انتقال فرمائے پیچھے ایک تاریخی واقعہ ہو جاتا ہی اور کچھ عرصے کے بعد افسانہ سا معلوم ہونے لگتا ہی۔ کتنی ہی چھان بین کرو جس کو عین الیقین کہتے ہیں وہ تو شکّی طبیعتوں کو ہوتا ہوتا نہیں۔ یہ فضیلت ہمارے پیغمبر صاحب ہی کے حصّے کی تھی کہ اُن کو خدا نے قرآن ایسا زبردست معجزہ دیا جو ابدالآباد تک پُرانا اور مضمحل نہیں ہو سکتا۔ وہ جیسا نزولِ قرآن کے وقت مؤثر تھا ویسا ہی اب ہی۔ اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا۔ ہم جو مسلمانوں میں سے عربی کے اُٹھ جانے کا اتنا افسوس کرتے ہیں تو اسی معجزے کے لحاظ سے۔ عربی جانو تو اس معجزے کی قدر پہچانو۔ کوئی شخص جو اسلام کے بارے میں منصفانہ راے قائم کرنی چاہتا ہی۔ اُسکو چاہیئے کہ کسی راے کے قائم کرنے سے پہلے اُن وقتوں کی تاریخ پڑھے۔ خاص کر عرب کی۔ جب اُس کی نظر تاریخ پر احاطہ کرلے تب اسلام کی تعلیم کو دیکھے۔ اگر وہ تحقیقات کا یہ طریق اختیار کرے گا تو میں تو نہیں سمجھتا کہ وہ بے اختیار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ[۲] نہ بول اُٹھے اور مسلمان نہ ہو جائے بلکہ تاریخ بھی کیوں پڑھے نرا قرآن پڑھے کہ جہاں تک دین و مذہب کو تعلق ہی اِسی میں سب کچھ ہی لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ[۳] اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔ مگر ہاں شرطِ ضروری یہ ہی کہ قرآن پڑھتے وقت خالی الذہن ہو جو کچھ اُس نے اسلام کی نسبت سُن رکھا ہی دل سے نکال دے اور اُس اسلام کو دیکھے جو قرآن میں ہی نہ اُس اسلام کو جو بعض مسلمانوں میں تھا یا ہی (بدنام کنندۂ نکونامے چند) مگر لوگوں کا تو حال یہ ہی کہ کسی کو دل سے حق کی جستجو نہیں الا ماشاء اللہ اور شاذ و نادر ہی بھی تو مشغلے کے طور پر شور و شغب اور طبع آزمائی کے لیئے۔ غیر قومیں کیا قرآن پڑھیں گی جب کہ ہم مسلمان ہی جیسا پڑھنا چاہیئے نہیں پڑھتے بہر کیف بعثت کے

---

[۱] اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیئے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہی ۱۲

[۲] خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں محمدؐ پیغمبرِ خدا ہیں ۱۲ [۳] (دنیا کی) تر و خشک (چیزیں سب ہی تو) کتابِ واضح (یعنی لوحِ محفوظ) میں (لکھی ہوئی موجود) ہیں ۱۲

اہلِ عرب میں جہاں ہزاروں عیب تھے اُن میں چند صفتیں بھی تھیں از انجملہ یہ کہ وہ بڑے فصیح تھے لوگوں میں ہر جگہ ایک وقت
خاص میں کسی خاص بات کا چرچا ہوا کرتا ہے۔ کبھی وہ ایک وضعِ خاص کی عمارتوں کے بنانے پر متوجہ ہوتے۔ کبھی ایک خاص وضع کا لباس
اُن میں رواج پاتا۔ کبھی اُن کو دوا درمن کا شوق ہوتا۔ کبھی اُن میں شعر و سخن کی ہڑک اُبھرتی۔ اسی طرح بعثت کے وقت اہلِ
عرب میں زبان آوری کو کمال سمجھا جاتا تھا۔ اور شجاعت۔ سخاوت۔ سیر چشمی۔ مہمان نوازی حسب و نسب حسن و جمال سب کمالات
اُس کے آگے گرو تھے۔ گھر کی لونڈی غلام دہاتی گنوار برمحل ایسے برجستہ شعر کہتے کہ آج اچھے سے اچھا ادیب اُن کو لگا نہیں
کھا سکتا۔ زبان نے دلوں پر اپنا ایسا تسلط بٹھایا تھا کہ شاعر قبیلوں کو قبیلوں سے لڑا مارتے اور ہزاروں کے خون کرا دیتے
میلے ٹھیلے مشاعرے کے اکھاڑے ہوا کرتے تھے جن میں بڑے بڑے نامور شاعر اپنے اپنے قصیدے سناتے۔ اور اُن میں سے
جو چوٹی کے ہوتے بڑے فخر کے ساتھ خانۂ کعبہ کے دروازے پر لٹکائے جاتے چنانچہ سبعۂ معلقہ جو ادبِ عربی کی اعلیٰ درجے
کی کتاب ہے وہ بھی سات شاعروں کے سات قصیدے ہیں اور اسی واسطے معلقہ کہلاتے ہیں کہ خانۂ کعبہ کے دروازے پر لٹکائے
گئے تھے۔ ہم لوگوں کو تو سپہ گری سے کچھ مناسبت ہی نہیں اور یوں ہی ذری ظہور کچھ تھی بھی تو حکامِ وقت نے ہتھیار لے کر اُس کو بھی
سلب کر لیا تو اب کس کی مثال دیں کہ اہلِ عرب کا نقشہ تمھاری نظروں میں پھر جائے۔ ہاں تم نے دیکھے ہوں تو کابل کی
طرف کے پٹھان البتہ سپاہی ہیں۔ بس ایسے ہی سپاہی اہلِ عرب بھی تھے۔ کابلیوں سے تن و توش میں کم۔ مگر دلیری و
جرأت میں زیادہ وہ سپاہیانہ شیخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کو نہ صرف اپنی بہادری پر ناز تھا کہ کبھی کسی بادشاہ کی رعیت ہو کر
رہے ہی نہیں بلکہ کسی بات میں کسی کو اپنا ہمسر اور مدِ مقابل نہیں گنتے تھے وہ شریف تھے اُن کی نظر میں اَور لوگ کمینے۔ وہ عزت
دار تھے اور اُن کی نظر میں اَور لوگ ذلیل۔ وہ زبان آور تھے اور دوسرے لوگ اُن کی نظر میں گونگے بے زبان جن کو بولنے اور
بات کرنے تک کا سلیقہ نہیں اور اسی لئے وہ دوسروں کو عجم کہتے تھے جس کے معنی ہی گونگے کے ہیں۔ تو فرماؤ ایسے لوگوں
کے رو برو کوئی شخص پیغمبر ہونے کا دعوٰے کرے اور وہ مانگیں معجزہ تو وہ اُن لوگوں کو کس قسم کا معجزہ دکھائے کہ یہ چوں نہ
کر سکیں۔ وہ معجزہ نہیں تھا مگر بہادری کا جواب بہادری اور فصاحت کا جواب فصاحت۔ سو بہادری کے متعلق تو پیغمبر صاحب
صلعم نے کھلے خزانے پکار کر کہہ دیا تھا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا[91] اور اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ
نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ[92] اور اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ[93] رہی فصاحت
اُس کا جواب دنداں شکن تھا قرآن کہ اُن سے بار بار کہا جاتا تھا کہ قرآن جیسی فصیح و بلیغ دس سورتیں لاؤ۔ دس نہیں ایک۔ اور تمھاری

۹۱ (مسلمانو) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) اُن کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اِن کے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اُس کو اُن کے لیے جما کر رہے گا اور خوف (و خطر) جو اُن کو (لاحق) ہے اس کے بعد (عنقریب ہی) اُن کو (اس کے بدلے میں) امن دے گا ۱۲ ۹۲ تو کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم ملک کو چاروں طرف سے دباتے (اور فتح کرتے) چلے آتے ہیں تو (اس صورت میں) کیا یہ لوگ غالب ہیں (یا مسلمان) ۱۲ ۹۳ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بڑی قوی جماعت ہے سو کوئی دن جاتا ہے کہ (ان کا) گروہ شکست کھائے گا اور (مسلمانوں کے مقابلے میں) پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگیں گے ۱۲

تو کیا حقیقت ہی اگر دنیا بھر کے جن و انس بھی اِس پر کمر بستہ ہوں تو قیامت تک نہ لا سکیں گے - اللہ اللہ یا وہ دم دعویٰ کہ
کسی اَور کو بولنا ہی نہیں آتا یا قرآن کو سُن کر ایسی چُپّی سادھی کہ گویا کسی کے مُونہ میں زبان ہی نہ تھی مسلمانوں سے لڑتے اور
مسلمانوں کی بیخ کنی کرتے رہے اور آخر کار ذلیل ہوئے خوار ہوئے جلاوطن ہوئے اور بہتیرے جان سے گئے مگر اتنا نہ ہو سکا
کہ ایک چھوٹی سی سورت بنا کر میدان میں آتے قرآن جیسے کلام کا بنانا مقدورِ بشر ہوتا تو قرآن کو اشتہار پائے تیرہ سو برس
ہوئے تو کیا بات ہی اِس عرصے میں کہیں نہ کہیں سے تو مخالف آواز آتی پر آتی - اور خیر اَب تک نہیں ہوا تو یار ہا تی صحبت باقی
آگے کو سہی - جو لوگ بڑی بڑی موٹی کتابیں اسلام کی تردید میں لکھتے ہیں وہ اپنی ساری قوت ساری فرصت اسی میں کیوں
نہیں صرف کرتے - پس ہند کے مسلمانوں نے اپنے تئیں زبانِ عربی سے محروم کر کے اپنے ایمان کو ضعیف کر لیا - ان کے پاس بھی
معجزے ہیں مگر وہی از قبیلِ واقعاتِ تاریخی جو شکّی طبیعتوں کو کسی طرح مطمئن نہیں کر سکتے اور نہ اپنے ہی گروہ کو تقلید کی پستی سے نکال کر
اجتہاد کے عرش پر چڑھا سکتے ہیں - اور ممالکِ دُور و دراز کی غیر قوموں سے تو اس کی توقع ہی رکھنا فضول ہی ملکِ چین کے واقعات
کی نسبت **لِی ہنگ چنگ**[۱] کی شہادت ہماری نظر میں کیا وقعت رکھ سکتی ہی جب کہ ہم اُس شخص کے نام تک سے واقف نہیں
کیا ہی حال چینی بودھ مذہب کے معتقد کا نہ ہو گا - اگر اُس کے رُوبرو مثلاً عمرؓ کا نام لیا جائے - اِس کے علاوہ شنیدہ کے بود
مانند دیدہ ایک ایسا سچا کلیہ ہی کہ انسانی فطرت اُس کی مصدق ہی - اسلام میں دیدہ تو یہی ایک قرآنی معجزہ تھا کہ عربی نہ جاننے کی وجہ
سے وہ بھی شنیدہ ہو گیا - پس معجزوں کے اعتبار سے دوسرے مذاہب پر اسلام کی فضیلت ہی کیا باقی رہ گئی اور افسوس ہی کہ
اسلام کی یہ توہین (اور میں توہین کے سوا اس کو کسی اَور لفظ سے تعبیر کر نہیں سکتا) ہم مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی سے ہوئی
مگر ہوئی اور اب اُس کی تلافی عقلاً محال نہیں تو عادۃً ضرور محال ہی - لیکن عربی کے نہ جاننے سے دین کو جو نقصان پہنچا سو پہنچا -
یہ کیسی خرابی کی بات ہی کہ مسلمانوں کی دنیاوی حالت بھی اسی کی وجہ سے بگڑ گئی اور بگڑتی چلی جاتی ہی - اور بڑا خوف ہی کہ کہیں اِن کے
دین کو بھی اپنے ساتھ نہ لے ڈوبے - اَب مسلمانوں کا حال یہ ہی کہ اِن کو اصلِ دین کی تو خبر نہیں اور خبر ہو تو کہاں سے ہو - دین
ٹھیرا قرآن اور وہ عربی اور یہ عربی سے نابلد جو دین دار ہیں اُن کے دین کی بھی بس یہ حقیقت ہی کہ کہیں کسی مولوی سے کچھ سُن سنا لیا
اُس کو پلّے باندھا اور اُس چوہے کی طرح جو ہلدی کی ایک گرہ پا کر اپنے تئیں پنساری سمجھنے لگا تھا دین دار بن بیٹھے - یا بھیڑوں کے
ریوڑ کی طرح اگلی بھیڑ کے پیچھے ہو لیے - وہ اگلی بھیڑ کنوئیں میں گرے تو اور کسی کے کھیت میں جا پڑے تو - وہ تو یوں کہو کہ خدا کو اپنے کرم
سے ظلمت کدۂ ہند کا نُورِ اسلام سے منور کرنا منظور تھا کہ اُس کے ایک خاص الخاص بندے اُس کے مقبول بندے مولانا شاہ
**ولی اللہ** صاحب قدس سرہ العزیز دہلی میں پیدا ہوئے اور اُنھوں نے اور اُن کے خاندان نے ہند میں اسلام کی قریب
قریب ویسی ہی خدمتیں کیں جیسی عرب میں قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے یعنی اصحاب نے تابعین نے تبع تابعین نے ائمہ
مجتہدین نے کی تھیں رضوان اللہ علیہم اجمعین - میرا خیال تو یہ ہی کہ ہندوستان میں اسلام جتنا کچھ بھی ہی اور جیسا کچھ بھی ہی اسی
خاندانِ عالی شان کا طفیل ہی اِن بزرگوں نے اسلام کی اشاعت میں وہ کیا جو دینِ حق کا دل دادہ قوم کا مصلح ہمدرد خیر خواہ
کر سکتا ہی - دین کی کتابوں کے درس دیئے ترجمے کیے وعظ کہے تصنیفیں کیں جزاھم[۲] اللہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسنا

[۱] یہ شخص چین میں فغفورِ چین کے بعد اول درجے کا آدمی ہی ۱۲ [۲] خدائے تعالیٰ ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر در بہتر بدلہ عنایت کرے ۱۲

ہو نہیں سکتا تھا کہ اِن کو ترجمۂ قرآن کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ زبانِ عربی کا اشکال مسلمانوں کا (اور ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ اب سے سوا سو ڈیڑھ سو برس پہلے کے مسلمانوں کا) قصورِ بہت۔ اُن کا عربی سے حرمان اُن کو اچھی طرح سے معلوم تھا۔ چنانچہ قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ وہ ہے جو ۱۱۵۰ھ ہجری میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بزرگ زمانے کے حالات پر کیسی سچی نظر رکھتے تھے کہ ۱۱۵۰ھ میں باپ نے فارسی ترجمے کی ضرورت معلوم کی پھر سو نہیں، دو سو نہیں صرف پچپن برس بعد اُن کے بیٹے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ عام مسلمان فارسی بھی کم سمجھتے ہیں کہ ۱۲۰۵ھ میں اُنھوں نے اُردو ترجمہ کیا جو موضح القرآن کے نام سے مشہور ہے اور اُردو کا بہتر سے بہتر ترجمہ سمجھا جاتا ہے اور وہ فی الواقع اپنے وقت میں بہتر سے بہتر تھا بھی مگر اس سے کہ ۱۱۵۰ھ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فارسی ترجمہ کیا اور ۱۲۰۵ھ میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اُردو۔ صاف ظاہر ہے کہ ۱۲۰۵ھ ہی میں فارسی کا رواج اتنا کم ہو چلا تھا کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو قرآن کا اُردو ترجمہ کرنا پڑا تو اب ۱۳۱۲ھ میں فارسی کا کیا حال ہوا ہو گا بے شک عربی کی طرح فارسی معدوم نہیں ہوئی مگر یہ بیچاری بھی مہمانِ چند روزہ ہے۔ اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمے ماند۔ الحاصل جس غرض سے مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فارسی ترجمہ کیا تھا کہ مسلمان فارسی کثرت سے سمجھتے ہیں اسی ذریعے سے اِن کو قرآن کے مطالب سمجھائے جائیں وہ غرض تو فوت ہو گئی یا عنقریب فوت ہونے والی ہے کہ نہ فارسی دان مسلمان رہیں گے اور نہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ترجمے کو کوئی سمجھے گا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [1] لیکن گو زمانے کے انقلاب نے مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ترجمے کو بیکار سا کر دیا۔ مگر ترجمہ تو حقیقت میں ایسا مستند ہے کہ جو شخص قرآن کے لفظ لفظ میں تیرے وہی اُس کی قدر جان سکتا ہے فی الحقیقت قرآن کے مترجم ہونے کے لیے جتنی باتیں درکار ہیں ترجمے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں علی وجہ الکمال پائی جاتی تھیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا صاحب کی نظر تفاسیر اور احادیث اور دین کی کتابوں پر ایسی وسیع ہے کہ بس اُنھیں کا حصہ تھا۔ اب کوئی ایک عمر صرف کرے تو اُس کو یہ بات نصیب ہو اور وہ بھی شاید۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک آیت بلکہ ہر ایک لفظ کی نسبت مفسرین کے جتنے اقوال ہیں وہ سب اُن کے پیشِ نظر ہیں اور وہ اُن میں جس کو راجح پاتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا اکٹھے دو دو اُردو ایک شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تو اب ہر ایک کو ترجمے کا حوصلہ ہو گیا مگر خاندانِ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا وہ ہرگز قرآن کا مترجم نہیں بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور اُن کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ اُنھیں ترجموں میں اُس نے کچھ ردّ و بدل تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمے کا نام کر دیا ہے یہی ترجمے در ترجمے ہی کی غلطی اور بے احتیاطی تو تھی جس نے پہلی آسمانی کتابوں کا اعتبار اُٹھا دیا اور دین میں ایسا رخنہ ڈالا کہ قیامت تک بند ہونے والا نہیں ایک شخص نے مجھ سے تذکرۃً بیان کیا کہ فلاں مترجم نے اُردو قرآن کا ترجمہ کیا تھا اُس کی انگریزی بھی ہو گئی ہے۔ میں تو یہ سن کر کانپ اُٹھا کہ کہیں میرے اِس ترجمے کے ساتھ کوئی صاحب یہ سلوک نہ کر بیٹھیں۔ اور میں اِس تقریب سے سب کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ میں نے اِسی ڈر سے اِس ترجمے کی رجسٹری کرائی ہے کہ کوئی صاحب کسی زبان میں اِس ترجمے کا ترجمہ نہ فرمائیں۔ ورنہ دنیا کے علاوہ خدا کے روبرو اُن کو جواب دہی کرنی پڑے گی۔ ایک زبان کے مطلب کو دوسری زبان میں ادا کرنے کا نام ہے ترجمہ

---

[1] ہم تو اللہ ہی کے ہیں (وہ ہم کو جس حال میں چاہے رکھے) اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تو وہ ہمارے صبر کا ہم کو اجر دے گا) ۱۲

ترجمے کے معنی بتانے آسان ہیں مگر ترجمہ کرنا مشکل۔ میں بہت پہلے سے ترجمے کے اشکال سے واقف ہوں اور مجکو ایک زبان سے دوسری زبان میں مختلف طور کی کتابوں اور تحریروں کے ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہی اور ہوتا رہتا ہی۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کہ میں ترجمے کو کیسا خیال کرتا ہوں۔ میں نے کتابیں تصنیف بھی کی ہیں مگر ترجمے سے آدھی زحمت بھی تصنیف میں نہیں اُٹھانی پڑی۔ مصنّف کو صرف مضمون کی پابندی ہی اور مترجم کو مضمون کی الگ اور ایک چھوڑ دو دو زبانوں کی الگ۔ بیڑی دونوں کے پانوں میں ہی مگر بیڑی کے علاوہ مترجم کی دونوں مشکیں بھی کسی ہوئی ہیں اور اُس کے گلے میں طوق بھی ہی۔ قرآن کی وہ آیت وَمِنْ اٰیَاتِہٖ[1] خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ کوئی ہزاروں دفعہ پڑھی ہوگی مگر جب تک میں نے قرآن کا یہ ترجمہ نہیں کیا مجکو تو اختلافِ اَلْسِنہ کی قدر کما ینبغی معلوم ہوئی نہیں۔ اختلافِ اَلْسِنہ یہی نہیں ہی کہ مثلاً اہلِ عرب آسمان کو سماء کہتے ہیں۔ زمین کو ارض۔ پانی کو ماء۔ آگ کو نار۔ اگر اسی میں اختلافِ اَلْسِنہ کا انحصار ہو تو یہ کچھ ایسی بڑی بات نہیں لغت کی ایک کتاب یاد کر لینے سے آدمی دوسری زبان سیکھ لے سکتا ہی۔ نہیں اختلافِ لغت کے علاوہ صیغوں کا اختلاف ہی۔ تذکیر و تانیث کا اختلاف ہی۔ تثنیہ و جمع کا اختلاف ہی۔ روابط کا اختلاف ہی۔ محاورات کا اختلاف ہی۔ اشتراک کا اختلاف ہی۔ ترتیبِ الفاظ کا اختلاف ہی۔ اِن میں سے بعض اختلافات ایسے ہیں۔ جن کا رفع کرنا مترجم کے اختیار سے خارج ہی۔ مثلاً محاورات کا اختلاف کہ مترجم زبان کا محکوم ہی نہ حاکم کہ اپنی طرف سے محاورات تصنیف کرے۔ اشتراک کا اختلاف تھوڑی تشریح کا محتاج ہی۔ اِس سے ہماری مراد یہ ہی کہ ہر ایک زبان میں کوئی کوئی لفظ کئی کئی معنوں میں مشترک ہوتا ہی اگرچہ کلام میں ایک خاص معنی مراد ہوتے ہیں مگر اشتراک کی وجہ سے دوسرے معنی بھی سننے والے کے خیال میں آجاتے ہیں اور یہ انتقالِ ذہن ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی اور اِسی پر شاعری کے بڑے حصّے کا مدار ہی۔ تم نے اَنْ مِلیاں سُنی ہوں گی اِن سے اشتراک کا مطلب بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا مثلاً پوچھتے ہیں کہ روٹی کیوں جلی۔ گھوڑا کیوں بگڑا۔ اور پان کیوں گلا اب دیکھو کہ روٹی اور گھوڑا اور پان تین بے جوڑ باتیں ہیں اور اِسی لیے اِن باتوں کو اَن مِلی کہتے ہیں کہ اِن میں میل نہیں۔ پوچھنے والے کا مطلب یہ ہی کہ اِس سوال کے جواب میں صرف ایک لفظ ایسا کہو جو روٹی کے جلنے اور گھوڑے کے بگڑنے اور پان کے گلنے کی وجہ بتلا سکے۔ اِس اَن مِلی کا جواب ہی نہ پھیرنے سے۔ اُردو میں پھیرنا تین قسم کا پھیرنا ہی۔ ایک روٹی کا پھیرنا کہ روٹی توے پر ڈالی۔ جب وہ دونوں طرف سے کسی قدر پک گئی تو اُس کو توے سے اُتار چولھے کے ایک بازو سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ اور اُس کو پھیرتے یعنی گھماتے رہے کہ جلنے نہ پائے۔ دوسرا گھوڑے کا پھیرنا کہ اُس کو کاوا دیا جائے یا یہ کہ چابک سوار یا اَور کوئی اُس کو چکر دے لائے۔ تیسرا پھیرنا پان کا پھیرنا کہ تنبولی اُس کو روز اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہی کہ پان پان سے لگ کر گلنے نہ پائے تو یہ تین قسم کا پھیرنا ہوا جس کے واسطے اُردو میں ایک لفظ ہی کہ وہ اَن مِلی کا جواب ہو سکتا ہی۔ مگر اس کے سوا کسی دوسری زبان میں پھیرنے کے مقابل کوئی ایک لفظ جامع نہیں۔ غرض یہ ایک مشکل ہی جو مترجم کے کیئے کسی طرح رفع نہیں ہو سکتی۔ ہم کو محاورات کے اختلاف کی بھی کچھ تصریح کرنی چاہیئے مگر دیباچہ ہی کہ بڑھتا چلا جاتا ہی۔ تاہم ترتیبِ الفاظ سے ہم درگزر نہیں کر سکتے یہی تو بڑی وجہ ہی جس نے ہم کو ترجمہ کرنے پر مجبور کیا ہی۔ لیکن تم اِس کو دو ہی باتوں میں سمجھ لوگے مثلاً عربی میں فارسی کی طرح پہلے مضاف لاتے ہیں اور پھر مضاف الیہ جیسے غُلَامُ زَیْدٍ یا غلامِ زید مگر اُردو میں بالکل اِس کا اُلٹا ہی زید کا غلام۔ مطلب تو غلام زید کا سے بھی سمجھا جاتا ہی مگر زید کا غلام فصیح اُردو ہی۔ اور غلام زید کا غیر فصیح

[1] اور آسمان و زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری بولیوں اور تمھاری رنگتوں کا مختلف ہونا یہ بھی اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہی ۱۲

اسی طرح عربی میں فعل۔ فاعل اور مفعول دونوں پر مقدم ہوتا ہی جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا اور اُردو میں فعل کو مؤخر لانا پڑتا ہی ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا کا لفظی ترجمہ ہو مارا زید نے عمرو کو مگر غیر فصیح اور فصیح اُردو ترجمہ زید نے عمرو کو مارا جب تین لفظوں کے جملے میں ترتیبِ الفاظ کا یہ اختلاف ہی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ بڑے جملے میں جس کے ساتھ متعلقات کا دُم چھلا بھی لگا ہوتا ہی اگر اہلِ عبارتِ عربی کی ترتیب کا لحاظ کیا جائے تو اُردو کی عبارت کا کیا حال ہو گا۔ یہ ہی وہ بڑی کمی جو مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رح کے ترجمے میں تو سرتاسر اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ کے ترجمے میں بکثرت پائی جاتی ہی اور یوں زبان کے ردّ و بدل کو تو سو برس کی مدت بھی کم نہیں۔ لوگوں کا عام خیال تو یہ ہی کہ انگریزی عملداری میں زبانِ اُردو تنزّل کر رہی ہی مگر یہ خیال غلط اور ابلہ فریب ہی۔ عربی فارسی کی نسبت ایسا خیال کیا جائے تو جا ہی مگر اُردو تو تنزّل کی جگہ پہلے سے بہت ترقی کر گئی ہی اور کرتی چلی جا رہی ہی اور اس کی موٹی سی دلیل یہ ہی کہ لوگ عموماً اُردو میں خط و کتابت کرنے لگے ہیں۔ اسداللہ خاں غالب جو فارسی کے مسلّم الثبوت اُستاد تھے وہ تک تو اُردو پر اُتر پڑے تھے۔ اُن کی اُردوے معلّٰی اِس بات کی گواہ ہی جس میں اُن کے وہ خطوط جمع ہیں جو اُنھوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں اور آشناؤں کو از خود بے کسی کی فرمایش کے لکھے تھے صدہا اخبار جاری ہیں اور سب اُردو۔ ہر علم اور ہر فن کی ہزارہا کتابیں اُردو میں ترجمہ و تصنیف ہو گئیں اور ہو رہی ہیں سرکاری کچہریوں میں اُردو ہی۔ قانون اصل میں انگریزی ہو مگر لوگوں کی آگاہی کے لیے اُردو میں مشتہر کیا جاتا ہی۔ کیا یہ سب باتیں اُردو کی ترقّی کی دلیل نہیں ہاں اُردو کی شاعری کی شان البتہ بدل گئی ہی اس کو کچھ اُردو کا کوئی تنزّل سمجھ لے تو یہ اُس کے اپنے مُونہ کی کہن ہی ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ[1] بہرکیف اُردو نے بہت ترقّی کی ہی اور ترقّی کے معنی کیا ہیں کہ وہ وسیع ہوتی جاتی ہی ہر ایک طرح کے خیالات اُس کے ذریعے سے ادا ہو سکتے ہیں وہ پہلے سے بہت زیادہ آراستہ اور شستہ ہو گئی ہی۔ مولانا شاہ عبدالقادر رح اور مولانا شاہ رفیع الدین رح کے ترجمے زبان کے پُرانے ہونے کی وجہ سے ایسے اُکھڑے نہیں معلوم ہوتے جیسے بے ترتیبیِ الفاظ کی وجہ سے یہ نہیں کہ اِن بزرگوں کو بے ترتیبیِ الفاظ کا علم نہیں ہوا یا اِن کے وقت میں ایسی بے ترتیب اُردو فصیح سمجھی جاتی تھی۔ نہیں یہ لوگ بجائے خود اُردو کے لیے سَنَد تھے مگر بات یہ ہی کہ ایک طرف ترتیبِ الفاظِ قرآن کا پاس اور دوسری طرف اُردو کی فصاحت۔ اِن کی دین داری نے اجازت نہ دی کہ ترتیبِ الفاظِ قرآن کے مقابلے میں اُردو کی فصاحت کا پاس کریں۔ ترتیبِ الفاظِ قرآن کا پاس اپنے اُوپر لازم تو کیا یہاں تک کہ وہ عَلَی السَّمَآءِ کا ترجمہ آسمان پر کی جگہ اوپر آسمان کے اور فِی الْاَرْضِ کا ترجمہ زمین میں کی جگہ بیچ زمین کے کرتے ہیں مگر مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ کا ترجمہ "سے آسمان تک زمین" تو نہیں کر سکتے ترجمہ تو ترجمہ کثرت سے عربی پڑھنے نے اُن کے مذاقِ اُردو پر یہ اثر کیا تھا کہ باوجودیکہ ترجمہ نہیں مگر الفاظ کی بے ترتیبی اُن کی اپنی اُردو میں بھی ہی اِس وقت ہمارے سامنے مطبع فاروقی کا چھپا ہوا ایک قرآنِ مترجم موجود ہی جو ۱۲۹۴ھ میں چھپا تھا اور اُس میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رح اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح کے تینوں ترجمے بین السطور ہیں۔ شروع میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح کے ترجمۂ موسومہ فتح الرحمٰن کا دیباچہ ہی اُس کے حاشیے پر مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح کے ترجمۂ موسومہ موضح القرآن کا دیباچہ ہی ہم مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح کے دیباچے کی عبارت اس جگہ نقل کرتے ہیں کیونکہ اُنھیں کا ترجمہ بامحاورہ سمجھا جاتا ہی۔ اور مولانا شاہ رفیع الدین رح کے ترجمے کے مقابلے میں وہ ایسا ہی ہی وہ فرماتے ہیں "الٰہی شکر تیرے احسان کا ادا کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان کو گویائی اپنے نام کی اور دل کو

[1] یہ اُن کے مُونہ کی کہن ہی ۱۲

روشنی دی اپنے کلام کر اور اُمت میں کیا اپنے رسولِ مقبول کی جو اشرف الانبیا اور نبی الرحمۃ جس کی شفاعت سے اُمیدوار ہیں ہم کہ پاویں دو جہان کی نعمت الٰہی اس نبی اُمت پرور کو اپنی رحمتِ کامل سے درجات اعلیٰ نصیب کر جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت اُن پر ہمیشہ افزوں رکھ دُنیا اور آخرت میں" ہم نے یہ عبارت بہت احتیاط سے نقل کی ہی اگر اس میں کوئی لفظ بدل گیا ہی یا آگے پیچھے ہو گیا ہی یا رہ گیا ہی تو ہم پر اس کا الزام نہیں یہ نمونہ ہی مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی آزاد طبع زاد اُردو کا اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اِن کے ترجمے کو جس میں چار و ناچار پابندی کرنی پڑتی ہی۔ اگرچہ ہم دیباچہ کی زبان "گو گویائی" اور "اپنے نام کر" اور "اپنے کلام کر" کی خوبیوں کو نہ سمجھیں مگر با ایں ہمہ ترجمہ اپنے وقت میں اور اپنی شان میں بے نظیر تھا۔ لیکن اُس کی بے ترتیبی اور اُس کے انقباض نے عوام کو وہ فائدہ نہ ہونے دیا جس کی مترجم نے توقع کی تھی۔ لوگ اس کو مجبوری پڑھتے ہیں۔ اس لیئے کہ اس سے بہتر اَور کوئی ترجمہ نہیں مگر جیسا کہ چاہیئے خوش نہیں ہوتے اور اکثر جگہ سے تو سمجھتے بھی نہیں شوق سے پڑھنا شروع کرتے اور اُکتا کر چھوڑ دیتے ہیں مسلمان ایسے کہاں کے کلامِ الٰہی کے دل دادہ تھے وہ جو کہتے ہیں اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ترجمہ ہونا چاہیئے تھا سلیس شگفتہ مطلب خیز۔ بامحاورہ کہ ایک بار نظر ڈالو تو چھوڑنے کو جی نہ چاہے صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق پڑھتے چلے جاؤ اور طبیعت نہ گھبرائے۔ اصلِ قرآن کی سی فصاحت کا تو آنا محال ہی مگر مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ[1]۔ جہاں تک ہو سکے اور جتنا ہو سکے۔ اب قرآن کی اور موجودہ ترجموں کی مثال یہ ہی کہ جیسے ایک حد درجے کا حسین آدمی ہی۔ مگر اس کا لباس اُس کے حسن کے شایاں نہیں۔ لوگ تو مدّتوں سے اچھے ترجمے کی تلاش میں ہیں مگر کام فی نفسہ ایسا مہتم بالشان ہی کہ اُس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہر ایک کا حوصلہ نہیں پڑتا۔

یہ کام حقیقت میں اُن مولویوں کے کرنے کا تھا جنھوں نے اپنا وقتِ عزیز وقفِ خدمتِ دین کر رکھا ہی۔ دینیات کا درس دیتے وعظ فرماتے اور فتوے لکھتے ہیں۔ مگر اُن میں سے بعض تو اس کام کے سرانجام کرنے کی لیاقت ہی نہیں رکھتے بعض جن کو لیاقت ہی وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ[2] اپنے مشاغل کے آگے اِس کو ضروری نہیں سمجھتے لیکن تیس۳۰ تیس۳۰ پینتیس۳۵ پینتیس۳۵ برس سے تو ترجمے کے لیئے لوگوں نے میری جان کھا رکھی ہی اور یہ اُنھیں سے پوچھنا چاہیئے کہ کیوں میرے دَرپے ہیں۔ میرا حال یہ ہی کہ دلی کالج میں اعلیٰ درجے تک عربی کی تعلیم پائی اور جن چیزوں کی کالج میں کمی تھی اُن کو کالج کے باہر اپنے طور پر تمام کیا۔ پڑھا سب کچھ مگر طبیعت میں زبان کا خلقی مذاق تھا۔ امتحان ہوتا تو ہندسہ۔ ریاضی۔ تاریخ وغیرہ کی کمی کو ادبِ عربی تلافی کرتا رہتا۔ باوجودیکہ اُن دنوں شہر کے علما کالج کے طَلَبہ کو لیاقت کے اعتبار سے وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور لوگوں کو کالج کی طرف سے مذہبی بدگمانی بھی تھی اور والدِ مرحوم کو جو بڑے پکے دین دار تھے مجھے اُن وقتوں کا سا مولوی بنانا منظور تھا تاہم مجھے اَب معلوم ہوا کہ کیوں میری طبیعت میں زبان کا مذاق رکھا گیا تھا اور باوجود چند در چند مزاحمتوں کے کیوں میں کالج میں داخل ہوا تھا۔ بات یہ ہی اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ شَیْئًا هَیَّأَ اَسْبَابَهٗ[3] خدا کو مجھ سے اپنے کلامِ پاک کی خدمت کرانی منظور تھی اور مجکو اُس وقت سے اس کے لیئے تیار کیا جاتا تھا۔ جب کہ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ کہ میں ایسی خدمت کر سکوں گا۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُس نے زبان کا مذاق میری طبیعت میں رکھا۔ میرے ہم جماعت جن میں بعض مجھ سے ذہن میں کم تھے۔ ریاضی کے مسائل کو مجھ سے بہت بہتر سمجھتے تھے اور میرا یہ حال تھا کہ ریاضی کا نام آیا اور مجکو لرزہ چڑھا۔ اس کے برخلاف میرے ہم جماعت جن میں سے بعض کا حافظہ مجھ سے قوی تھا اور وہ محنت بھی مجھ سے زیادہ کرتے تھے

[1] جو چیز تمام و کمال حاصل نہ ہو سکے اُس کو بالکل ہی چھوڑ دینا بھی نہیں چاہیئے ۱۲ [2] اور وہ بہت ہی تھوڑے ہیں ۱۲ [3] خدا جب کچھ کرنا چاہتا ہی تو اُس کے اسباب مہیا کر دیتا ہی

اُن کو عربی کی عبارت یاد نہیں ہوتی تھی اور مجکو سیکڑوں شعر اور نثر کے ورق کے ورق ازبر۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ میں کالج میں داخل ہوا
نہ کالج میں داخل ہوتا۔ نہ عربی کا مذاق ترقی پکڑتا۔ کیونکہ سلسلۂ نظامی میں ادب کا نام ہی نہ تھا کالج سے نکل کر پیٹ کے دھندے میں
لگ گیا۔ لیکن اس حالت میں بھی مطالعے سے بے تعلقِ محض نہیں رہا۔ مگر کتاب بھی دیکھتا تو ادب کی یا حدیث کی کہ وہ بھی ادب
کی جان ہی یا شاذ و نادر تاریخ۔ اِسی ادبی مذاق کا نتیجہ تھا کہ مَیں طالب العلمی کے زمانے سے قرآن کا گرویدہ ہوں اُس وقت بھی دینداری
ہی کے تقاضے سے نہیں بلکہ زبانِ عربی کی لذت کی وجہ سے مجکو قرآن کے رکوع کے رکوع اور سورتیں کی سورتیں زبانی یاد تھیں۔
اور امتحان میں جب کبھی کسی لغت یا محاورے کے لیئے استشہاد کی ضرورت پڑتی مجھے اچھی طرح خیال ہی کہ اکثر مجکو قرآن کی سند برمحل
یاد آجاتی تھی۔ خیر وہ بھی ایک وقت تھا جس کو گزرے ہوئے مدّتیں ہوگئیں۔ یہ اب کوئی پندرہ برس کا مذکور ہی کہ میں حیدرآباد میں تھا
کام کی یہ کثرت کہ سر کھُجانے کی فرصت نہیں اتّفاق سے ایک دوست بیمار پڑے اور میں برابر کئی مہینے حیدرآباد میں ٹھیر کر
اُن کی بیمارداری کرتا رہا۔ ایسے اوقات میں طبیعتوں کو رجوع الی اللہ تو ہوتا ہی ہی مَیں بھی اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتا۔ تلاوت
کرتے کرتے بھولی بسری سورتیں بھی پھر ذہن پر چڑھ گئیں اور کچھ نئی سورتیں یاد کرلیں ان سب کا مجموعہ قرآن کا ایک اچھا خاصہ
حصہ ہوگیا۔ تب خیال آیا کہ لاؤ قرآن کو پورا کرلوں خدا کے فضل سے چھے مہینے سے کم ہی کم میں سارا قرآن حفظ ہوگیا لوگ چھے مہینے
کا نام سُن کر تعجب کرتے تھے مگر مَیں تو اپنے مذاقِ عربی سے واقف تھا مَیں نے نہ تو کبھی اس مُدت پر تعجب کیا اور نہ کبھی اپنے
حافظے کو معمولی سے زیادہ اچھا سمجھا پھر ترکِ خدمت کرکے خانہ نشین ہوا تو کتاب بینی کا شغل بڑھ گیا۔ مگر کتابیں وہی ادب کی یا
حدیث یا شاذ و نادر تاریخ۔ یہاں تک کہ حدیث کی وہ عمدہ کتاب تیسیر الوصول إلی جامع الاصول فی احادیث الرسول
دیکھنے کا اتّفاق ہوا۔ صاحبِ کتاب نے صحاحِ ستہ کے دریا کو اس کتاب کے کوزے میں بند کیا ہی یہ خیال تو دل میں جما ہوا تھا
ہی کہ مسلمانوں کو دینیات کے ترجموں کی سخت ضرورت ہی۔ اور لوگوں نے حدیث کی بعض کتابوں کے متفرق ترجمے کیئے بھی
ہیں مگر اچھے نہیں۔ بے اختیار جی میں آیا کہ لاؤ تیسیر کا ترجمہ کریں کہ اس کا ترجمہ ہوئے پیچھے صحاح کے ترجمے کی ضرورت باقی
نہیں رہے گی۔ چنانچہ ایک ربع کا ترجمہ پورا ہو بھی گیا۔ اگرچہ ہنوز اُس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی تیسیر کے پہلے ربع میں واقع ہوئی
کتاب التفسیر اور اُس میں تھیں قرآن کی آیتیں چار و ناچار اُن کا بھی اپنے طور پر ترجمہ کرنا پڑا میں قرآن کے ترجمے کی ضرورت کو
مُدّتوں سے سمجھا بیٹھا تھا مگر ایسی جرأت کرتے ہوئے جی ڈرتا تھا کہ خدا کا کلام ہی اور دینِ اسلام کا دارمدار اسی پر ہی اس کے ترجمے کو بڑی
لیاقت اور بڑی معلومات چاہیئے لیکن سوچا کہ لیاقت اور معلومات والے تو اس طرف متوجہ نہیں اور زمانے کا رنگ ایسا آگر پڑا ہی کہ اس
قسم کے لوگ روز بروز دنیا کے پردے سے اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔ نئی پود ھ تیار نہیں ہوتی اور پُرانی کہاں تک وفا کرے جو مرتا ہی
کوئی اُس کا جانشین نہیں ہوتا اور وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ جیسی تھوڑی بہت بُری بھلی لیاقت اپنے میں ہی اُس کا بھی خاتمہ ہی ہی
تو جب مَیں نے تیسیر میں سے کتاب التفسیر کا ترجمہ کیا اور اُس کے ضمن میں آیاتِ قرآنی کا۔ تو ایک دَم سے میری رائے بدل گئی اور میں نے
کہا آیاتِ قرآنی جیسی حدیث میں ویسے قرآن میں۔ حدیث میں آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کروں اور قرآن کا نہ کروں تو میری وہی مثل ہوگی
کہ گڑ کھاؤں اور گلگلوں سے پرہیز۔ اس خیال نے ایسا آگر دبایا کہ مَیں نے تیسیر کا ترجمہ تو کیا موقوف اور بسم اللہ کرکے قرآن کا ترجمہ
شروع کردیا۔ اپنی چھاچھ کو کون کھٹا کہا کرتا ہی۔ ہر کسے را عقلِ خود بکمال میں تو اپنے ترجمے کی تعریف کروں ہی گا۔ مگر اپنے مُونہ میاں مٹھو

کا طعنہ کون سُنے - میں تو بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ مَیں نے ترجمے کے عیب و صواب ترجمے کی مشکلات - کلامِ الٰہی کی عظمت ان سب باتوں کو اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر خالصاً لِوجہ اللہ ترجمے کے لیئے قلم اُٹھایا - اور وقت اور محنت اور زر کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ نہیں کیا - اب جس کا کلام ہی اُس کے کرم کی اُمید واری ہی کہ اِس خدمت کو محض اپنے فضل سے قبول فرمائے اور اِس کو مجھ نالائق کا عملِ صالح سمجھ کر میرے گناہوں کا جن کی کوئی حد و انتہا نہیں کفّارہ کرے **آمین** ترجمے کے حق میں یہ ایک فالِ نیک تھی کہ حُسنِ اتفاق سے مولوی **ابو عبدالرحمٰن محمد**[۵۱] صاحب ہاتھ آگئے اور وہ شروع سے آخر تک میرے شریک بلکہ ایک اعتبار سے شریکِ غالب اور مددگار رہے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھتے - بیچ میں میز حائل ہوتی - میرے ہاتھ میں قرآن مجید اور کبھی مَیں نے حفظ پر اعتماد کیا تو قرآن بھی نہ سہی - مولوی محمد صاحب کے گرداگرد تراجم اور تفاسیر اور کتبِ لغت مَیں ایک جملے یا ایک آیت کا ترجمہ جیسا الفاظِ قرآن سے سمجھتا تھا بولتا اور مولوی محمد صاحب اُس کو قلمبند کرتے اور پھر مُجھ میں اور مولوی محمد صاحب میں بحث ہوتی اور اختلاف کی صورت میں تراجم اور تفاسیر اور لغت کی طرف رجوع کیا جاتا - اسی طرح پر سارے قرآن کا ترجمہ کیا گیا - پس یہ ترجمہ براسہ قرآن کا ترجمہ ہی نہ دوسرے ترجموں کی طرح کسی ترجمے کا ترجمہ - اِس کا ماخذ قرآن کے الفاظ ہیں نہ کسی مفسّر یا مترجم کے - پھر ہم دونوں نے ترجمے پر نظرِ ثانی کی مولوی محمد صاحب ترجمہ پڑھتے اور مَیں عبارت کی سلاست اور الفاظ کی نشست کا دھیان رکھتا اور ترجمے کو الفاظِ قرآن سے ملاتا اور پھر ہم دونوں میں پہلے کی طرح بحث ہوتی - اکثر ایسا ہوا ہی کہ بحث میں رنجش بھی ہو جاتی تھی مگر چونکہ دونوں کی نیت بخیر تھی ہم دونوں نے کبھی مناظرے کی حد سے تجاوز نہیں کیا - ابھی اختلاف کر رہے تھے - ابھی متفق ہو گئے - ابھی لڑے - ابھی ملے - ایسی کاوش کے ساتھ ترجمہ اور نظرِ ثانی کرنے پر بھی ہم نے بہتیرا چاہا کہ لوگ ترجمے کو دیکھیں اور نکتہ چینی کریں مگر کسی نے ہامی نہ بھری اور یوں کوئی اُڑتی ہوئی سُن بھاگا اور چلتی ہوئی سی ایک بات کہہ دی تو گو ہم نے اُس کو بھی رد نہیں کیا مگر دل کی ہوس پوری نہ ہوئی - ترجمے کی کاپیاں عام جگہ میں پڑھی اور مقابلہ کی جاتی تھیں اور بہت لوگوں کو معلوم ہوا کہ نیا ترجمہ چھپ رہا ہی مگر کوئی رُخ ہی نہ دے تو کیا کیا جائے اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کَارِهُوْنَ صرف سورۂ بقرہ اور کچھ سورۂ آلِ عمران کے لیئے مولوی حافظ **عبدالوہاب**[۵۲] صاحب کی شمولیت سے جلسے ہوئے اور بڑی تفتیش کے ساتھ ترجمہ دیکھا گیا - مگر مشکل یہ آ کر پڑی کہ مولوی عبدالوہاب صاحب آنکھوں سے معذور اور وہ ایک ایک لفظ کے لیئے تمام تفاسیر اور تراجم لفظ لفظ پڑھوا کر سنتے تھے اور آدھے دن کی پوری محنت میں ایک رکوع بھی تمام نہیں ہوتا تھا اگر اسی طرح پر نظرِ ثانی کو چلنے دیا جاتا تو مجکو اپنی زندگی میں ترجمے کے تمام ہونے کی توقع نہ تھی مجبوری اِس طرز کو موقوف کیا پھر بھی جو ڈھنگ سورہ بقرہ کے ترجمہ کا پڑ گیا تھا اُس کو آخر تک نباہا - ایک مولوی **فتح محمد خان**[۵۳] صاحب جالندھری نے نئے ترجمے کا نام سُنا اور بیٹھ گئے تھے

[۵۱] مرحوم مولوی ابو عبدالرحمٰن صاحب متوطن پنجاب بڑے لائق اور سمجھ دار عالم تھے حدیث و تفسیر میں بہت اچھی مہارت رکھتے تھے اِن کو ادب میں جناب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی مترجم القرآن کی شاگردی کا فخر حاصل تھا ۱۲ (محمد رحیم بخش) [۵۲] کیا ہم اُس کو نہ دیکھتے گلے پڑے ہیں اور تم ہو کہ اُس کو ناپسند کیئے چلے جاتے ہو ۱۲ [۵۳] حافظ صاحب بھی جناب مترجم کے مستفیدوں کے زمرے میں شامل ہیں ۱۲ (محمد رحیم بخش) [۵۴] مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری ایک مانۂ دراز تک ہمارے مولانا شمس العلماء کی لیاقتِ علمی کے غائبانہ معتقد رہے اور اُن کے علوم و زبان سے برسوں مستفید ہوا کیئے کبھی کبھی یہاں بھی تشریف لائے اور اپنے وطن میں بھی بہت دنوں تک جناب ممدوح کا حقِ استفادہ ظاہر کرتے اور عقیدتمندانہ تحریروں سے اس کا ثبوت دیتے رہے حتّٰی کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب کے ہاں صاحبزادی پیدا ہوئی تو اُنھوں نے اپنی اُس قدیم عقیدتمندی کی وجہ سے وحیدہ کا نام مولانا سے تجویز کرایا اور مولانا کے تجویز (بقیہ برصفحہ دیگر)

اور باصرار مسودہ منگوایا۔ میں نے اُن کو لکھا کہ ارادتمندانہ نہیں بلکہ مخاصمانہ اور معترضانہ نظر سے دیکھیں اور اُنھوں نے اسی نظر سے دیکھا اور تمام تر دیکھا اور خوب دیکھا اُس وقت تک ہم نے ترجمے کی عبارت کی خوبی کے پیچھے اصل مطلب کا تو نہیں مگر ترتیب الفاظ کا اور خود الفاظ کا بھی جس قدر خیال کرنا ممکن تھا نہیں کیا تھا مولوی فتح محمد خاں نے ہم کو روکا اور بیجا روکا اور ہم نے سارے ترجمے کو پھر تیسری بار دیکھا اس وقت تک ہمارا ترجمہ بطور ایک کتاب کے علٰحدہ لکھا ہوا تھا۔ اب کاپی لکھنے کی نوبت آئی تو جہاں جہاں حک و اصلاح کی وجہ سے زیادہ مشکوک ہو گیا تھا مولوی محمد صاحب نے کاتب کے لیئے اُس کو نقل کیا۔ نقل کرتے وقت جو اشتباہات واقع ہوتے وہ اُن کو میرے روبرو پیش کرتے اور یہ چوتھی نظر ہوئی مگر بالاستیعاب نہیں اَب یہ تجویز در پیش ہوئی کہ ترجمہ کس پیرائے میں چھپے کبھی خیال آیا کہ مقابل متن کسی نے کہا کہ صفحے کے اَعلیٰ حصّے میں متن اور اسفل میں ترجمہ۔ لیکن معلوم تھا کہ جو مسلمان پُرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ ذرا سی تبدیل و تجدید سے بھی بھاگتے ہیں اور صرف ایسا ترجمہ لینا چاہتے ہیں جو بین السطور ہو۔ چنانچہ نقش اول کے لیئے یہی طرز اختیار کیا گیا ہی۔ اور اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اوپر متن اور نیچے ترجمہ ہونے سے اصل و ترجمہ کے الفاظ کی کمی و بیشی کھُل پڑی۔ اِس نوبت میں حکیم مولوی عبداللہ صاحب سے بڑی مدد ملی کہ اُن کی طالب العلمی جدید العہد ہی اور الفاظ کی جامعیت و مانعیت پر اُن کی نظر خوب دَوڑتی ہی۔ ترجمے پر ہماری یہ پانچویں نظر ہوئی اور پچھلی سب نظروں سے اس میں زیادہ کاوش کرنی پڑی۔ پھر ایک چھٹی نظرِ مختتم پروف کی تھی۔ اِس طریقِ عمل سے ظاہر ہی کہ یوں کہنے کو تو ہم نے ڈھائی برس ترجمہ پر صرف کیئے مگر ایک حساب سے رات دن اسی کے پیچھے پڑے رہے۔ تو وہ ڈھائی برس نہیں ہیں بلکہ پانچ یا شاید

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کیئے ہوئے نام سے مساۃ کو فخراً شہرت بھی دی۔ ہمارے مولانا کی طبیعت چونکہ سپاس پسند اور فطرۃً رحم دل واقع ہوئی ہی آپ بھی مولوی فتح محمد خاں صاحب کی اِس شکر گزاری پر طرح طرح سے اُن کے ساتھ سلوک کرتے رہے یہاں تک کہ ایک موقع پر جب کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب کی ہونہار صاحبزادی نے لکھنا سیکھا اور اُس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ حرف مولوی فتح محمد خاں صاحب نے مولانا کے پاس بھیجے تو آپ نے خوش ہو کر تبرعاً و انعاماً سونے کی ایک خوبصورت انگوٹھی بھیجی اور پھر مولوی فتح محمد خاں صاحب کی طلب و استبداد پر چار سو یا شاید تین سو روپے قرض حَسَن دیئے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ اَلقَرضُ مِقراضُ المُحَبَّۃِ۔ روپیہ کا قرض دینا تھا کہ دونوں صاحبوں میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا ایک مدت کے بعد مولانا نے روپے کا مطالبہ کیا مولوی فتح محمد خاں صاحب کانوں میں تیل ڈال کر چپکے بیٹھ گئے۔ اُدھر سے روپے کے ادا کرنے پر پہلو تہی دیکھی گئی تو مولانا نے تقاضے میں سختی کی۔ آخر کار بہزار وقت کچھ روپیہ وصول ہوا اور کچھ باقی رہ گیا جو اب تک بھی باقی ہی اس پر مولوی فتح محمد خاں صاحب بالکل ہتے سے اُکھڑ گئے اور مولانا کے مقابلے میں شاید اس خیال سے کہ مولانا کے ترجمۃ القرآن کی اشاعت میں ضعف پیدا ہو اور اس سے اُن کو کچھ نقصان پونہچے قرآن کا ایک نیا ترجمہ کر کے چھپوا دیا۔ ترجمے کے عیب و صواب پر تو ہم اِس وقت ریمارک کرنے بیٹھے نہیں اور نہ اُس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اہل انصاف دونوں ترجموں کو سامنے رکھ کر خود موازنہ کرلیں مگر اتنا کہے بدون تو رہ نہیں سکتے اور یہ بالکل واقعی اور نفس الامری بات ہی کہ ترجمہ جیسا کچھ بھی ہی اور جتنا کچھ بھی ہی یہ ہمارے مولانا ہی کے اُس خرمن علوم کے ایک ذرّے کا کرشمہ ہی جسے مدتوں مولوی فتح محمد خاں صاحب ارادتمندانہ حاصل کرتے رہے اور ہمیں توقع ہی کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب کو بھی اِس سے انکار نہ ہوگا ہمیں اس مقام پر اس نوٹ کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی مگر جب ہم نے بعض لوگوں کو کہتے سنا کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب مولانا کے دیباچے کی اِس عبارت سے استشہاد کرتے ہیں کہ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کے ترجمۃ القرآن میں ایک خاص طرح کا نقص تھا جس کو میں نے دور کیا اور میرا ترجمہ نقائص سے پاک ہی تو ہم کو لوگوں کے اِس وہم کا رفع اور مولانا کی دیانۃ کا ظاہر کرنا منظور تھا کہ باوجودیکہ ترجمہ ہوتے وقت جس قدر لوگ شریک ترجمہ تھے سب مولانا کے تلامذہ اور مستفیدین میں تھے مگر مولانا نے حق دیانۃ ظاہر کرنے کے لیئے ہر ایک کی خدمت کا الگ الگ ذکر فرمایا اور بجا فرمایا اس سے مولوی فتح محمد خاں صاحب اپنے دعوے کو مدلل کر نہیں سکتے اور کہیں گے تو مانے گا کون ۱۲ (محمد رحیم بخش) لہ یہ صاحب بھی حضرت مترجم کے تلامذہ میں ہیں ۱۲

اِس سے بھی زیادہ اَور لوگ تو صرف نظرِ ثانی کو کافی سمجھا کرتے ہیں ہم نے چھ بار ترجمے کو دیکھا اور پرتالا ہے اِس پر بھی ترجمے میں اگر کوئی کسر باقی[۵۱] رہ گئی ہو اور ضرور رہ گئی ہوگی تو میں بھی بندہ بشر ہوں لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ[۵۲] شعر الا لیقل من شاء فانشاء انما یلام الفتی فی ما[۵۳] استطاع من الامر ۔ اگرچہ یہ ترجمہ میرے نام سے شائع کیا جاتا ہے۔ مگر میں نے تو سارا حال پوست کندہ ظاہر کر دیا ہے حقیقت میں یہ ترجمہ مولویوں کی ایک جماعت کا ترجمہ ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جتنے آدمی اِس ترجمے میں شریک تھے زبانِ اُردو کے اعتبار سے میں سب میں پیش پیش تھا اور کچھ یوں ہی سا ادبِ عربی میں۔ سو ویسی ہی اَور لوگوں کی دینی معلومات مجھ سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ لوگ مشاہیرِ علما میں سے تو نہیں ہیں اور مشاہیر میں ہوتے تو ہمارے ہتھے ہی کیسے چڑھتے مگر اس میں شک نہیں کہ سب کے سب بجائے خود عالم ہیں۔ عالموں سے بہتر کام دیں اور عالموں کے سے نازِ بے جا نہ کریں۔ مانا کہ ہم میں سے کوئی بھی جیّد عالم نہیں۔ مگر اِس میں نہ مبالغہ ہے نہ خود ستائی کہ ہم سب مل کر ایک ایسے جیّد عالم کے قائم مقام ہیں کہ سارے ہندوستان میں اِس جامعیت کا کوئی ایک آدھ ہی ہوگا۔ ترجمے کے لیے جتنی معلومات درکار ہے ہم سب کی مجموعی معلومات جو پہلے سے تھی اور بہت کچھ مطالعۂ تفاسیر و احادیث و کتبِ لغت سے فی الوقت بڑھائی گئی کافی ہے۔ اِس ترجمے میں بعض خصوصیتیں بھی ہیں جن سے ترجمے کے پڑھنے والوں کو آگاہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اوّل تو ہم نے اپنے نزدیک بڑی بات یہ کی کہ پیغمبروں کی نسبت تو تڑاق یا اُن کی نسبت مفرد ضمیروں کا استعمال گو وہ خدا ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو زبان کے اعتبار سے سامع پر گراں گزرتا تھا ہم نے اِس طریقے کو بدل دیا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ کا ترجمہ اَور لوگ کرتے ہیں "ہم نے تجکو بھیجا" اور ہم نے کیا "ہم نے تم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا" اِسی طرح لفظِ قَالَ خدا کی طرف بھی منسوب ہے اور بندوں کی طرف بھی اور فرشتوں کی طرف بھی۔ اور شیطان کی طرف بھی غرض جو قائل ہو اُس کی نسبت عربی میں قَالَ ہی کہا جائے گا ہم نے مناسبِ مقام کہیں فرمایا کہیں عرض کیا کہیں دعا کی ترجمہ کیا دوسرے ہم نے اپنی طرف سے جا بجا عبارتیں زیادہ کی ہیں اور امتیاز کے لیے اُن کو خطوطِ ہلالی میں محصور کر دیا ہے مگر ہم نے جو عبارت اپنی طرف سے زیادہ کی اُس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم نے ترجمے کو تفسیر بنا دیا ہے۔ نہیں ترجمہ ترجمہ ہی ہے۔ اور ایسی ہی ضرورت دیکھی ہے تو کہیں توضیحِ مطلب کے لیے۔ کہیں محذوف یا مقدّر کے اظہار کے لیے۔ کہیں تسلسلِ کلام کے لیے۔ کہیں کلامِ سابق و لاحق کا تعلق دکھانے کے لیے اور کہیں تحسینِ ترجمے کے لیے بھی عبارت بڑھائی ہے اصل غرض یہ ہی ہے کہ ترجمے کا پڑھنے والا قرآن کا نفسِ مطلب بخوبی سمجھ لے اور جہاں خطوطِ ہلالی سے بھی کام نہیں نکلا تو ہم نے حاشیے پر فائدے لکھے ہیں سمجھنے والا سمجھ گیا ہوگا کہ خطوطِ ہلالی کا التزام کرنے سے ہم نے اپنے اوپر ایک قید اَور بڑھالی اور ہم کو یہ دیکھنا پڑا کہ نرا ترجمہ پڑھیں یا خطوطِ ہلالی کی عبارت کو ملا کر پڑھیں دونوں صورتوں میں حتی المقدور عبارت پایۂ سلاست سے ساقط نہ ہو اور اِس کا نباہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ سب کچھ تو ہوا مگر اس کا کیا علاج ہے کہ عموماً مسلمان قرآن کے مطلب سمجھنے کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اِن میں سے جو قرآن پڑھتے بھی ہیں وہ مُونہ سے الفاظِ قرآن کے ادا کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور اُن کا خیال یہ ہے کہ قرآن اِسی غرض سے نازل ہوا کہ اُس کے الفاظ جس سے جتنی دفعہ ہو سکے طوطے کی طرح کہہ لیے جائیں اُن کو مفہوم سے کچھ غرض و مطلب ہی نہیں پھر اِس خیال کو ترقی کرتے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی موٹے حرفوں کا ضخیم قرآن لیے ہوئے نمازِ صبح سے فارغ ہو کر مسجد میں روشنی کا منتظر بیٹھا ہے آخر جب آفتاب نکلنے کو ہوا یا نکل آیا اُس نے احتیاط سے قرآن کو رحل پر پھیلایا عینک لگائی۔ کچھ آپ

---

۵۱ خصوصاً زیادہ اصلاح کی وجہ سے چھاپے کی کتابت میں ۱۲ ۵۲ نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۱۲ ۵۳ سنو! جو جس کی جی میں آئے کہے آدمی تو اُسی کام میں ملامت کیا جا سکتا ہے جو اُس کے کرنے کا ہو ۱۲

تنا کچھ رحل کو سر کا یا اور جب منظر ٹھیک ہو گیا تو اُس نے قرآن پڑھا جتنا خدا کو اُس سے پڑھوانا منظور تھا پھر اٹک اٹک کراور لفظوں کو دو ہرا دو ہرا کر مولوی شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمے کے چند رکوع پڑھے مگر سمجھنے کے قصد سے نہیں بلکہ جس ارادت اور عقیدت سے اُس نے قرآن پڑھا تھا اُسی ارادت اور عقیدت سے اُس نے ترجمہ پڑھا اور دعا مانگ قرآن کو تہ کر بغل میں داب لکڑی ٹیکتا ہوا گھر کا رستہ لیا ایسے لوگوں کو اور افسوس کہ اکثر ایسے ہی ہیں نہ کسی جدید ترجمے کی ضرورت ہے اور نہ وہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمے میں اور اِس میں فرق کریں گے۔ اِس ترجمے کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ترجمہ عربی اور اُردو کے اختلاف کو پورا پورا ظاہر کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اُردو کی عربی کرنے کی مہارت کرنی چاہے تو اُس کو چاہیئے کہ ہمارے ترجمے سے مثلاً ایک جملہ لے اور اُس کی عربی کرے اور پھر قرآن کی عربی سے ملائے ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ قرآن کی سی عربی لکھنے پر قادر ہو جائے گا کہ یہ تو محال عقل ہے مگر ہاں اُس کو اتنا سلیقہ آجائے گا کہ الفاظ اُردو میں کس جگہ رکھے جاتے ہیں اور عربی میں اُن کو کہاں لے جانا پڑتا ہے۔ اور یہی ترجمے کا گُر ہے۔ اِس ترجمے کی آخری خصوصیت یہ ہے کہ ہم نے مضامینِ قرآن کی ایک فہرست بنائی ہے یہ کام مقدار میں تو کم تھا مگر اشکال میں بہت۔ قرآن ایسا منتظم کلام ہے کہ اُس کا کوئی لفظ بے کار نہیں۔ فہرست نہیں ہے مگر ایک طرح کا خلاصہ اور خلاصہ بے حارف و زوائد ہو نہیں سکتا۔ اور قرآن میں زوائد کا نام نہیں تاہم زمانے کی ضرورتوں پر نظر کر کے ہم نے ایک فہرست بنائی۔ مجکو تو اس فہرست میں صرف اتنا ہی دخل ہے کہ میں نے اس کا ڈھانچ کھڑا کر دیا۔ اور باقی جو کچھ ہے حافظ مولوی محمد صاحب[۹۱] شاہجہانپوری کے فکر کا نتیجہ ہے۔ جس ربط و ضبط کے ساتھ اُنھوں نے اِس فہرست کو بنایا ہے وہ اُنھیں کا حصّہ تھا اور اُنھیں سے ہو سکتا تھا۔ مترجم کو اور خاص کر عربی کے مترجم کو اور عربی میں سے بھی کلامِ الٰہی کے مترجم کو قدم قدم پر مشکلات پیش آتی ہیں اور سب کو جمع کیا جائے تو بجائے خود ایک کتاب ضخیم ہے مگر ہم نے اتفاقی طور پر اس کا خیال کرنے سے چند مشکلات کی ایک فہرست بنالی ہے۔ جس کو نمونے کے طور پر اِس دیباچے کے ساتھ پیش[۹۲] کیا جاتا ہے۔ لوگوں سے داد پانے کے خیال کو تو میں نے دل میں آنے ہی نہیں دیا۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ مگر ہو صاحب مترجم کو ملامت کریں کتاب کی ضخامت اور اِن مشکلات کے انبار پر نظر کر لیں آیت دو آیت نہیں بلکہ صفحے دو صفحے ورق دو ورق کا ترجمہ کر کے دیکھیں پھر بعد کو بات سو بات۔ ترجمے پر ہماری کوششوں کا خاتمہ نہیں ہو گیا اگر خدا کو منظور ہے اور حیاتِ مستعار باقی ہے تو ہم نے کلامِ الٰہی کی خدمت کے اَور مفید پیرائے بھی سوچ رکھے ہیں اور میرے ایما سے مولوی حافظ محمد شاہجہانپوری نے محنتِ شاقّہ اُٹھا کر اُس کا مواد بھی جمع کیا ہے صرف تکمیل اور ترتیب باقی ہے۔ واللہ الموفق والمستعان وعلیہ الثقۃ والتکلان ؂

بہر حال اِس غرض اور اِس اہتمام اور اتنی دِقتوں سے مولانا نے ترجمۂ قرآن ختم کیا۔ اور چھپوایا۔ چھپنا تھا کہ شہرت لے اُڑی۔ جس اخبار میں دیکھو اِس کا ذکر۔ جس مسلمان کو دیکھو اُس کے پاس اِسی کا مذکور اول تو کلامِ خدا اور پھر کلامِ خدا کا ترجمہ اور ترجمہ بھی کس کا شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کا۔ قلعۂ شاہجہانی کی اُردوئے معلّیٰ۔ محاوراتِ دل پسند۔ روزمرہ صاف اور ستھرا استعارات شگفتہ۔ غرض ہر قسم کی خوبی سے مملو ترجمے کے ڈنکے کا پٹنا تھا کہ مسلمان پبلک نے ہاتوں ہاتھ ہدیہ لے کر اُس کو سر اور آنکھوں پر رکھنا شروع کیا۔ اور نہ صرف سر پر رکھّا بلکہ پڑھا اور سمجھا اور سمجھ کر ثواب حاصل کیا۔ راقم کے تجربے میں ہزارہا مسلمان مولانا کے ترجمۃ القرآن میں تلاوت کرتے ہیں۔ جس کا ثبوت اِس سے بڑھ کر اَور کیا ہو سکتا ہے کہ ترجمے کی اڑتالیس ہزار جلدیں چھپ کر

---

[۹۱] یہ بھی مولانا کے شاگرد ہیں ۱۲ [۹۲] وہ فہرست ہم نے آگے چل کر صفحہ ۱۸۱ و ۳۸۲ میں نقل کی ہے ۱۲ مؤلف

شائع ہو چکی ہیں - جتنی شکلوں میں ترجمہ طبع ہو چکا ہی اُس کی مختصر فہرست حسب ذیل ہی -

(۱) ۲۲×۲۹ کی تقطیع پر دو صفحہ چھاپا گیا - کاغذ ولایتی نہایت عمدہ صاف اور چکنا اور سفید اور دبیز لگایا گیا ہی - متن عربی بڑی خوش نمائی کے ساتھ حنا کرائی گئی ہی - خط کی شان بالکل عجیب اور عام پسند ہی - کاتب قرآن نے اس کے لکھنے میں قلم توڑ دیا ہی اور علاوہ صنعت خوش نویسی کے اس میں یہ صنعت بھی دکھائی گئی ہی کہ قرآن مجید کی سورتوں کے عنوان میں جہاں جہاں بسم اللہ آئی ہی اُسے بالکل ایک نئی طرز اور نئی شکل میں بصورت طغریٰ لکھا ہی اس تقطیع کا چوتھا ایڈیشن شائع ہو چکا ہی -

(۲) متوسط قرآن مع ترجمہ جو ۲۲+۲۹ کی تقطیع پر چوصفحہ سفید اور حنائی کاغذ پر چھاپا گیا ہی - اس سے پہلے بھی فاضل مترجم نے اسی تقطیع کا چوصفحہ قرآن لکھنؤ میں چھپوایا تھا مگر چوں کہ اُس کے نسخ و نستعلیق دونوں خط عمدہ نہ تھے اور خط کی بے رونقی کے علاوہ کاغذ اور تصحیح بھی اچھی نہ تھی فاضل مترجم نے اُس کے لینے سے انکار کر دیا - اور اگرچہ اُس کے اہتمام میں رقم کثیر خرچ ہو چکی تھی مگر پھر بھی فاضل مترجم کی دیانت نے اس بات کو جائز نہیں رکھا کہ کلام الٰہی غلطیوں کے ساتھ شائع کیا جائے - غرض متوسط قرآن کی تقطیع خوب صورت اور موزوں ہی - ایک صفحے پر متن قرآن اور دوسرے صفحے پر ترجمہ ہی - ترجمے والے صفحے کے حاشیے پر فوائد ہیں - متن والے صفحے کے حاشیے پر غرائب القرآن ایک بالکل جدید اور نئی چیز ہی یہ کسی کتاب یا رسالے کا ترجمہ نہیں ہی - بل کہ خود مترجم کا استنباط ہی کہ قرآن کے ہر ہر صفحے کے مشکل لفظوں کو جمع کر کے اُن کے متعلق صرفی نحوی - لغوی - معانی - ادبی غرض کہ ہر طرح کی اور ہر شخص کی حالت کے مناسب نہایت جاں کاہی کے ساتھ تحقیق کی ہی اور اس خوبی سے کی ہی کہ ہر شخص خواہ وہ کسی مذاق کا ہو اپنے مذاق کے مطابق پورا فائدہ اُٹھا سکتا ہی - اس کا ایک ایڈیشن چھپ چکا ہی -

(۳) جامع المصاحف ۲۲+۲۹ تقطیع کا سفید ولایتی کاغذ پر بین السطور کے ترجمے کے ساتھ حاشیے پر فوائد چڑھائے گئے مولانا نے خود اپنے مطبع شمسی دہلی میں کم استطاعت خواہش مندوں کے لیے چھپوایا ہی اس کا بھی ایک ایڈیشن چھپ کر شائع ہو چکا ہی -

(۴) حمائل کلاں ۱۷+۲۱ کی تقطیع پر آٹھ صفحی چھاپی گئی ہی - کاغذ نہایت سفید چکنا اور اصلی ولایتی ہی - بین السطور میں ترجمہ اور متن پر نہایت خوش نما حنا کرائی گئی ہی ابتدا میں ایک مختصر تمہید یا دیباچہ اور ۴۰ صفحے کی مفصل فہرست ہی - اس کے چار ایڈیشن چھپ کر شائع ہو چکے ہیں اور ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ اصلاح اور جدید خوبی متزاد ہوتی چلی گئی ہی -

(۵) سفری حمائل ہی جو ۱۷+۲۷ کی تقطیع پر ہشت صفحی چھاپی گئی ہی - فاضل مترجم سے بعض لوگوں کو شکایت تھی کہ ہم بڑی تقطیع کا قرآن و حمائل بوجھ کی وجہ سے سفر میں نہیں لے جا سکتے اور بعض کم استطاعت قیمت کی طرف سے بھی شاکی پائے جاتے تھے - مترجم دام فیوضہم نے یہ چھوٹی اور مختصر اور کم قیمت حمائل چھپوا کر دونوں قسم کے حضرات کی شکایت رفع کر دی - اس حمائل کے ایک صفحے پر صرف متن قرآن ہی اور اُس کے سامنے والے دوسرے صفحے پر ترجمہ اور حاشیے پر فوائد - اس حمائل میں اس بات کا بھی التزام کیا گیا ہی کہ متن کے صفحے کی عبارت جہاں سے شروع ہوئی ہی وہیں سے ترجمہ بھی شروع کیا جائے اور جہاں ختم ہوئی ہی وہیں ترجمہ بھی ٹھیک ختم ہو - یہ حمائل مطبع نظامی دہلی میں چھپی ہی - اور افسوس کہ جیسے عمدہ اور خوش خط دوسرے نسخے چھپے ہیں یہ حمائل ویسی نہیں ہی - اور اسی وجہ سے اس کی نکاسی اچھی طرح نہیں ہوئی -

ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہی جس سے ترجمۃ القرآن کے ایڈیشن اور تعداد طبع اور تعداد نکاسی کا حال معلوم ہو گا -

| دفعہ | قرآن یا حمائل | نام مطبع | تعداد | تقطیع | نکاسی |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | قرآن ترجمہ بین السطور | انصاری | للعہ ہزار | ۲۲-۲۹ دو صفحہ | کل ہدیہ ہو گئے |
| ۲ | حمائل ترجمہ بین السطور | انصاری | للعہ ہزار | ۱۷-۲۱ اٹھ صفحہ | کل ہدیہ ہو گئیں |
| ۳ | ایضاً | انصاری وفاروقی | ہمہ ہزار | ۱۷-۲۱ اٹھ صفحہ | معمہ ہدیہ ہو گئیں |
| ۴ | قرآن ترجمہ بین السطور | انصاری وفاروقی | للعہ ہزار | ۲۲-۲۹ دو صفحہ | ہمہ ہدیہ ہوئے |
| ۵ | قرآن ترجمہ بین السطور | لکھنؤ | للعہ ہزار | ۲۲-۲۹ چو صفحہ | سب ہدیہ ہو گئے |
| ۶ | حمائل ترجمہ بالمقابل | نظامی دہلی | للعہ ہزار | ۱۷-۲۷ اٹھ صفحہ | سب ہدیہ ہو گئیں |
| ۷ | قرآن ترجمہ بالمقابل | قاسمی دہلی | للعہ ہزار | ۲۲-۲۹ چو صفحہ | اعہ ہدیہ ہوئے |
| ۸ | قرآن ترجمہ بین السطور | نظامی دہلی | الہ ہزار | ۲۲-۲۹ دو صفحہ | الہ ہدیہ ہو گئے |
| ۹ | حمائل ترجمہ بین السطور | " | للعہ ہزار | ۱۷-۲۱ اٹھ صفحہ | سب ہدیہ ہو گئیں |
| ۱۰ | قرآن ترجمہ بین السطور | شمسی پریس دہلی | ہمہ ہزار | ۲۲-۲۹ چو صفحہ | الہ ہزار ہدیہ ہو گئے |

ہم نے سنا ہی کہ بہت تھوڑے عرصے میں ان مختلف الاشکال قرآن مع ترجمۃ القرآن کی مجلدات ۸۴ ہزار جلدوں سے متجاوز ہوکر خواص وعوام کے مختلف طبقوں کے ہاتوں میں گئی ہیں اور لوگوں کا شوق ہی کہ ابھی تک تقاضا کیے جا رہا ہی۔ ہمارے نزدیک یہ اِس بات کی دلیل ہی کہ ترجمۃ القرآن بڑے شوق اور رغبت سے پڑھا جاتا ہی۔ اور وہ فی الواقع ہی بھی اِسی قابل۔

## فاضل مترجم کو ترجمۃ القرآن میں بعض مشکلات کا پیش آنا

جو لوگ ترجمے کی مشکلات سے واقف ہیں وہ بے تامّل اُس کی تصدیق کریں گے کہ کتاب تو بڑی چیز ہی ایک جملے کے ترجمے میں کیا سے کیا ہو جاتا ہی یہ دقتیں اور دشواریاں فاضل مترجم کو بھی پیش آئیں۔ مگر خداوند تعالیٰ نے ترجمانِ قرآن کی ذات بابرکات میں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کا خاص مادّہ اور لیاقت ابتدا ہی سے ودیعت فرما دیا ہی۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ فاضل مترجم جب کہ وہ انگریزی زبان پر کچھ ایسے زیادہ قادر نہ تھے اُس وقت بھی پینل کوڈ اور ضابطۂ فوجداری کے ترجمے میں اگرچہ اول اول مغلوب مترجم تھے مگر اپنی قابلیتِ خداداد کی وجہ سے غالب علیٰ کُل غالب ہو گئے۔ ہمارے اِس خیال کو ذرا مبالغہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ فاضل مترجم کا ایسی سخت قانونی کتابوں کا ترجمہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہی کہ خداوند تعالیٰ اپنے قانونِ اسلام کے ترجمے کا کام لینا چاہتا تھا اول اُس نے دنیاوی قانون پر مولانا کے ترجمے کے قلم میں فصاحت کی شاخ کا پیوند لگایا۔ محاورے کے پھول کھلائے اور بلاغت کے ثمر پیدا کیے اور جب دیکھا کہ ہر کہ ومہ کو اس کا ذائقہ پسند ہی تو مسلمانانِ ہند کے لیئے فاضلِ مترجم کو ترجمۃ القرآن پر آمادہ کیا۔ اِس لیئے یہ نتیجہ بالکل صحیح ہی کہ جس طرح متن قرآن بے نظیر ہی۔ ویسا ہی ترجمہ بھی بے نظیر ہی۔ یعنی جب تک اُردو زبان زندہ رہے گی اُس وقت تک ایسا لاجواب اور بے مثل اور متبرک اور فصیح و بلیغ اور با محاورہ ترجمۃ القرآن پیدا نہیں کر سکے گی غرض فاضلِ مترجم کو جو مشکلات ترجمے میں پیش آئیں وہ مندرجۂ ذیل قسم کی تھیں۔ جن کو ہم بطور نمونے کے پیش کرتے ہیں۔

| پارہ | سورت | آیت | ترجمہ | کیفیت اشکال |
|---|---|---|---|---|
| ۱۶ | طٰہٰ | حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ | اُن کی رسّیاں اور لاٹھیاں | ضمیروں کے لحاظ سے اس کا ترجمہ اُن کی رسّیاں اور اُن کی لاٹھیاں چاہیے تھا مگر محاورے کے لحاظ سے ایک ضمیر کا ترجمہ نہیں کیا گیا |
| 〃 | 〃 | لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا | تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے | اس میں لنا کا ترجمہ محاورے کے لحاظ سے نہیں کیا گیا۔ |
| 〃 | 〃 | فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ | پھر دریا کا جیسا کچھ ریلا اُن پر آیا سو آیا | محاورے کے لحاظ سے ایک اسم کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ |
| 〃 | 〃 | لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي | میری ڈاڑھی اور سر (کے بال) تو پکڑو نہیں | اس میں وَلَا بِرَأْسِي کی یائے متکلم اور لا کا ترجمہ محاورے کے لحاظ سے نہیں کیا گیا |
| ۱۷ | انبیاء | وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنْذَرُونَ | اور بہروں کو ڈرایا جائے تو وہ سرے سے کسی کی پکار ہی نہیں سُنتے | محاورے کے لحاظ سے اِذا کا ترجمہ نہیں کیا گیا |
| 〃 | 〃 | لَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ | ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی | اس میں رشدہ کی ضمیر کا ترجمہ محاورے کے لحاظ سے نہیں کیا گیا۔ |
| 〃 | 〃 | أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ | کیا تو ہمارے پاس سچی بات لے کر آیا ہے یا دل لگی کرتا ہے | محاورے کے لحاظ سے انت کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور نہ من اللعبین کا ترجمہ (دل لگی کرنے والوں میں سے) کیا گیا |
| ۱۷ | انبیاء | عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ | آدمیوں کے سامنے | محاورے کے لحاظ سے اعین کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ |
| ۲۰ | نمل | تُكِنُّ صُدُورُهُمْ | لوگوں کے دلوں میں مخفی ہیں | نسبت فاعلیت کو محاورے کے لحاظ سے بدلا ہے۔ |
| 〃 | 〃 | وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ | اور جیسے جیسے کام تم (بُرے بھلے) سب لوگ کر رہے ہو (ای پیغمبر) تمھارا پروردگار اُن سے غافل نہیں۔ | اس میں کاف کے مخاطب پیغمبر صاحب ہیں اور تعملون کے مخاطب سب لوگ اور ضمیر واحد اور جمع کا بھی فرق ہے۔ فاضل مترجم نے سب باتوں کو نباہا ہے اگرچہ رعایت الفاظ کی وجہ سے عبارت کی عمدگی نہیں رہی اگر ربک کا ترجمہ فقط خدا کیا جاتا تو نہایت صاف رہتا یعنی لوگو! خدا تمھارے کردار سے بے خبر نہیں۔ |
| 〃 | عنکبوت | مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ | جن لوگوں نے خدا کے سوا (دوسرے دوسرے) کارساز بنا رکھے ہیں۔ اُن کی مثال مکڑی کی سی ہے | اس میں دوسری مثل کا ترجمہ اچھی طرح نہیں آسکتا بعض جگہ مترجم نے کیا بھی ہے۔ |
| ۲۱ | 〃 | وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ | اور ہم یہ چند مثالیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان فرماتے ہیں | اس میں نضربہا کی ضمیر ہا کا ترجمہ اچھی طرح نہیں آسکتا۔ |

| پارہ | سورت | آیت | ترجمہ | کیفیت اشکال |
|---|---|---|---|---|
| ۲۱ | روم | وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ | مگر وہ لوگ (کفرو شرک کرکے) آپ ہی اپنے اُوپر ظلم کیا کرتے تھے | محاورے کے لحاظ سے ترجمے میں اُوپر کا لفظ بڑھانا پڑا۔ |
| " | " | فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا | تو (اے پیغمبر) تم ایک (خدا) کے ہو کر (اس) کے دین کی طرف اپنا رُخ کیے رہو | محاورے کے لحاظ سے لامؔ ترجمہ طرف کیا گیا۔ |
| " | سجدہ | لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا | تو (دنیا ہی میں) ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت کرتے (کہ وہ سیدھے رستے آجاتا) | ہُدا کا ترجمہ محاورے کے لحاظ سے نہیں کیا گیا |
| " | احزاب | وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ | اور نہ تم لوگوں کی بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمھاری ماں بنایا | اُمّہات جمع ہے تو مائیں ترجمہ کرنا چاہیئے تھا مگر مائیں بنایا اُردو کے محاورے میں اچھا نہیں اس لیے ماں بنایا ترجمہ کیا گیا۔ |
| " | " | وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ | اور خدا نے (اپنی مدد سے) مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی | اِس آیت میں لازم معنوں کے سوا لفظی معنے اچھے نہیں بنتے۔ |
| " | احزاب | لَاٰتَوْهَا | تو (یہ بے تامل) فساد برپا کرتے | اِس کا لفظی ترجمہ کسی طرح اچھا نہیں ہو سکتا۔ |

| پارہ | سورت | آیت | ترجمہ | کیفیت اشکال |
|---|---|---|---|---|
| ۲۱ | احزاب | وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا | اور اگر بھاگ کر بچ بھی گئے تو بس یہی نا کہ دنیا میں چند روز (اَور) رس بس لو گے | اس میں محاورے کے لحاظ سے تُمَتَّعُوْنَ کا ترجمہ صیغۂ مجہول کے ساتھ اچھا نہیں ہوسکتا اس لیے بصیغۂ معروف کیا گیا۔ |
| " | " | قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً | (اے پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو کہ اگر خدا تمھارے ساتھ برائی (کرنی) چاہے تو کون ایسا (سورما) ہے جو تم کو اُس (کی پکڑ) سے بچا سکے یا تم پر (اپنا) فضل کرنا چاہے (تو کون اُس کو روک سکتا ہے) | آخیر جملے کو ماقبل سے بے تعلق کرکے اُس کی جزا محذوف نکالنے کی ضرورت پڑی کیونکہ یعصمکم کے متعلق نہیں ہوسکتا اِس لیے کہ واللہ یعصمک من الناس یعصمنی من الماء وغیرہ محاورے غالباً کسی چیز کے ضرر سے بچانے کے موقع پر بولے گئے ہیں اور اِس قسم کے محذوفات قرآن میں بکثرت ہیں۔ |
| ۲۲ | فاطر | اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ | وہ چاہے تو تم (سب) کو (زمین کے پردے سے اُٹھا) لے جائے | ایسے موقع پر حرفِ شرط اِنْ وغیرہ کا ترجمہ ہمارے محاورے میں اچھا نہیں رہتا۔ |
| ۲۸ | تحریم | اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا | اپنی عصمت کو محفوظ رکھا | فرج کا ترجمہ تاویلاً عصمت کیا گیا۔ |

یہ چند مشکلیں جو واقع میں مشتے نمونہ از خروارے ہیں دوسرے مترجموں کو بھی پیش آئی ہیں اُنھوں نے کہیں مترجَم کے مطابق کہیں اپنے طور پر اُن کو رفع کیا ہے غرض مترجِم اپنی زبان کی پابندی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تصرف کیے بدون اچھا ترجمہ کر نہیں سکتا۔ غرض اس قسم کی دقتیں ہر زبان کے مترجم کو پیش آتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے مولانا بھی کچھ نہ کچھ تصرف کیے بغیر ترجمے کو مکمل کر سکے پس لامحالہ مترجم اگر لائق ہے تو وہ اس قسم کا تصرف کرتا ہے کہ ترجمے میں اصلِ مضمون کا مفہوم ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور یہ خوبی ہمارے

مولانا میں کامل طور پر موجود ہے۔

## ایک عصمت مآب خاتون اور ترجمۃ القرآن

ایک مرتبہ فاضل مترجم سے ایک عصمت مآب خاتون نے عرض کیا کہ میں مولوی شاہ عبدالقادر صاحب اور مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے پڑھتی رہتی ہوں۔ لیکن ایک بات مجکو ہمیشہ کھٹکا کرتی ہے وہ یہ کہ اللہ میاں پیغمبر صاحب سے کچھ ناراض سے رہتے تھے۔ فاضل مترجم نے ازراہِ تعجب پوچھا کہ ہیں یہ تم نے کیا کہا عصمت مآب خاتون نے کہا کہ جہاں کہیں قرآن میں اللہ میاں پیغمبر صاحب سے کچھ کہتے ہیں تو تو تراق سے کہتے ہیں۔ اس لیے میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ میاں پیغمبر صاحب سے کچھ ناراض رہتے ہوں۔ فاضل مترجم نے جب سمجھا دیا تو وہ مترجموں کا قصور سمجھیں اور خاموش ہو گئیں۔

## ترجمے کی خصوصیات

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہر ملک کی زبان میں رسم و رواج کے لحاظ سے بعض الفاظ اُن کے روزمرہ میں اس قسم کے استعمال کیے جاتے ہیں کہ اگر دوسرے ملک والے اُن الفاظ کو استعمال کریں تو وہ گالی سے کم گراں نہیں گزرتے۔ اس کی مثالیں سیکڑوں موجود ہیں۔ انھیں الفاظ میں سے بعض اسم ہیں جو انسان کے جسم سے تعلق رکھتے ہیں کہ برملا ان اعضاء کا نام لینا بھی مکروہ معلوم ہوتا ہے عربی زبان میں سنا ہے کہ چھوٹے بڑے آپس میں بلا تکلف اگر ضرورت لاحق ہوتی ہو تو نام لینے میں نہیں چوکتے۔ ہر ملکے وہر رسمے۔ مگر ہماری اُردو میں اعضائے تناسل کا نام لینا ایک قسم کا اخلاقی گناہ ہے۔ مثلاً وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا پارہ (۲۸) سورۂ تحریم) کے آخری لفظ کا ترجمہ یا اصل لفظ ہماری اُردو زبان میں جیسا افحش الفواحش ہے سب جانتے ہیں۔ لیکن فاضل مترجم کی لیاقت کا اندازہ اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے احصنت فرجہا کا ترجمہ "وہ اپنی فرج کو محفوظ رکھا" نہیں کیا۔ بلکہ "وہ اپنی عصمت کو محفوظ رکھا" کیا ہے۔ اس لاجواب ترجمے سے گالی کی گالی اُتر گئی اور ایک مؤدب اور صحیح اور فصیح اور بامحاورہ ترجمہ ہو گیا۔ فاضل مترجم کو ایسی ایسی دقتیں سیکڑوں مقام پر پیش آئیں۔ مگر ادیب الادبا ہونے کے سبب فاضل مترجم نے سب دقتوں کو رفع کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ترجمۃ القرآن کی خوبی کو ہندوستان کے بڑے بڑے علمائے جلیل القدر نے تسلیم کیا ہے۔ اور پبلک نے ہاتوں ہاتھ لے کر اس کو سر اور آنکھوں پر جگہ دی ہے۔

## ترجمۃ القرآن پر اعتراض

جب فاضل مترجم کے ترجمۃ القرآن کی شہرت اور قدردانی آسمان تک پونہچی تو بعض تاجروں نے یہ دیکھ کر کہ صدہا روپے کا روزانہ ترجمۃ القرآن کا ہر یہ ہونا شروع ہو گیا۔ اُن کے مونہ میں پانی بھر آیا۔ اور لگے فاضل مترجم کے ترجمے پر اعتراض کرنے۔ اعتراضات کے نئے نئے عنوان قائم کیے گئے تھے۔ کبھی جناتی بولی کا عنوان قائم کر کے اعتراض کیے جاتے تھے۔ کبھی بازاری بولی کے عنوان سے۔ کبھی ہیجڑوں کی بولی کے عنوان سے۔ کبھی شیطانی بولی اور کبھی کسی کی بولی کے عنوان سے۔ عوام الناس ایسی بدزبانیوں اور گالیوں سے زیادہ خوش ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس اخبار میں اعتراض چھپتے تھے اُس کی تعداد خریداری تو بہت ہو گئی تھی مگر ترجمۃ القرآن کے مقابلے میں نقلی ترجمے کے پہلے ہی ایڈیشن کی

جلدیں ابھی تک سُناہی کہ رکھی ہوئی ہیں - کہیں کوئی بدزبانیوں سے بھی کامیاب ہوا ہی جب گالیوں سے بھی دل کا بخار نہ نکلا تو جاہلوں کو بہکانے کے لیئے ایک اور وطیرہ اختیار کیا - یعنی جھونپڑوں میں رہ کر متعصب معترضین نے محلوں کے خواب دیکھنے شروع کیئے - چناں چہ ان معترضین میں سے ایک بڑے معترض صاحب لکھتے ہیں -

"میں نے خدا کو پکارا - وہ بولا - اُس نے مجھ پر اپنا ہاتھ رکھا - میں اُس سے سرفراز ہوا اور میرے ترجمے کو اُس کے محبوب نے پسند فرمالیا - اِسی وجہ سے قبل از اشاعت مسلمان گروہ گروہ اُس کو ہدیہ لینے کے لیئے دوڑ پڑے - تمام میری نکتہ چینیوں کو رسولِ امین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا ہی اور ایک عارف باللہ کے خواب میں آکے آپ نے مجھ ناچیز غلام کی داد دی"

شمس العلماء مولٰنا حالی نے اپنے دیوان میں ایک قطعہ لکھا ہی کہ جب جھوٹوں کی شہادت راست بازوں نے نہ دی تو خدا اور پیغمبر خدا کو اپنا گواہ بنانا شروع کیا - ہمارے نزدیک مولٰنا حالی کا وہ قطعہ اس خواب سے بہت چسپاں ہی اس لیئے نذرِ ناظرین کیا جاتا ہی وہ فرماتے ہیں -

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب وگناہ  کافر کہا واعظ نے اُنھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت  لاتا ہی خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

یہ ہی بعض معترضین کی حقیقت - ہاں اس قسم کے لوگوں کے سوا ممکن ہی کہ بعض نے نیک نیتی سے بھی اعتراض کیئے ہوں لیکن اُن کا حال ہمیں معلوم نہیں - کیوں کہ ابھی تک وہ پبلک میں نہیں آئے -

ہاں مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک رسالہ اصلاح ترجمۂ دہلویہ کے نام سے ہماری نظر سے گزرا ہی اُس میں مولانا نے ترجمہ کی زبان کے متعلق صاف الفاظ میں لکھ دیا ہی کہ "با محاورہ یا بے محاورہ ہونے کا فیصلہ کرنا تو اہلِ زبان کا کام ہی مگر دو چار متفرق مقام پر نظر ڈالنے سے اتنا معلوم ہوا کہ اُس میں خود مطالب قرآنیہ بھی کہیں کہیں متن سے حاشیہ سے بدل گئے ہیں - چوں کہ ایسی حالت میں بجائے

---

[1] محمد ادریس صاحب نگرامی کوئی بزرگ ہیں اُنھوں نے ذیل کا خواب دیکھا تھا "البشارۃ العظیمۃ": - کنت متفکرا فیما وقع بین میرزا حیرت والفاضل النذیر الدہلی فرأیت فی لیلۃ السابع من شہر رمضان ۱۳۱۹ھ وانا بین النائم والیقظان ان سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی موضع مرتفع وانا بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم اذ دخل میرزا وفی یدیہ مصحف صغیر وکانہ رجل نحیف البدن خفیف العارضین والفاضل الدہلی حاضر منکس راسہ وھو رجل ضخم شحیم بطین سمین یعرض میرزا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المصحف الشریف ویقول یا رسول اللہ ھذا فی ھذا واخطاء فی کذا وکذا ویشیر الی الفاضل الدہلی فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوب رای میرزا ویتبسم علی وجھہ فقط ترجمہ: - میرزا حیرت دہلوی اور فاضل نذیر ڈپٹی میں جو اختلاف ہو رہا ہی میں اکثر اس میں غور کیا کرتا تھا - پس میں نے رمضان ۱۳۱۹ھ کی ساتویں شب میں ایسے وقت کہ میں کچھ سوتا تھا اور کچھ جاگتا تھا دیکھا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں - اتنے میں میرزا پہنچے اور اُن کے ہاتھ میں ایک چھوٹا قرآن تھا اور شاید وہ ایک کم زور بدن ہلکے رخسارے کے آدمی ہیں اور فاضل ڈپٹی بھی وہاں اپنا سر جھکائے ہوئے حاضر ہیں - اور وہ بہت گداز بدن بہت فربہ تو ندیل آدمی ہیں - پھر میرزا نے اُس مصحف شریف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور یہ کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ اس اس مصحف (کے ترجمے) میں بہت لغو بکا ہی اور فلاں فلاں مقام میں غلطی ہی اور (میرزا) فاضل ڈپٹی کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے - پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرزا کی رائے پر صاد فرما رہے تھے (یعنی تیرے کل اعتراضات صحیح ہیں) اور آپ سے (یعنی میرزا سے) مسکرا بھی رہے تھے (دیکھو کرزن گزٹ دہلی مطبوعہ یکم جنوری ۱۹۰۳ء مع ضمیمہ جات)

منفعت کے عام مسلمانوں کو اس سے مضرت پہونچنے کا قوی اندیشہ تھا۔ اس لیے اُس کا انسداد ضروری ہوا۔ عام مسلمانوں کے حفاظتِ دین کی ضرورت سے ترجمۂ مذکورہ بالا بالاستیعاب اول سے آخر تک دیکھنا پڑا۔ جن لغزشوں کا گزر عقائد و احکام تک نہ تھا اُن سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا مگر جن کا اثر عقائد و احکام تک پہونچتا ہوا دیکھا اور کوئی توجیہ قریب بھی نہ بن سکی اُن کو ضبط کیا گیا۔"

ممکن تھا کہ مولانائے موصوف بھی جہال کی طرح اعتراضوں کی بوچھاڑ گالی گلوچ سے شروع کرتے۔ مگر چوں کہ اُن کے علم و فضل و دانش سے یہ بات بہت بعید تھی اس لیے اُنھوں نے جنگ و جدال کا طریقہ ترک کر کے سیدھی سادی مختصر عبارت میں اپنی رائے کو ظاہر کر دیا ہی۔

مولوی محمد اشرف علی صاحب نے دو قسم کے اعتراض کئے ہیں (ایک) فاضل مترجم نے جو فوائد لکھے ہیں اُن پر اعتراض کئے ہیں۔ (دوسرے) فاضل مترجم کے ترجمہ میں اپنے نزدیک جو غلطیاں دیکھی ہیں اُن کی اصلاح کی ہی۔

فاضل مترجم کے اصل ترجمے پر جتنے اعتراض کئے ہیں اُن کی تعداد بمقابلہ اُن اعتراضوں کے جو فوائد پر کئے گئے ہیں صرف ساٹھ کے قریب ہی۔ اُن ساٹھ میں بھی مکررات ہیں۔ مکررات کو اگر حذف کر دیا جائے تو اعتراضوں کی تعداد اور بھی کم رہ جائے گی۔ بہر حال یہ اعتراض نسانیت اور ادبیت سے کئے گئے ہیں۔ اگر مولانا کے اعتراض صحیح ہیں تو علمائے اسلام اس کی تائید کریں گے یا تردید جیسا کچھ بھی ہوگا ہوتا رہے گا۔

مولنا اشرف علی صاحب کے سوا بنگالے کے کوئی اور مولوی ہیں اُنھوں نے بھی اعتراضات کا کوئی رسالہ تیار کیا ہی۔ مگر وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ نظر سے گزرتا تو اس کی زیارت بھی ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور فائدہ دیتی۔

ہم کو بہ تحقیق معلوم ہوا ہی کہ علمائے ندوہ نے بھی ترجمۃ القرآن پر اعتراض کرنے کے لیے ایک کمیشن بٹھایا تھا اور کمیشن نے اول اول پچاس اعتراض چنے تھے لیکن چھنتے چھنتے صرف بائیس ۲۲ رہ گئے۔ اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا کہ بائیس بھی قائم رہے یا گھٹتے گھٹتے صفر رہ گیا ندوہ کے موجودہ رکن اعظم نے راقم کو تحریر فرمایا تھا کہ "ہاں یہ دعویٰ کیا گیا تھا۔ اس کو کئی برس ہوئے لیکن مولویوں میں کس کو سلیقہ ہی کچھ کام نہیں ہوا"

اب رہی یہ بات کہ فاضل مترجم نے درحقیقت ترجمۃ القرآن میں کوئی غلطی کی ہی یا نہیں۔ اس کا تصفیہ ہم سے متعلق نہیں یہ کام ہی علمائے قرآن و تفسیر کا۔ اُن کا یہ فرض ہی کہ وہ مخصوص اعتراض چننے کے لیے کمیشن بٹھائیں۔ اور جو کچھ معنوی اعتراض ہوں وہ فاضل مترجم کے سامنے پیش کئے جائیں۔ فاضل مترجم ترجمہ کی اصلاح کے لیے ہر وقت تیار ہیں راقم کو حق الیقین کا درجہ حاصل ہی کہ فاضل مترجم ناحق پر اصرار کرنے کو تکذیب قرآن کے برابر سمجھتے ہیں۔ وہ صحیح اعتراضوں کو ضرور مانیں گے۔ لیکن معترضین اور متعصب حاسد معترضین کی یہ کیفیت ہی کہ اُن میں نیک نیتی نہیں۔ ایمان و انصاف کی روشنی نہیں۔ اعتراض کریں گے تو جنگ و جدل اور گالی گلوچ کے ساتھ۔ بھلا ایسے اعتراض بھی صحیح ہو سکتے ہیں؟ اور ایسے معترضین کی کوئی کیا وقعت کر سکتا ہی۔؟

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے بھی فارسی زبان میں قرآن مجید کا ایک ترجمہ کیا تھا۔ جب لوگوں کو شاہ صاحب کے ترجمے کی خبر پہونچی تو لوگ اُن کی جان کے درپے ہو گئے۔ اور واجب القتل ٹھیرا کر جان لینے کے لیے ایک مرتبہ اُن کو گھیر لیا۔ قریب تھا کہ اُن کو مار ڈالیں۔ بڑی مشکل سے جان بچا کے بھاگے۔ بڑی خیریت گزری کہ یہاں صرف کفر و ارتداد اور گالیوں ہی پر دوستوں نے بس کی۔

ہمارا ارادہ ہوا تھا بلکہ ہم نے تمام اعتراضوں کی ایک فہرست بھی مکمل کر لی تھی اور اُس کے محاذ میں ہر ایک اعتراض کے جواب بھی مرتب کر لیئے تھے تاکہ حیاۃ النذیر میں درج کر دیں اور دروغ گو را تا بہ دروازہ رسانید ہو لیکن غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بحث مباحثے سے کوئی بات طے نہیں ہو سکتی سو اس لیئے اِس کالک کی کوٹھری سے ہم نکل بھاگے اور مناظرے کو ہم نے پسند نہیں کیا۔

## فاضل مترجم کے ترجمۃ القرآن سے قرآن کے اَور ترجموں کا مقابلہ

ہم نے اعتراضوں کا جواب دینا تو پسند نہیں کیا۔ لیکن ناظرین کی خاطر سے فاضل مترجم کے ماقبل اور اُن کی دیکھا دیکھی مابعد کے ترجموں کے ایک رکوع کا ترجمہ نذرِ ناظرین کرتے ہیں اور ترجمے کے فاضل و مفضول ہونے کا فیصلہ پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں ہم نے جس رکوع کا ترجمہ موازنے کے لیئے درج کیا ہی وہ رکوع ہمارا منتخبہ نہیں ہی بلکہ وہ انتخاب ہی جناب مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب مفسر تفسیر حقانی کا۔ جناب نے بڑے دعوے کے ساتھ ترجمۂ قرآن شروع کیا ہی۔ اور ایک بڑے لمبے چوڑے اشتہار کے ساتھ ولو اننا پارہ (۸) رکوع ۲ کا ترجمہ پبلک میں پیش کیا ہی۔ قاعدہ یہ کہتا ہی کہ یہ نمونہ اُن کے اَور ترجمے سے بہت بہتر ہو گا گندم نمائی اور جَو فروشی نہیں کی ہوگی بہر حال اسی رکوع کا ترجمہ ہم نے مقابلے کے لیئے مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ فاضل مترجم کے ترجمۃ القرآن کا مکھ پات ترجمہ انتخاب کر کے اَوروں کے معمولی ترجموں سے مقابلہ کیا گیا ہی۔ اب ہم ذیل میں علی الترتیب شاہ رفیع الدین صاحب شاہ عبد القادر صاحب۔ مولوی نذیر احمد صاحب۔ میرزا حیرت صاحب۔ مولوی عاشق الٰہی صاحب ساکن میرٹھ۔ مولوی فتح محمد صاحب جالندھری اور مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب مفسر تفسیر حقانی کے ترجمے درج کرتے ہیں عربی کے مقابلے میں مولٰنا نذیر احمد کا ترجمہ مزید توضیح کے لیئے نقل کیا گیا ہی۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ؕ قَالُوْا شَھِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ شَھِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ۝ ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَ لِکُلٍّ

(پھر ہم جنات اور بنی آدم دونوں سے مخاطب ہو کر پوچھیں گے کہ) اے گروہ جن وانس کیا تمھارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام بیان کریں اور تمھارے اِس روزِ (قیامت) کے آنے سے تم کو ڈرائیں۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں (یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں) اور (واقع میں) دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں رکھا اور (اب انھوں نے آپ ہی) اپنے اوپر گواہی دی (یعنی اقرار کیا) کہ بے شک وہ کافر تھے۔ (اے پیغمبر پیغمبروں کو بھیج بھیج کر بندوں پر حُجّت کا تمام کرنا) یہ اس سبب سے ہی کہ تمھارا پروردگار بستیوں کو ظلم (وزبردستی) سے ہلاک کرنے والا نہیں (کہ ادھر ان کو ہلاک کر مارے) اور (اُدھر) وہاں کے رہنے والے (حق کی منشا سے) بے خبر ہوں اور جیسے جیسے عمل کیئے ہیں اُن ہی (عملوں)

دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (ولو اننا پارہ (۸) رکوع ۲)

کی رُو سے سب (لوگوں) کے درجے ہوں گے اور جو کچھ (لوگ دُنیا میں) کر رہے ہیں تمھارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں - اور (نیز) تمھارا پروردگار بے نیاز (اور) رحم والا ہی اگر چاہے تم (سب) کو (دُنیا سے اُٹھا) لے جائے اور تمھارے بعد جس کو چاہے تمھارا جانشین بنائے جیسا کہ دوسرے لوگوں کی نسل میں سے (آخر) تم کو پیدا کر ہی چکا ہی - (لوگو!) جس (روزِ قیامت) کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہی کچھ شک نہیں کہ وہ ضرور آنے والا ہی اور تم (خدا کو اِس بات پر) مجبور نہیں کر سکتے (کہ قیامت کو واقع نہ ہونے دے - ای پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بھائیو! تم اپنی جگہ عمل کرو میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں پھر آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہی (دیگرہاں) اِس میں تو کچھ بھی شک نہیں کہ ظالم تو کسی طرح فلاح پانے کے نہیں اور (یہ کافر) خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی (اور اُسی کے پیدا کیے ہوئے) چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصّہ ٹھیراتے ہیں تو اپنے خیال کے مطابق کہتے (کیا) ہیں کہ اتنا تو خدا کا اور اتنا ہمارے شریکوں کا (یعنی اُن معبودوں کا جن کو ہم نے شریکِ خدائی مان رکھا ہی) پھر (ان کا برتاؤ یہ ہوتا ہی کہ) جو (حصّہ) اُن کے (ٹھیرائے ہوئے) شریکوں کا ہوتا ہی وہ (تو) اللہ کی طرف پونہچتا نہیں اور جو (حصّہ) اللہ کا ہوتا ہی وہ ان کے (ٹھیرائے ہوئے)

شریکوں کو پونہچ جاتا ہی (کیا ہی) بُرا

حکم (تقسیم) ہی جو یہ لوگ

لگاتے ہیں

## ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب[1]

اے جماعت جنّوں کی اور آدمیوں کی کیا نہ آئے تھے تمھارے پاس پیغمبر تمھیں میں سے بیان کرتے تھے اوپر تمھارے نشانیاں میری اور ڈراتے تھے تم کو ملاقات اُس دن تمھارے کی سے یہ کہا اُنھوں نے گواہی دی ہم نے اوپر جانوں اپنی کے اور فریب دیا تھا اُن کو زندگانی دنیا کی نے اور گواہی دی اُنھوں نے اُوپر جانوں اپنی کے یہ کہ وہ تھے کافر۔ یہ اس واسطے کہ نہیں ہی پروردگار تیرا ہلاک کرنے والا بستیوں کا ساتھ ظلم کے اور لوگ اُس کے غافل ہوں - اور واسطے

[1] ان کی نسبت ہمارے مولنا کی جو کچھ رائے ہی وہ ترجمۃ القرآن کے دیباچے میں ملاحظہ ہو جو اوپر گزر چکا ۱۲

ہر ایک کے درجے ہیں اُس چیز سے کہ کیا ہی اُنھوں نے اور نہیں پروردگار تیرا غافل اُس چیز سے کہ کرتے ہیں اور پروردگار تیرا بے پرواہی مہربانی والا اگر چاہے لے جاوے تم کو اور جگہ پر بٹھائے پیچھے تمھارے جس کو چاہے جیسا پیدا کیا تم کو اولاد قوم اَور سے۔ تحقیق جو کچھ وعدہ دیئے جاتے ہو تم البتہ آنے والا ہی اور نہیں تم عاجز کرنے والے۔ کہہ اے قوم میری عمل کرو اوپر جگہ اپنی کے تحقیق میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ پس البتہ جانو گے تم کون شخص ہی کہ ہوگا واسطے اُس کے آخر اس گھر کا۔ تحقیق نہیں فلاح پانے کے ظالم۔ اور کیا اُنھوں نے واسطے اللہ کے اُس چیز سے کہ پیدا کیا ہی کھیتوں اور جانوروں سے ایک حصّہ۔ پس کہا اُنھوں نے یہ واسطے اللہ کے ہی ساتھ گمان اپنے کے اور یہ واسطے شریکوں ہمارے کے۔ پس جو کچھ ہو واسطے شریکوں اُن کے کے۔ پس نہیں پونہچتا طرف اللہ کے اور جو کچھ ہو واسطے اللہ کے پس وہ پونہچتا ہی طرف شریکوں اُن کے کے۔ بُرا ہی جو کچھ حکم کرتے ہیں۔

**ترجمۂ مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب رح** اے جماعت جنّوں اور انسان کی کیا تم کو نہیں پونہچے تھے رسول تمھارے اندر کے۔ سناتے تم کو میرے حکم اور ڈراتے اُس دن کے سامنے آنے سے۔ بولے ہم نے مانے اپنے گناہ۔ اور اُن کو بہکایا دنیا کی زندگانی نے۔ اور قائل ہوئے اپنے گناہ پر کہ وہ تھے منکر۔ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اور وہاں کے لوگ بیخبر ہوں اور ہر کسی کو درجے ہیں اپنے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کے کام سے اور تیرا رب بے پرواہی رحم والا۔ اگر چاہے تم کو لے جاوے اور پیچھے تمھارے قائم کرے جس کو چاہے جیسا کہ تم کو کھڑا کیا اَوروں کی اولاد سے جو تم کو وعدہ دیا سو آنے والا ہی اور تم تھکا نہ سکوگے۔ تُو کہہ لوگو کام کرتے رہو اپنی جگہ مَیں بھی کام کرتا ہوں۔ اب آگے جان لوگے کس کو ہی آخر کا گھر۔ مقرر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا۔ اور ٹھیراتے ہیں اللہ کا اُس کی پیدا کی کھیتی اور مواشی میں ایک حصّہ پھر کہتے ہیں یہ حصّہ اللہ کا ہی اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ سو جو اُن کے شریکوں کا ہی سو نہ پونہچے اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہی سو پونہچے اُن کے شریکوں کی طرف کیا بُرا انصاف کرتے ہیں۔

**ترجمۂ مولٰنا نذیر احمد صاحب** (پھر ہم جنات اور بنی آدم دونوں سے مخاطب ہو کر پوچھیں گے کہ) اے گروہِ جن وانس کیا تمھارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام بیان کریں اور تمھارے اُس روز (قیامت) کے پیش آنے سے تم کو ڈرائیں۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں (یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں) اور (واقع میں) دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں رکھا اور اب اُنھوں نے آپ ہی اپنے اوپر گواہی دی (یعنی اقرار کیا) کہ بے شک وہ کافر تھے (اے پیغمبر پیغمبروں کو بھیج بھیج کر حجت تمام کرنا) اس سبب سے ہی کہ تمھارا پروردگار بستیوں کو ظلم (وزبردستی) سے ہلاک کرنے والا نہیں۔ کہ (اِدھر اُن کو ہلاک کر مارے) اور اُدھر وہاں کے رہنے والے (خدا کی منشا رسے) بے خبر ہوں اور جیسے جیسے عمل کئے ہیں اُن ہی عملوں کی رُو سے سب لوگوں کے درجے ہوں گے اور جو کچھ (لوگ دنیا میں) کر رہے ہیں

لہ ان کا حال ہمارے مولٰنا کے ترجمۃ القرآن کے دیباچے میں ملاحظہ ہو جو اوپر گزر چکا ۱۲

تمہارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں - اور نیز تمہارا پروردگار بے نیاز اور رحم والا ہی - اگر چاہے تم سب کو دنیا سے
اُٹھالے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنائے - جیساکہ دوسرے لوگوں کی نسل میں (آخر) تم کو پیدا کر
ہی چکا ہی جس روز (قیامت) کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہی کچھ شک نہیں وہ ضرور آنے والا ہی - اور تم (خدا کو) اس بات پر مجبور
نہیں کر سکتے (کہ قیامت کو واقع ہونے نہ دے) - ای پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ بھائیو تم اپنی جگہ عمل کر دیکھو (اپنی جگہ) عمل
کر رہا ہوں - پھر آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہی - (مگر ہاں) اس میں تو کچھ بھی شک نہیں کہ ظالم
تو کسی طرح فلاح پانے کے نہیں - اور یہ کافر خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی (اور اُس کے پیدا کیئے ہوئے) چوپایوں میں اللہ کا بھی
ایک حصہ ٹھیراتے ہیں - تو اپنے خیال کے مطابق کہتے (کیا) ہیں کہ اتنا تو خدا کا اور اتنا ہمارے شریکوں کا (یعنی اُن معبودوں
کا جن کو ہم نے شریکِ خدائی مان رکھا ہی) - پھر (اُن کا برتاؤ یہ ہوتا ہی کہ) جو (حصہ ہمارا اُن کے ٹھیرائے ہوئے) شریکوں کا ہوتا ہی
وہ تو اللہ کی طرف پونہچتا نہیں اور جو (حصہ) اللہ کا ہوتا ہی وہ اُن کے (ٹھیرائے ہوئے) شریکوں کو پونہچ جاتا ہی (کیا ہی) بُرا
حکم (تقسیم) ہی جو یہ لوگ لگاتے ہیں -

## ترجمہ میرزا حیرت دہلوی[1]

(پھر اللہ جن وانس سب سے فرمائے گا کہ) ای جن وانس کے گروہ کیا تمہارے پاس
تمھیں میں سے (ہمارے) پیغمبر نہ آئے تھے کہ تمھیں ہمارے احکام (پڑھ کر)
سنائیں - اور تمھیں اُس دن کے آنے سے ڈرائیں (تب یہ سب لوگ) کہیں گے (کہ بے شک آئے تھے) ہم اپنے اوپر گواہی
دیتے ہیں (اے نبی اِن کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ ہی) کہ اِن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا اور (وہ یہ
نہ سمجھتے تھے کہ ہم کو خدا کے پاس جانا ہی اور (قیامت میں تو اُنھوں نے خود اپنے کافر ہونے کا اقرار کر لیا - اور یہ پیغمبروں
کا بھیجنا تو صرف اس لیئے ہی کہ تمہارا پروردگار گناہ کے سبب سے شہروں کو برباد نہیں کرتا - ایسی حالت میں کہ وہاں کے
رہنے والے احکامِ الٰہی سے غافل ہوں - (اُس کے یہاں تو صرف انصاف سے کارروائی ہوتی ہی) سب کے لیئے اُن
کے اعمال کے لحاظ سے درجے دیئے جاتے ہیں (بُروں کو بُرے اور اچھوں کو اچھے) اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اُس سے
تمہارا پروردگار غافل نہیں ہی - (اور تمہارا پروردگار تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں) وہ تو بڑا بے نیاز ہی اور رحم والا
اگر وہ چاہے تو اے کافرو! تمھیں قعرِ نار میں لے جائے اور تمہارے بعد دنیا میں جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین کر دے
جیسے تمھیں دوسرے لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا - (لیکن بمقتضائے رحمت اب تک ایسا نہیں کیا) (مگر اب ہوشیار
ہو جاؤ) بے شک جس چیز سے ڈرایا جاتا ہی وہ ضرور پیش آنے والی ہی اور تم ہرگز اُس کے لانے سے اُسے عاجز نہیں کر سکتے
(اے نبی اِن کافروں سے کہہ دو) کہ اے میری قوم کے لوگو تم بجائے خود (یہ ناشایستہ) اعمال کرتے رہو - بے شک
میں بھی اپنے رب کی عبادت کر رہا ہوں - پس عن قریب تم جان لوگے کہ دارِ آخرت کی خوبی کس کے لیئے ہی (میرے لیئے یا
تمہارے لیئے) یقیناً ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے (اور اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہوگا) کہ اُنھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی
اور مویشی میں سے اللہ کا حصہ مقرر کیا - اور اپنے خیال کے موافق کچھ حصے کو کہتے ہیں کہ یہ خدا کا ہی اور (کچھ کو کہتے ہیں کہ) ہمارے

[1] شمس العلما مولانا نذیر احمد صاحب کے بعد مولانا کی دیکھا دیکھی سب سے پہلے اِنھوں ہی نے قرآن کا ترجمہ کیا ہی ۱۲

شریکوں (یعنی جو ہمارے نزدیک خدا کی خدائی میں شریک ہیں) اُن کا ہی۔ پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو اُن کے شریکوں کا حصّہ ہی وہ تو اللہ کو نہ پونہچے گا اور جو اللہ کا حصّہ ہی تو وہ اُن کے شریکوں کو پونہچ جائے گا کیا بُرا حکم کرتے ہیں۔

**ترجمہ مولوی عاشق الٰہی صاحب[۵۱] ساکن میرٹھ**

ای گروہِ جن و انسان کیا تمھارے پاس نہیں آئے تم ہی میں کے پیغمبر۔ سُناتے تھے تم کو میرے احکام اور ڈراتے تھے اُس دن کے پیش آنے سے وہ کہیں گے کہ ہم مقر ہیں اپنے اوپر اور اُن کو کہ وہ بے شک کافر تھے۔ یہ اس سبب سے کہ تیرا پروردگار ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اِس حال میں کہ وہاں کے رہنے والے بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لیئے درجے ہیں اپنے عمل کے۔ اور تیرا رب اُس سے بے خبر نہیں کہ وہ کر رہے ہیں اور تیرا رب بے پروا ہی رحم والا۔ وہ اگر چاہے تم کو لے جائے اور جانشین بنائے تمھارے بعد جسے چاہے جیسا تم کو پیدا کر دیا دوسرے لوگوں کی نسل میں سے جس کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہی ضرور آنے والا ہی اور تم تھکا نہیں سکتے۔ کہدے کہ لوگو تم عمل کرتے رہو۔ اپنی جگہ میں بھی عمل کر رہا ہوں پھر آگے چل کر تم جان جاؤگے کہ کسے ملتا ہی آخرۃ کا گھر۔ ظالم تو فلاح پائیں گے نہیں اور یہ ٹھیراتے ہیں اللہ کا اُس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپاؤں میں سے ایک حصّہ پھر کہتے ہیں کہ یہ حصّہ تو اللہ کا ہی اپنے خیال کے مطابق اور یہ حصّہ ہمارے شریکوں کا ہی۔ پھر جو اُن کے شریکوں کا ہوتا ہی وہ تو اللہ کی جانب پونہچتا نہیں اور جو اللہ کا ہی وہ پونہچ جاتا ہی اُن کے شریکوں کی جانب۔ کیا بُرا انصاف کرتے ہیں۔

**ترجمہ مولوی فتح محمد صاحب[۵۲] جالندھری**

ای جن و انس کی جماعت بھلا تم ہی میں سے (ہمارے بھیجے ہوئے) پیغمبر تمھارے پاس نہیں آئے۔ جو تم کو میرے احکام سناتے اور اُس روزِ (قیامت) کے آنے سے تم کو ڈراتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم خود اپنے اُوپر گواہی دیتے ہیں (کہ پیغمبر آئے تھے) اور (حقیقت یہ ہی کہ) اُن کو دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا (اور اسی وجہ سے ایمان نہ لائے)۔ اور اب (قیامت میں) اُنھوں نے اقرار کر لیا کہ بلاشبہہ وہ منکر تھے (اور پیغمبروں کے بھیجنے کی اصلی غرض یہ تھی) کہ تمھارا پروردگار بستیوں کو ظلماً ہلاک نہیں کیا کرتا ایسے موقع پر کہ وہاں کے رہنے والے احکامِ خداوندی سے بے خبر ہوں۔ اور جس نے جیسے عمل کیئے ہیں اُسی عمل کے لحاظ سے اُس کو درجے دیئے جائیں گے اور (اے پیغمبر) تمھارا پروردگار اُن کے عملوں سے بے خبر نہیں اور تمھارا پروردگار بے پروا (اور) رحم والا ہی۔ اگر وہ چاہے تو (اے منکرو) تم کو مٹا کر تمھارے دوسروں کو تمھارا جانشین کر دے

---

[۵۱] یہ ترجمہ ایسے صاحب کا ہی جنھیں میرٹھ سے باہر جاننے والے بہت ہی کم ہیں۔ اِن کی کوئی اَور تصنیف بھی ہماری نظر سے نہیں گزری ۱۲

[۵۲] مولوی فتح محمد صاحب پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ پنجاب اگرچہ اُردو زبان میں سُرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہی مگر مولوی فتح محمد صاحب کی اُردو جیسی کچھ ہی محتاج بیان نہیں۔ مولوی فتح محمد صاحب نے جب کتاب الاسلام لکھی تو خود اُن کو اپنی زبان پر بھروسا نہ تھا۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے ہمارے مولانا سے اُس کی عبارت درست کرائی اور اِس امر کا اعتراف مولوی فتح محمد صاحب نے اپنے دیباجۃ الکتاب میں کیا ہی۔ غالباً اُنھوں نے اُردو میں اب غیر معمولی ترقی کی ہی جو اپنا ترجمۃ القرآن شائع کیا ؎ کس نیاموخت علمِ تیر از من ؛ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد۔ مولوی فتح محمد صاحب کے ترجمے کے متعلق اگر مزید آگہی ناظرین چاہیں تو ہمارے مولانا کے ترجمۃ القرآن کا آخری ایڈیشن ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی رحیم بخش صاحب مینیجر شمسی پریس دہلی نے اُن کے ترجمے کے پوست کندہ حالات درج کر دیئے ہیں ۱۲

جس طرح کہ تم کو دوسروں کی اولاد سے پیدا کیا۔ جس چیز کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہی وہ تو ضرور آ کر رہے گی اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے (کہ اُسے نہ ہونے دو) (اے پیغمبر) تم (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں پھر آگے تم کو یقین ہو جائے گا کہ آخرت کے گھر کی خوبی کس کے لیئے ہی۔ اس میں شک نہیں کہ ستم گاروں کو فلاح نصیب نہیں ہوتی اور (یہ کافر لوگ) خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں خدا کا بھی ایک حصّہ ٹھیراتے پھر اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ اس قدر تو خدا کا حصّہ ہی اور اس قدر اُن کے شریکوں (یعنی معبودوں) کا تو جو (حصّہ) اُن کے شریکوں کا ہوتا ہی وہ تو خدا کی طرف نہیں پونہچتا اور جو خدا کا (حصّہ) ہوتا ہی تو وہ اُن کے شریکوں کی طرف پونہچ جاتا ہی کیا ہی بُرا طریقہ ہی جس کا یہ لوگ حکم لگاتے ہیں۔

**ترجمۂ مولوی عبد الحق صاحب مفسّر تفسیر حقّانی**

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت۔ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے۔ جو تمہیں میری آیتیں سنایا کرتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں اور اُن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال رکھا تھا اور وہ آپ ہی اپنے اُوپر گواہی دیں گے کہ ہم منکر تھے۔ یہ اس لیئے کہ آپ کا رب کسی گاؤں کو (اُن کے) ظلم پر اُن کی بے خبری میں ہلاک کرنے والا نہیں تھا۔ اور ہر کسی کو اپنے اعمال کے درجے ملیں گے اور آپ کا رب اُن کے کام سے بے خبر نہیں اور آپ کا رب بے پروا رحمت والا ہی اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے۔ اور تمہارے پیچھے جس کو چاہے قائم کرے جس طرح کہ تم کو اَور لوگوں کی نسل سے کر دیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہی ضرور وہ آنے والا ہی اور تم ہر گز روک نہ سکو گے۔ اے پیغمبر کہہ دو کہ بھائیو تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں سو تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لیئے دارِ آخرت کا انجام اچھا ہی۔ بے شک ظالموں کا تو بھلا ہو گا نہیں۔ اور اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں سے مشرکین اُس کے لیئے حصّہ لگا کر اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہی اور یہ ہمارے معبودوں کا۔ پھر جو اُن کے معبودوں کا ہو جاتا ہی وہ تو خدا کو نہیں پونہچتا اور جو اللہ کا ٹھیرتا ہی وہ اُن کے معبودوں کو بھی پونہچ جاتا ہی کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔

راقم نے جن چھٹی مترجموں کے ترجموں کا مقابلہ فاضل مترجم کے ترجمے کے ساتھ کیا ہی اُس کے صحیح اور با محاورہ ہونے کا فیصلہ منصف ناظرین کی رائے پر چھوڑا جاتا ہی۔ تاہم مقابلہ و موازنے کے وقت اس بات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہی کہ اُردو میں سب سے پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ہی۔ دوسرا شاہ عبد القادر صاحب کا۔ تیسرا مولوی نذیر احمد صاحب کا۔ چوتھا میرزا حیرت صاحب کا۔ پانچواں مولوی عاشق الٰہی صاحب کا۔ چھٹا مولوی فتح محمد صاحب کا۔ ساتواں مولوی عبد الحق صاحب کا۔ ان ترجموں میں پہلے دو ترجمے اگرچہ صرف موجودہ اُردو کے لحاظ سے کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ لیکن چوں کہ اُن دونوں ترجموں کو اولیت کا فخر حاصل ہی اور انھیں ترجموں کو دیکھ کر فاضل مترجم مولوی نذیر احمد صاحب نے ایک فصیح و با محاورہ ترجمے کی ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ اس لیئے ان دونوں ترجموں کا درج کرنا ضروری سمجھا گیا۔ فاضل مترجم کی دیکھا دیکھی چار ترجمے اور ہوئے۔ مگر انصاف یہ کہتا ہی کہ

مولوی نذیر احمد کے خرمن کے یہ سب خوشہ چین ہیں - الفاظ اور ترکیبوں کے تھوڑے تغیر و تبدل نے مترجموں کے نام بدل دیئے ہیں - ورنہ ہر ترجمے میں فاضل مترجم کے ترجمے کا جلوہ صاف نظر آتا ہی - جس کو باور نہ آئے وہ مقابلہ کر کے دیکھ لے -

فاضل مترجم کے ترجمے کے بعد جن لوگوں نے ترجمے شروع کئے اُن کے ترجمے ویسے ہی ہیں جیسے گلستاں کے جواب میں بہارستان یا خارستان یا پریشاں کہ اُن میں کی ایک کتاب بھی گلستاں کی قدر و منزلت کو نہیں پونہچ سکی -

فاضل مترجم کے ترجمے کے بعد بعض مترجمین نے صرف ہلدی کی گرہ سے اپنی دکان جمانے کے لیئے عجیب و غریب اشتہاروں سے کام لیا ہی کہ ہنسی آتی ہی - ایک اَور صاحب ہیں کہ فاضل مترجم اور اُن کے ترجمے کی نسبت آٹھ آٹھ آنسو رو کر صاف صاف تو نہیں مگر استعارے کے طور پر فرماتے ہیں کہ "انھوں نے ابتدائے عمر میں کبھی چند عربی کتابیں پڑھی تھیں اور پھر عمر بھر دنیاوی اشغال میں مصروف رہے - خدمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہوئے تو اُن کو ترجمۂ قرآن کا شوق ہوا - لیکن عقائد اور اعمال میں سلفِ صالحین کے موافق نہیں نہ کسی عالم دینی سے شرفِ صحبت نہ استفادہ - دینیات کے جملہ علوم سے ناواقف محض - نہ کبھی سبقاً سبقاً کسی سے پڑھا نہ پڑھایا - اس پر دماغ میں خود پسندی اور خود سری - البتہ طبیعت کی جولانی اور زمانے کی آزادی کی روشنی میں اُس وشتِ پُر خار اور دشوار گزار گھاٹی کو طے کرنا چاہا - راستے کی عدم واقفیت کے سبب آخر قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی تھیں کھائیں - اور اس کے سوا ہونا ہی کیا تھا - اہل کتاب اور زمانۂ حال کے مخالفوں نے کلام الٰہی پر جو ہرزہ سرائی کی ہی اُس کا بھی علم نہیں - محاورے میں لانے کی غرض سے ترجمے میں بڑے بڑے بریکیٹ دے کر ترجمے کے نقب سے نکل کر تفسیر و تاویل کی سڑک پر پڑ گئے -

اسی طرح ایک جگہ استعارے میں نہیں بلکہ کُھلّم کُھلّا یہی صاحب اپنے والد بزرگوار اور اُن کے ترجمے کی نسبت یوں گُہر فشاں ہیں کہ "بناءً علیہ سچے اور راسخ العقیدۃ مسلمانوں کی مدت سے آرزو تھی کہ کسی عالم باعمل اور فاضل اجل کا بامحاورہ اُردو ترجمہ جو الفاظِ قرآنیہ کی رعایت کے ساتھ ہو شائع کیا جائے اور نیز مندرجۂ ذیل رعایتیں اُس میں ملحوظ ہوں اول یہ کہ مترجم عقائد میں سلف صالحین کا پیرو ہو - اُس کے ظاہری اعمال بھی سنتِ نبوی کے مطابق ہوں - نہیات شرعیہ سے متنفر اور اعلائے کلمۃ اللہ کا دل سے مؤید ہو - حدیث شریف میں وارد ہی کہ تم جس سے دینیا حاصل کرو اُس کو دیکھ بھی لیا کرو - دوسرے وہ جملہ علوم عربیہ مروجہ سے جن کا قرآن مجید سے تعلق ہی ماہر ہو اور اُس کی خدمت کو ملک نے قدر دانی اور بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا ہو اور دیگر مذاہب کے اصول و فروع سے بھی واقف ہو - مناظرات کے میدان طے کر چکا ہو - ضرورت زمانہ کا بھی احساس رکھتا ہو - تیسرے ترجمہ الفاظ قرآنیہ کا حتی الوسع تحت میں ہو -

اس پر محاورے کی پابندی بھی ہو۔ حشو وزوائد سے پاک و مبرا ہو یعنے ترجمے میں سوائے ضمیر مرجع اور محذوفات کے اظہار کے تفسیر کی طرح رطب و یابس نہ ٹھونسا گیا ہو۔ جس سے طالبانِ قرآن کا واسطہ منقطع ہو جائے اور معتمد احتمالات و مذاہب میں سے صرف ایک احتمال اور ایک مذہب خاص قرآن کا رہ جائے۔ چوتھے ترجمہ بازاری اور شہدوں کی زبان میں نہ ہو۔ بلکہ متکلم اور مخاطب کی شان کے موافق ترجمے میں شائستہ اور مہذب الفاظ کا استعمال ہو۔ پانچویں حواشی پر حل لغات اور ترکیب نحوی اور قرأت اور ایک طرف آیات کے متعلق فوائد ہوں۔ جن میں مسائل قرآنیہ کی تصریح ہو اور مذاہب ائمہ بھی بیان کئے گئے ہوں اور جہاں توضیح مقصود ہو وہاں توضیح کر دی گئی ہو۔ اور جہاں تاریخی واقعات ہوں وہاں اہل کتاب کی مسلّمہ کتب سے حوالے اور معتبر تواریخی ثبوت اور کسی قدر حسب ضرورت مقامات کا جغرافیہ بھی دیا گیا ہو اور جہاں فلسفے اور سائنس کے اعتراض وارد ہوتے ہوں اُن کے جوابات بھی دیئے گئے ہوں۔ اسی طرح یہود۔ نصاریٰ۔ ہنود۔ آریہ اور دہریے نے جو کچھ بھی ہرزہ سرائی کی ہے اُس کا بھی روک کیا گیا ہو" اِس کے بعد مشتہر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ" الحمد للہ والمنۃ کہ مذکورۂ بالا رعایتوں کے ساتھ حضرت مولانا مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب مفسر حقانی و نامی والبیان وعقائد الاسلام وغیرہ کا ترجمۃ القرآن مع فوائد مطبع نے بصرف کثیر تیار کیا ہے،،

اِسی طرح کے کچھ فتوے اور اشتہار اور لوگوں نے بھی دیئے ہیں۔ لیکن افسوس کوئی ایک بھی اپنے دعوے میں پورا نہیں اُتر سکا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت لم تقولون مالا تفعلون یا کہنے کو آندھی اور کرنے کو خاک کہا گیا ہے

لیکن ہم بلا خوفِ تردید اس بات کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ فاضل مترجم نے اِن تمام خوبیوں کا لحاظ رکھا ہے۔ بلکہ اِن خوبیوں سے بھی کچھ زائد خوبیاں دکھائی ہیں۔ ترجمے کی خوبی اور عمدگی موقوف ہے اِس پر کہ مترجم اصل زبان عربی اور جس زبان میں ترجمہ کرتا ہے دونوں پر بوجہ احسن قادر اور پورے طور سے واقف ہو۔ پس تمام موجودہ مترجمین میں کوئی مترجم بھی مولوی نذیر احمد صاحب کی لیاقت سے لگا نہیں کھاتا فاضل مترجم کی لیاقتِ عربی اور زبردست اُردو اور متعدد تصانیف و تراجم کا سکّہ چار دانگ ہندوستان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُن کے ترجمۃ القرآن میں سلاست و متانت و اظہارِ مطالب اور فہم معانی اور شستگی اور فصاحت و بلاغت جس درجے کی ہے اُس کا عُشر عشیر شاید ہی کسی ترجمے میں موجود ہو تو ہو۔ ہمارے نزدیک تو اس ترجمے سے بہتر اور عمدہ اور مطالب خیز ترجمہ نہ اب تک ہوا ہے اور نہ آیندہ ہونے کی توقع۔ فی الواقع اس ترجمے کی شہرت اور مقبولیتِ عام نے خواص وعوام کے مختلف طبقوں میں وہ شوق وہ دلچسپی وہ رغبت پیدا کر رکھی ہے کہ دس بارہ سال میں تقریبًا پچاس ہزار جلدیں مختلف صورتوں۔ متعدد کھنڈوں میں شائع ہوئیں۔ مگر لوگوں کی خواہش ابھی تک ویسی ہی تازہ بلکہ روز افزوں

ہی۔ مقبولیت عام کی اس سے بڑھ کر سند اور کیا ہو سکتی ہی؟

حق یہ ہی کہ اس ترجمے کی نظیر سے ہندوستان کی اتنی بڑی آبادی اس سرے سے لے کر اُس سرے تک بالکل خالی نظر آتی ہی۔ فاضل مترجم نے اس کے دل چسپ اور سلیس اور بامحاورہ اور عام فہم اور مستند بنانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہی کہ اس کے پڑھنے والوں کو قرآن شریف کا مطلب سمجھنے میں نہ تو کسی استاد کی امداد کی ضرورت پڑتی ہی نہ چنداں علم و فضل درکار ہوتا ہی بلکہ معمولی استعداد کا ہر اُردو خوان پڑھا اور اَن پڑھ عالم و عامی حتّٰی کہ معمولی استعداد کی عورتیں، بچّے بھی اس سے متمتع ہوتے اور پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فاضل مترجم کا ترجمۃ القرآن ایک ایسے شفاف اور جلا کئے ہوئے تالوں کی خوب صورت عینک ہی جس سے قرآن مجید کے ذاتی انوار اور اصلی جوہر جو لوگوں کے قصورِ استعداد اور ناواقفیت زبان کی وجہ سے مکدّر اور دُھندلے پڑ گئے تھے ہر شخص کو اپنی اصلی صورت میں صاف چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ترجمے کے ساتھ نہایت مفید حاشیے اور فائدے بھی جا بجا چڑھائے گئے ہیں جن سے قرآن کا اہم اور مشکل سے مشکل مطلب بھی پانی کی طرح حل ہو گیا ہی۔ مسائل و احکام کی تحقیقات اور محاوراتِ عرب کو اُردو کے روزمرّہ سے منطبق کرنے میں وہ کوشش کی گئی ہی کہ اُس سے زائد اور بہتر ہو نہیں سکتی۔

غرض کہ دنیا کی تمام مروّجہ تفسیروں سے بے پروا کر دینے والا اور کلامِ الٰہی کا اصلی منشا ہر ایک شخص کے خواہ وہ کسی رُتبے کا ہو ذہن نشین کرنے والا صرف ایک یہی ترجمہ ہی جس کی تقریب کی جاتی ہی۔ اگر قرآنِ شریف کا سمجھ کر پڑھنا شرطِ اسلام ہی تو ہر ایک مسلمان کے گھر میں اس ترجمے کی کم از کم ایک جلد تو ہو۔

مولانا ممدوح کے ترجمۃ القرآن کی نسبت ایک ہمارا خیال یہ بھی ہی کہ جس طرح قرآن کی اصلی عبارت لاجواب ہی۔ اُسی طرح فاضل مترجم کا ترجمۃ القرآن اس وقت اپنا جواب نہیں رکھتا۔

**ترجمۃ القرآن میں وقتاً فوقتاً اصلاح و اضافہ**

ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب لیوروِن صاحب نے گولمنز ہیونز کے ترجمے سموات کو مکمّل کرنے کے لئے مسٹر سانڈرس ریزیڈنٹ حیدر آباد کی معرفت وہاں کے امیر کبیر کے پاس جو علم ہیأۃ کے بڑے عالم تھے بھیجا اور درخواست کی کہ وہ اُردو ترجمے کی دُرستی فرما دیں تو میں بہت ممنون ہوں گا اور امیر کبیر نے وہ ترجمہ مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کو دیا کہ وہ اس کو ملاحظہ فرمائیں تو انھوں نے ترجمے کے متعلق ہمارے مولانا کو لکھا کہ "آپ کا ترجمہ مجھ کو سپرد ہوا ہی۔ مجھ کو اُس کمیٹی کی رائے سے اتفاق نہیں جس نے ترجمے کو اچھا نہیں بتایا۔ ترجمہ بہتر سے بہتر ہوا ہی اور اس میں کچھ کسر ہی تو اسی قدر کہ آپ ہی اس کی نظرِ ثانی کریں اور جہاں ضرورت دیکھیں اصلاح کریں اور میں یہی رائے لکھ کر لیوروِن صاحب

کے پاس بھیج رہا ہوں" بس یہی حال ہمارے مولانا کے ترجمۃ القرآن کا ہے - اُس کی خواہ متفرق طور پر نکتہ چینی کی جائے خواہ نکتہ چینی کے لیے کمیشن بیٹھے - مگر ہونا وہی ہے جو سموات کے لیے ہوا - یعنی اگر ترجمۃ القرآن میں کوئی کور کسر ہے تو اُس کو فاضل مترجم ہی نکال سکتے ہیں دوسروں کی مجال نہیں - چناں چہ ہم اول سے آخر تک برابر یہی دیکھ رہے ہیں کہ ایک ایڈیشن کے بعد جب دوسرا ایڈیشن ہوتا ہے تو ترجمۃ القرآن میں اضافہ و اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا - چناں چہ آخری ایڈیشن کے ساتھ ہم نے مولانا کے اسبق ترجمۃ القرآن کے ایڈیشنوں کا بالاستیعاب مقابلہ کیا ہے اور پایا ہے کہ آخری ایڈیشنوں میں بہت کچھ اصلاح ہوئی ہے - مگر نکتہ چینوں کے اعتراضات میں نہیں - کیوں کہ وہ اعتراض حقیقی اور واجبی نہ تھے - بلکہ فاضل مترجم نے جہاں کہیں اپنے ترجمے میں نقص دیکھا ہے اُس کو رفع فرما دیا ہے - یہ بات مولانا کے ترجموں کا مقابلہ کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے -

(۱) ادعیۃ القرآن
(۲) ہفت سورہ
(۳) وہ سورہ

یہ تینوں کتابیں قرآن مجید سے اقتباس کی گئی ہیں - (۱) ادعیۃ القرآن اُس قسم کی دعاؤں کی کتاب ہے جیسی دلائل الخیرات اور حصن حصین اور دعائے گنج العرش وغیرہ آج کل مروج ہیں - لیکن ان میں اور اُس میں یہ فرق ہے کہ ادعیۃ القرآن میں اُس کی بتائی ہوئی دعائیں ہیں جو دعاؤں کو قبول فرمایا کرتا ہے یعنی خدا - ادعونی استجب لکم - اور دلائل الخیرات وغیرہ میں اُن لوگوں کی بنائی ہوئی دعائیں ہیں جو محتاج دعا ہیں یعنی بندے - پس ناظرین سمجھ لیں کہ کون سی دعائیں تیر بہدف ہو سکتی ہیں - ادعیۃ القرآن میں ہر ایک دعا کے ساتھ اردو ترجمہ موجود ہے اور نیز اُس کی شانِ نزول کہ یہ دعا کس نے کی اور کس غرض سے کی - یہ اس لیے کہ دعا مانگنے والا دعا کا مطلب سمجھ کر اپنے مطلب کے موافق عرضِ مدعا کرے - ادعیۃ القرآن تقریباً ایک سو صفحے کا رسالہ ہے - اول مختصر دیباچے کے بعد چار باب باندھے ہیں اور اُن میں صرف قرآنِ مجید کی آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ دعا داخل فطرتِ انسانی ہے - یعنی خدا نے آدمی کا دل ہی ایسا بنایا ہے کہ حاجت پڑے پر خدا کو پکارتا ہے - دوسرے باب میں قرآن سے ثابت کیا ہے کہ خدا کے سوا دوسروں سے دعا کرنی منع ہے - تیسرے باب میں حکمِ دعا اور وعدۂ قبولِ دعا کے متعلق آیتیں لکھی ہیں - چوتھے باب میں شرائطِ قبولِ توبہ کا بیان ہے - بعد ازاں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم - حضرت آدمؑ - حضرت نوحؑ - حضرت صالحؑ - حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ - حضرت یوسفؑ - حضرت زکریاؑ - حضرت ایوبؑ - حضرت یونسؑ - حضرت سلیمانؑ - ملکۂ بلقیس - حضرت شعیبؑ - حضرت موسیٰؑ - بنی اسرائیل - فرعون کے جادوگروں کی دعائیں جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے - بی بی آسیہ کی دعا - حضرت عیسیٰؑ - حضرت مریم کی والدہ حنہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں - حضرت لوطؑ - انبیائے سابقین کے اصحاب - اصحابِ کہف اور فرشتوں وغیرہ وغیرہ کی دعائیں قرآنِ مجید سے مستنبط کر کے درج کر دی ہیں - بہر حال ادعیۃ القرآن کی دعائیں اُن تمام دعاؤں سے بہتر ہیں جو آج کل مروج ہیں -

(۲) ہفت سورہ اور وہ سورہ کے متعلق جناب مولانا فرماتے ہیں "معلوم نہیں پنج سوروں کا رواج کیوں اور کس سے اور کب سے چلا - مگر بہت پُرانے پنج سورے دیکھنے میں آئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنج سوروں کا رواج کم از کم سیکڑوں

برس پہلے سے چلا آتا ہی۔ خیال دوڑانے سے اس کے سوائے کوئی اَور وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ سارے قرآن کی تلاوت
دیرطلب کام ہی۔ کسی نے اتفاقی طور پر اپنی رائے سے سورۂ یٰسین۔ الرحمٰن۔ تبارک الذی۔ واقعہ۔ مزمل پانچ سورتیں
منتخب کر کے اُن کا ورد بنا لیا۔ اور اپنے زعم میں سارے قرآن کی تلاوت سے سبک دوش ہو بیٹھا۔ قرآن فی نفسہ
کچھ ایسی بڑی ضخیم کتاب نہیں اور نہ شارع کی طرف سے جلدی کی تاکید ہی۔ مگر لوگوں کی ہمتیں دین کے بارے میں ایسی
پست ہو گئی ہیں کہ حافظوں کا تو مذکور نہیں جو قرآن پڑھ سکتے ہیں اُن میں بھی جیسا چاہیئے تلاوت کا التزام نہیں۔
پنج سورے کے موجد نے اُنگلی میں لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا چاہا۔ لوگوں کو حیلہ ہاتھ آیا پنج سورے چل پڑے۔
ہم تو سرے سے قرآن ہی کو قابلِ انتخاب نہیں سمجھتے۔ قرآن الحمد سے لے کر والناس تک سارے کا سارا انتخاب ہی
مگر لوگوں نے فرمایش کی ہم نے اس خیال سے کہ خیر قرآن کا نام تو ہی۔ متداول پنج سورے میں سورۂ فتح اور نبا
دو سورتیں بڑھا کر اول ہفت سورہ چھپوایا اب سورۂ اخلاص یعنی قل ہو اللہ اور معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق
اور قل اعوذ برب الناس تین سورتیں اَور زیادہ کر کے **دہ سورہ**۔ اس دہ سورے کے ورد کا مضایقہ نہیں۔ مگر سارے
قرآن کی تلاوت کا فرض تو اس سے ساقط ہونے کا نہیں۔

## الحقوق والفرائض

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب علم کلام میں فرماتے ہیں کہ وہ ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد
بلکہ خود اُنہیں کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے
یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل و دماغ پیدا ہوگا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا
کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا **شاہ ولی اللہ** جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے
غزالی۔ رازی۔ ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ شاہ صاحب نے **علم کلام** کے عنوان سے کوئی
تصنیف نہیں کی۔ اور اس بنا پر اُن کو متکلمین کے زمرے میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں۔ لیکن اُن کی کتاب
**حجۃ اللہ البالغہ** جس میں اُنھوں نے **شریعت** کے حقائق اور اسرار بیان کیئے ہیں درحقیقت **علم کلام** کی روح
وروان ہی۔ علم کلام درحقیقت اُس کا نام ہی کہ مذہب اسلام کی نسبت یہ ثابت کیا جائے کہ وہ منزل من اللہ ہی۔ مذہب
دو چیزوں سے مرکب ہی۔ عقائد و احکام۔ شاہ صاحب کے زمانے تک جس قدر تصنیفات لکھی جا چکی تھیں صرف
پہلے حصے کے متعلق تھیں۔ دوسرے حصے کو کسی نے مس نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جس نے اِس
موضوع پر کتاب لکھی"۔

یہ عبارت دیکھ کر مجھے اول اول نہایت استعجاب ہوا۔ کیوں کہ سُنی سنائی باتوں کے لحاظ سے امام غزالی اور
امام رازی کی وقعت خصوصیت کے ساتھ میرے دل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
کو سُنی سنائی باتوں کی وجہ سے بمقابلہ امام غزالی اور فخر رازی اگر ایک طفل مکتب نہیں تو کم سے کم ان صاحبوں کا خوشہ چین
ضرور سمجھتا تھا۔ چناں چہ راقم نے جب اپنے چند بزرگوں پر علامہ شبلی کا یہ خیال ظاہر کیا تو اُنھوں نے امام غزالی
جیسے صاحب جاہ وجلال امام اور علامۂ علم کلام کے مقابلے میں شاہ صاحب کی برتری کو شگفتگی دل سے نہیں سُنا۔ لیکن

ولی زبان سے حق گوئی نے اتنا ضرور اقبال کرایا کہ ہاں شاہ صاحب نے بمقابلۂ امام غزالی اسرارِ دین کے بیان کرنے میں مُوشگافیاں زیادہ کی ہیں لیکن میرے لیئے یہ بھی سُنی سنائی باتیں تھیں۔ قصورِ استعداد کی وجہ سے نہ میں عربی کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت دیکھ سکتا تھا اور نہ حجۃ اللہ البالغہ۔ حُسنِ اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کی کتاب کا ترجمہ آیات اللہ الکاملہ[1] مجھے مل گیا۔ اور میں نے اول سے آخر تک نہایت ذوق وشوق اور غور وخوض سے اُس کو پڑھا لیکن امام صاحب اور شاہ صاحب کے درمیان کسی کو فاضل ومفضول نہ ٹھیرا سکا۔ کیوں کہ اس وقت شاہ صاحب تنہا پیش قاضی تھے تاہم راقم کو اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسرارِ دین کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہی۔ اس واقعے کے کئی برس بعد الحقوق والفرائض کی جلدیں چھپ کر شائع ہوئیں۔ ان کی سیر نے حجۃ اللہ البالغہ کے دیکھنے پر راقم کو دوبارہ مجبور کیا۔ اور اب میں نے ان دونوں صاحبوں کی کتابوں کو مقابلۃً بالاستیعاب پڑھنا شروع کیا۔ الحقوق والفرائض کو جتنا پڑھتا جاتا تھا تو مولنا نذیر احمد صاحب کے مقابلے میں (گستاخی معاف) شاہ صاحب کی نسبت میری بالکل وہی رائے قائم ہوتی جاتی تھی جو علامہ شبلی نے امامِ غزالی کی نسبت بمقابلۂ شاہ صاحب قائم کی ہی اور میں نہایت دلیری اور جرأت کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر "علمِ کلام" کی تصنیف کے قبل الحقوق والفرائض کی جلدیں شائع ہو جاتیں تو علامہ شبلی بھی ہمارے شمس العلما مولنا ڈاکٹر حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کو فاضل اور شاہ صاحب کو مفضول ٹھیراتے۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں چند معرکۃ الآرا مضامین **حجۃ اللہ البالغہ** اور **الحقوق والفرائض** سے نقل کر کے نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔ اور صرف اتنی بات پوچھتے ہیں کہ تسکینِ قلب حضرت شاہ صاحب کے ارشاد سے ہوتی ہی یا ہمارے مولنا کے بیان سے۔ کیوں کہ ہمارے نزدیک تسکینِ قلب ہی ایک بڑی چیز ہی۔

**توحید۔ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب**

نیکی اور اقسامِ نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ حصّہ توحید ہی۔ پروردگارِ عالم کی حضوری میں نیاز وانکسار کا حاصل ہونا اُس کی توحید پر منحصر ہی۔ اور یہ نہا یہی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہی۔ یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہی جو ان دونوں تدابیرِ مذکورہ میں زیادہ مفید ہی۔ اِسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہی۔ نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اُسی کی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی عظمت پر تنبیہ کی ہی۔ اور اُس کو تمام اقسامِ نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہی۔ اگر وہ درست ہی تو سب نیکیاں درست ہیں۔ اور اگر وہ فاسد ہی تو سب نیکیاں فاسد ہیں۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا ہی کہ جو شخص میرے اور خدا کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا۔ فرمایا ہی کہ اُس پر دوزخ کی آگ حرام یا وہ جنت سے روکا جائے گا۔ اور ایسی ہی ایسی عبارتیں وارد ہوئی ہیں اور خدا کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اُس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں خدا کا شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں ویسی ہی اُس کی مغفرت کروں گا۔

[1] مولوی خلیل احمد صاحب بن مولنا مولوی سراج احمد صاحب سابق اسرائیلی مدرسِ عربی مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ کیا ہی۔

معلوم کرنا چاہیئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں (۱) صرف خدا تعالیٰ میں ہی صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا کوئی دوسرا بجز اُس کے واجب نہ ہو (۲) صرف اُسی کی ذات کو عرش وکرسی آسمان وزمین اور تمام جوہروں کا خالق جاننا کتبِ الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے۔ مشرکینِ عرب اور یہود ونصارٰی نے بھی اس توحید کی مخالفت نہیں کی۔ قرآنِ عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات اُن سب کو مسلّم تھے۔ (۳) تیسرے آسمان وزمین اور تمام اُن چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں مدبر صرف خدا کو سمجھنا (۴) بجز خدا کے کوئی اَور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ ان دونوں حصوں میں قدرتی تعلق اور ربط ہے۔ اس لیئے ایک دوسرے کو لازم ہے اور انھیں میں فرقوں نے اختلاف بھی کیا ہے۔ مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں

(۱) نجومی ان کا مذہب ہے کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں۔ اُن کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے اپنی حاجتوں کو اُن کے سامنے پیش کرنا بجا ہے۔ وہ قائل ہیں کہ ہم کو خوب ثابت ہو گیا ہے کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے۔ اُن کو آدمی کی خوش نصیبی اور سیہ بختی تن درستی اور مرض میں بڑا دخل ہے۔ ستاروں کے نفوس مجرّدہ اور بلا عاقلہ ہیں۔ وہی ان کو اِن حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس لیئے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر مورتیں بنائی ہیں اُنھیں کو وہ پوجتے ہیں اور مشرکوں کا وہ فرقہ مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں تو موافق ہے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور قطعی حکم کرنے کا منصب تو خدا ہی کو ہے اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے لیکن وہ باقی امور میں مسلمانوں کے موافق نہیں ہیں اُن کا مذہب ہے کہ پہلے صلحا نے جو خدا کی خوب عبادت کی ہے اُس سے وہ بارگاہِ الٰہی میں مقرب ہو گئے ہیں خدا نے الوہیت کا مرتبہ اُن کو عطا کر دیا ہے اس واسطے وہ بہ نسبت اَور مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے تب شہنشاہ اُس کو ملکی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اُس کے متعلق کر دیتا ہے اس لیئے وہ مستحق ہو جاتا ہے کہ اُس شہر کے لوگ اُس کی خدمت اور اطاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر اُن کی پرستش شامل کیئے عبادت مقبول نہیں ہوتی بلکہ خدا کا رتبہ نہایت بلند ہے اُس کی عبادت سے تقربِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا البتہ اُن لوگوں کی پرستش ضرور ہے تاکہ یہ قربِ الٰہی کے لیئے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں دیکھتے ہیں اپنے پجاریوں کی شفاعت کرتے ہیں اُن کے اُمور کا ساز وسامان کرتے ہیں اُن کے معاون بنتے ہیں اسی لیئے مشرکین نے اُن کے نام کے پتھر تراش لیئے ہیں جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں اِن مشرکین کے بعد اَور لوگ پیدا ہوئے اُنھوں نے اِن پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کے لیئے یہ پتھر تراش کیئے گئے ہیں کوئی فرق نہیں کیا اور خود انھیں پتھروں کو اصلی معبود قرار دے لیا۔ اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں تنبیہہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف خدا ہی کا خاصہ ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ محض جمادات ہیں الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم اذان یسمعون بھا۔[۱] اور فرقہ نصارٰی کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خداوند سے نہایت قرب ہے اور تمام مخلوق سے اُن کا رتبہ زیادہ ہے اس لیئے مناسب

---

[۱] کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل پر وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے کچھ سُن سکیں

نہیں ہی کہ ہم اُن کو بندہ کہیں یہ اُن کی شان میں سوءِ ادبی ہی اور اُس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہی جو اُن کو خدا سے حاصل ہی اس لیے بعض نصاریٰ اِس خصوصیت کے اظہار کے لیئے اُن کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں چوں کہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہی اور اپنی نظر کے سامنے اُس کی تربیت کرتا ہی اُس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہی۔ اِس واسطے یہی نام مناسب ہی اور بعض نصاریٰ نے حضرت عیسےٰ کا نام خدا ہی رکھ دیا ہی۔ اِس خیال سے کہ خدا نے اُن میں حلول کیا ہی۔ اسی لیئے اُن سے ایسے ایسے آثار صادر ہوئے کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے۔ مُردوں کو اُنھوں نے زندہ کیا، پرندوں کو پیدا کیا۔ اس لیئے حضرت عیسیٰ کا کلام بعینہ کلامِ الٰہی ہی اور اُن کی عبادت بالکل خدا کی عبادت ہی اور نصاریٰ جب بعد کو پیدا ہوئے تو اس نام رکھنے کی وجہ کو اُنھوں نے کچھ نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی ہی معنی کے بیٹے سمجھے اور اُن کو من جمیع الوجوہ واجب خیال کیا اسی واسطے خدا تعالیٰ نے کبھی اُن کے اقوال کو اس طرح رد کیا کہ خدا کے پاس بیوی نہیں اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ بدیع السموات والارض انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (خدا آسمانوں اور زمین کا از سرِ نو پیدا کرنے والا ہی اُس کی شان ہی کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہی تو کہہ دیتا ہی کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہی) اِن تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات اور بیہودہ پن بھرا ہوا ہی مثلاً شی پر وہ مخفی نہیں ہیں قرآن عظیم نے اِن دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہی اور کافروں کے شبہات کا بلا استیفا رد کیا ہی (آیات اللہ الکاملہ ترجمۂ حجۃ اللہ البالغہ)

## حقیقتِ شرک

از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

معلوم کرنا چاہیئے کہ عبادت کے معنی ہیں نہایت درجہ عاجزی جب کسی سے لیسے نہایت درجہ کی ذلت اور عاجزی ظاہر ہو گی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا۔ ایک کا سجدہ کرنا یا قصد اور نیت سے ہوتی ہی مثلاً سجدے سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لیئے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لیئے یا شاگردوں کی استاد کے لیئے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہی۔ اور جب ثابت ہو چکا ہی کہ سجدے سے فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کی تعظیم کی تھی حال آں کہ سجدے سے زیادہ کوئی اَور تعظیم نہیں ہی تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی اس لیئے کہ مولا کے لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اُس سے مراد معبود کی ذات ہی تو وہ گویا عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہی۔ پس اُس کے متعلق یوں تنقیح کی جائے گی کہ ذلت و خواری کا اقتضاے ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دوسری میں قوت اور غلبے کا خیال کرنا ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور دوسری میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب مخلّی بالطبع ہو جائے تو اُس کو معلوم ہو گا کہ وہ قوت۔ شرف۔ مسخر کرنے وغیرہ امور کے لیئے دو قسم پر اندازہ کرتا ہی ایک اپنی ذات کے لیئے اور اُس کے لیئے جو ذاتی امور میں اُس سے ملتا جلتا ہو اور ایک اُور ذات کے لیئے جو حدوث و امکان کے داغ سے بالکل پاک ہی دوسرے اُن لوگوں کے لیئے جن میں ایسی پلیدترین ذات کی بعض خصوصیتیں منتقل ہو آئی ہوں مثلاً وہ امورِ غالبہ کے معلوم کرنے کے لیئے دو درجے قرار دیتا ہی ایک وہ درجہ جو غور و فکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوت حدس یا خواب یا اُن چیزوں سے الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے

آپ کو بالکلیہ نہیں پاتا ہی دوسرے ذاتی علم جو عالم کی ذات کا ہی مقتضا ہو دوسرے سے وہ اُس کو حاصل نہ کرے - اور تحصیل کی محنت کا بار نہ برداشت کرے ایسے ہی تاثیر تدبیر تسخیر کے لیئے کوئی سا لفظ ہو وہ دو درجے سمجھتا ہی ایک تو اعضا اور قویٰ کا استعمال کرنا مزاجی کیفیات حرارت برودت وغیرہ سے اعانت لینا اور امور جن کی استعداد قریب یا بعید اُس میں موجود ہی دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال کیا جاتا ہی کہ بغیر کسی کیفیت جاننے اور بغیر کسی امر کے استعمال کیئے کسی شے کو پیدا کر دینا جس کو خدا فرماتا ہی - [1]اِنَّمَآ اَمۡرُہٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ - اور ایسے ہی وہ عزت اور شرف کے دو درجے قرار دیتا ہی ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے مقابلے میں ہوتی ہی جس کی انتہا معاونین کی کثرت انعامات وداد و دہش کا زیادہ ہونا ہی یا جیسے کسی بڑے توانا اور استاد کی عظمت دوسرے ضعیف القویٰ اور شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہی اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہی کہ وہ صرف اُس میں ہو جس کی رفعت وشان نہایت اعلیٰ درجے کی ہو اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیئے تاکہ تجکو یقین ہو جائے کہ جو شخص اِس کا معترف ہی کہ یہ تمام امکان سلسلۂ ذات واجبی پر ختم ہو جاتا ہی دوسرے کی پھر کچھ حاجت نہیں رہتی اس کو ان صفات قابلِ مدح کے دو درجہ قرار دینے پڑیں گے ایک وہ درجہ جو ذاتِ خداوندی کے لائق ہو دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہی اور چوں کہ الفاظ جو دونوں میں استعمال کیئے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لیئے لوگ شرائعِ الٰہیہ کے لیئے موقع معنی لگا لیا کرتے ہیں اور اکثر بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے ایسے افعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا اُن کی ابنائے جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہی اس لیئے اُن کی نظر میں حالت مشتبہ ہو جایا کرتی ہی - اور اُن کے لیئے وہ قدسی مرتبہ اور الٰہی تاثیر ثابت کرتا ہی لوگ درجۂ بلند کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے - بعض لوگ اُن انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیا کرتے ہیں - جن کے اثر تمام موالید پر غالب ور محیط ہوتے ہیں لیکن یہ شخص اُن طاقتوں کو اپنی طاقت جیسی سمجھتے ہیں اور بعضوں کو ایسے احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی، ہر انسان کو اُس قدر تکلیف دی گئی ہی جتنی اُس سے ممکن ہی - اُس حکایت کے یہ معنی ہیں جس کو کہ سراپا صداقت آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ خدا نے اُس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجکو جلا دینا اور میری خاکستر کو ہوا میں اُڑا دینا اُس کو خوف تھا کہ مبادا خدا مجکو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے اُس شخص کو یہ یقین تھا کہ خدا میں کامل درجے کی قدرت ہی - لیکن اُس کو قدرت اُن ہی چیزوں میں ہی جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں پر اُس کو قدرت نہیں ہی، وہ جانتا تھا کہ اُس خاکستر کا جمع کرنا ناممکن ہی جو پراگندہ ہو کر اُس کا نصف حصّہ خشکی میں ہو اور نصف دریا میں اِس سے خدا کی ذات میں نقص پیدا نہیں ہوا جتنا اُس کا علم تھا - اتنا ہی وہ ماخوذ ہوگا لیکن کافروں میں اُس کا شمار نہ ہوگا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے خلافِ عادت امور مانند مکاشفہ اور قبولیت دعا کی ظاہر ہوتی رہتی ہیں لوگوں میں موروثی ہو گیا ہی - اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہی اُس کو فرض ہی کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دے - اور دونوں درجوں کی حقیقت ممیز کر کے مقدس درجے کو صرف واجب تعالےٰ ہی میں مانے - اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے

[1] جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہی تو کہہ دیتا ہی ہو جا وہ ہو جاتی ہی ۱۲

فرمایا کہ تو صرف رفیق ہی اور طبیب حقیقت میں خدا ہی ہی اور جیسے کہ آپ نے فرمایا کہ سردار صرف خدا ہی ہی اُن حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنی لیئے ہیں اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور صحابہ اور اُن کے حاملین دین کا زمانہ ختم ہوگیا اُن کے بعد ایسے ناشدنی لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے نمازوں کو ضایع کردیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بے جا معنی بنا لیئے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو خدا نے تمام شریعتوں میں بندگانِ خاص کے لیئے ثابت کیا ہی لیکن لوگ اُس کے بجا معنی مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلافِ عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمِ الٰہی اور غلبۂ الٰہی کی حالت اُس شخص میں منتقل ہو آئی ہی جو ایسے ایسے کام کرتا ہی حال آں کہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں ایک خاص وجہ سے تدبیرِ الٰہی کے نازل ہونے کی استعداد آجاتی ہی اُن امور کو ایجادِ الٰہی اور اُن امور سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا جو واجب تعالیٰ کے لیئے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعضے خدا کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکا کی ہی عبادت کرتے ہیں اپنی حاجتوں کو اُنھیں سے مانگتے ہیں خدا کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگرچہ یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلۂ وجود خدا ہی پر ختم ہوتا ہی اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہی کہ سردار اور مدبر تو خدا ہی ہی لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو بندگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہی اور بعض خاص کاموں کا اُن کو اختیار مل جاتا ہی وہ اُن کی سفارش کو قبول کرتا ہی جیسے کوئی شہنشاہ کسی حصۂ ملکی پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہی اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اُس ملک کی پوری تدبیر اُس کے سپرد کردیتا ہی اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں اُن لوگوں کو بندگانِ خدا کہنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی کہ کہیں وہ اَوروں کے برابر نہ ہوجائیں وہ بجائے اس نام کے اُن کو ابن اللہ اور محبوبِ الٰہی کہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اُن کا غلام سمجھتے ہیں وہ اپنا نام عبدالمسیح یا عبدالعزار کہتے ہیں عام یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کو یہ مرض ہوتا ہی اور فی زماننا اسلام میں بھی بعض ایسے غالی منافق موجود ہیں اور چوں کہ شریعت کی بنا اس پر ہوا کرتی ہی کہ مشتبہ کی چیز کو بجائے اصل کے قرار دیں اس لیئے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کیئے گئے جیسے بتوں کا سجدہ کرنا اُن کے لیئے قربانی کرنا اُن کے نام پر حلف کرنا اور ایسے ہی اَور امور اول اول مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی ایک قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی مگس کے لیئے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دُم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہی اور جیسی خطا اور بزہ کاری نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہی ایسے ہی ان مگس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہی۔ میں نے کہا کہ اِن لوگوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہی۔ لیکن ذلت کے درجے کو عزت کے درجے سے نہیں ملایا ہی اس واسطے میں ان لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا مجھ سے کہا گیا کہ تجھے اصل راز کی رہبری ہوگئی ہی اُس روز سے میرا دل علم توحید سے لبریز ہوگیا اور اُس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہوگئی اور توحید و شرک اور اُن چیزوں کی حقیقت جن کو شرع نے توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہی بخوبی مجھکو معلوم ہوگئی ہی اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا۔ واللہ اعلم۔

## ایمان بالقدر
از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

قضا و قدر پر ایمان لانا بڑے اعلیٰ درجے کی نیکی ہی اسی سے آدمی کو وہ یکساں تدبیر نظر آسکتی ہی جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہی جس شخص کو اس تدبیر کا ٹھیک اعتقاد ہوگا وہ اُن چیزوں پر

نظر رکھے گا جو خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں دنیا اور ما فیہا اُن کا عکس اُسے معلوم ہوگا۔ لوگوں کے اختیارات کو قضائے الٰہی کے مقابلے میں ایسا سمجھے گا جیسے آئینہ میں صورت کا عکس ہوتا ہی۔ اُس سے اُس شخص میں تدبیر یگانہ کا انکشاف ہوگا۔ اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی کی تمام قسموں میں اُس کا بلند رتبہ ہونا بتایا ہی کہ جس شخص کا قدر کی نیکی اور بُرائی پر ایمان نہ ہو تو میں اُس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا ہی کہ کسی بندے کا ایمان درست نہیں ہو سکتا ہی جب تک کہ قدر کی نیکی اور بُرائی پر ایمان نہ رکھے اور خوب یقین کرے کہ جو کوئی عمل درست ہوگیا اُس میں خطا کا دخل نہ تھا اور جو اُس نے خطا کی اُس میں درستی کا احتمال نہ تھا۔

معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا کا علم ازلی اور ذاتی تمام اُن چیزوں کو محیط ہی جو موجود ہو چکیں یا آیندہ موجود ہوں گی یہ محال ہی کہ خدا کے علم سے کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اُس کے علم میں نہ تھی اگر ایسا ہو تو وہ علم نہ ہوگا بلکہ جہل ہوگا یہ مسئلہ تو شمولِ علم کا ہی قدر کا مسئلہ یہ نہیں ہی اس میں کسی اسلامی فرقے نے مخالفت نہیں کی ہی جس قدر کا حال مشہور حدیثوں سے معلوم ہوا ہی اور سلفِ صالح کا وہی عقیدہ رہا اور محققین ہی کو اُس کے سمجھنے کی توفیق ہوئی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہی کہ یہ تکلیف کو دُور کرتی ہی اور جب یہ حالت ہی تو عمل کرنے کے کیا معنی ہیں وہ قدرؔ وہی ہی جو قبل موجود ہونے کے حادث اشیا کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہی۔ اس کے لازم کرنے سے وہ شے موجود ہوتی ہی نہ گریز کرنا اُس کو دفع کر سکتا ہی نہ کوئی اَور ذریعہ مفید ہی اس قدرؔ کے واقع ہونے کے پانچ مرتبے اور درجے ہیں۔

پہلا مرتبہ یہ ہی کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں قرار دیا کہ عالم کو ایک عمدہ صورت میں پیدا کرے۔ حتی الامکان اُس میں سب خوبیاں ہوں تمام مصلحتوں کا لحاظ ہو اُس کے موجود ہونے کے وقت تمام اضافی خوبیوں کے آثار ہوں خدا کے علم کی نہایت اِس پر ہوئی کہ اُن کی تمام صورتوں میں سے خاص خاص صورتیں متعین کر دی گئیں۔ اس طرح پر تمام حادث اشیا کا ایک مرتب سلسلہ قائم ہوگیا جن سے سب کے وجود یک جا ہوگئے۔ اُن کے مصداق میں کثرت نہ تھی خداوند عالم کا جس پر کوئی امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا یہ ارادہ کرنا کہ عالم کو موجود کرے یہی معنی رکھتا ہی کہ اُس نے وجودِ عالم کی صورت کو نہایت الامر تک خاص کر دیا۔

دوسرا مرتبہ یہ ہی کہ اُس نے ہر چیز کی مقدار اور اندازے کو مقدر کیا۔ روایت کی جاتی ہی کہ خداوند تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے مقداروں کو پچاس ہزار برس آسمانوں اور زمین کی پیدایش سے پہلے لکھ لیا تھا یہ اس طرح ہوا کہ عرش کے وجود میں خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر ایک صورت مقرر کر دی۔ شرائع میں اِسی مرتبے کو ذکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً اُس نے وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت موجود کی اور مقرر کر دیا کہ فلاں وقت میں لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے۔ لوگوں کو احکامِ الٰہیہ پر مطلع کریں گے ابو لہب اُن کا انکار کرے گا دنیا میں خطا اور گناہ اُس کے دل کو احاطہ کرے گا اور آخرت میں آتشِ دوزخ سے اُس پر عذاب ہوگا اسی صورت کی وجہ سے تمام حادث چیزوں کا ظہور اُسی روش اور طریقے سے ہوتا ہی کہ جیسے وہاں اُن کا اندازہ ہو چکا تھا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہی کہ خدا نے جب آدم علیہ السلام کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ تمام آدمیوں کے باپ ہر نوعِ انسانی کے مبداء ہوں

تب اُس نے اُن کی اولاد کی صورتیں عالمِ مثال میں پیدا کردیں اور نور و تاریکی سے اُن کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کردی اُن کی ایسی حالت بنادی کہ احکامِ الٰہیہ سے مکلف ہونے کے قابل ہوں اُن میں اپنی شناخت اور نیازمندی کا مادہ پیدا کیا عہدِ قدیم کی جو لوگوں کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہی یہی اصل ہی اسی کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہی اگرچہ وہ واقعہ اُن کو یاد نہ رہا ہو جو لوگ زمین پر پیدا کیے گئے ہیں اور اُنھیں صورتوں کا عکس ہیں جو وہاں موجود ہو چکی ہیں اُن میں وہی امور مضمر ہیں جو وہاں پیدا ہو چکے تھے۔

چوتھا درجہ اِس وقت تقدیر اور اندازے کا ہوتا ہی کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہی جب تخمِ خرما خاص وقت میں کسی زمین میں بویا جاتا ہی۔ اور سب اُس کی خاص خاص تدبیریں ترتیب کے متعلق عمل میں آتی ہیں تو جس شخص کو اُس درخت اور زمین و ہوا کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں وہ جان جاتا ہی کہ یہ درخت اچھی طرح اُگے گا اُس کی شان دیکھ کر بعض بعض امور کا پتا لگا لیتا ہی ایسے ہی اُس زمانے میں مدبر فرشتوں کو اُس کی عمر اور رزق کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہی وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص اُن لوگوں کے سے عمل کرے گا جن کی مَلکی قوت بہیمی پر غالب ہوتی ہی۔ یا اُن لوگوں کے سے جن کی مَلکی قوت بہیمی سے مغلوب ہوتی ہی اُس کی سعادت اور شقاوت کے سب ڈھنگ اُن کو معلوم ہو جاتے ہیں کسی واقعے کے پیدا ہونے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کیا جاتا ہی خطیرۃ القدس سے زمین پر ہر ایک کا نزول ہوتا ہی ایک صورت پہلے مثالی زمین کی طرف منتقل ہوتی ہی پھر اُس کے احکام یہاں پھیل جاتے ہیں اِس کو میں نے اکثر مرتبہ مشاہدہ کیا ہی ایک بار چند لوگ باہم مناقشہ کر رہے تھے اُن کا رنج بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے خدا سے التجا کی کہ یہ مناقشہ اُن میں سے دور ہو جائے اُسی وقت ایک مثالی نورانی نقطہ خطیرۃ القدس سے زمین پر نازل ہوا وہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا جتنا وہ پھیلتا تھا اُتنا ہی رنج اُن کے دلوں سے دُور ہوتا جاتا تھا۔ ابھی ہم اپنی مجلس سے علیٰحدہ نہ ہوئے تھے کہ اُن سب میں باہم ایسے ہی میل اور محبت پیدا ہو گئی جیسے پہلے تھی ۔ یہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ ایسے ہی میرا ایک لڑکا بیمار پڑا تھا۔ میرا دل اُس طرف لگا ہوا تھا اتنے میں نمازِ ظہر پڑھ رہا تھا کہ اُس کی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو اُس کا اُسی روز شب میں انتقال ہو گیا۔ حدیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہی کہ زمین پر پیدا ہونے سے پہلے سب حوادث پیدا ہو جاتے ہیں۔ اِس کے بعد اِس عالم میں اُسی طرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں کہ جیسے پہلے مرتبہ ہو چکے تھے۔ یہ خدا کا قانون اور طریقہ ہی کبھی ایسا بھی ہوتا ہی کہ جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وہ محو ہو جاتی ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہی یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ[۵۱] ۔ مثلاً کبھی کسی بلا کی کچھ نہ کچھ پیدایش ہو جایا کرتی ہی۔ وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونے کو ہوتی ہی کہ دعا اُس کو روک لیتی ہی۔ اور کبھی موت کی پیدایش ہونے کو ہوتی ہی کہ کوئی نیکی اُس کو روک لیتی ہی اِس کا راز یہ ہی کہ یہ نازل ہونے والی شے بھی معمولی اسباب میں سے ایک ایسا ہی سبب ہی۔ جیسے بقائے زندگی کے لیے کھانا اور پینا اور موت کے لیے زہر کھا لینا یا تلوار مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہی کہ ایک عالم ایسا ہی جس میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی اور معانی اُس میں منتقل ہوتے ہیں قبل اِس کے کہ کوئی شے

۵۱ خدا جس چیز کو چاہتا ہی محو کر دیتا ہی جسے چاہتا ہی ثابت رکھتا ہی اور اُس کے پاس ام الکتاب ہی ۱۲

زمین میں پیدا ہو جایا کرتی ہے جیسے رحم کا عرش میں معلق ہونا اور فتنے ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے قطروں کی بوچھار ہوتی
ہے۔ اور نیل اور فرات پہلے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں پیدا کیئے گئے تھے۔ پھر زمین پر اُن کو اُتار دیا ہے۔ ایسے ہی سورۂ حدید
اور انعام کا نازل کرنا۔ مجموعۂ قرآن کا ورلے آسمان پر اُتارنا۔ اور آں حضرت اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ
کا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اِس طرح ہو جانا کہ خوشۂ انگور کو توڑ سکیں۔ اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں
اور دعا اور بلا کی باہم کُشتی۔ ذریتِ آدم کو پیدا کرنا۔ عقل کا پیدا کرنا وہ سامنے ہوئے اور اُس نے پیٹھ پھیر لی۔ سورۂ بقرہ
آل عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا۔ اعمال کا وزن۔ جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشوں
سے بھرا ہونا۔ ایسے ہی اَور امور بھی ہیں جس کو حدیث کا ادنیٰ علم بھی ہوگا وہ اُن امور کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنے مسببات
کے لیئے اسباب کے سبب ہونے کی تقدیر کچھ مزاحم نہیں ہے۔ اُس کا تعلق اُس سلسلے سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی
مرتبہ مرتب ہو گیا ہے۔ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ منتر اور دوا اور پرہیز تقدیرِ الٰہی سے بچا سکتے ہیں
آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیرِ الٰہی سے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (نام مقام کے قصے ہیں فرمایا کیا یہ امر نہیں ہے کہ اگر تم
ناقہ کو سبزہ زار میں چَراتے تو تقدیر سے ہی چَراتے اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے لیکن اِس اختیار میں اُن کا کچھ
اختیار نہیں ہے اس لیئے کہ اِس اختیار کے لیئے ضرور ہے کہ مقصود کی صورت اُس کا نفع اور خواہش اور عزم پیدا ہو جائے
اور ان سب امور کا علم بھی نہیں ہوا کرتا پھر اُن میں خود مختاری کیسی۔ آں حضرت فرماتے ہیں ان[۱] القلوب بین اصبعین
من اصابع اللہ یقلبہا کیف یشاء۔ واللہ اعلم۔

## نبوت اور اُس کے خواص
## از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

معلوم کرو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجے کے لوگ مفہمین ہیں۔ یہ لوگ
اہلِ اصطلاح ہوتے ہیں۔ اُن کی مَلکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے۔ ان لوگوں سے
یہ ہو سکتا ہے کہ حقانی خواہش سے کوئی انتظام مقصود قائم کریں۔ ملاءِ اعلیٰ کی
جانب سے اُن پر علوم اور الٰہی حالات وارد ہوتے ہیں مفہمین کی سیرت میں یہ امور داخل ہوتے ہیں۔ اُن کے مزاج اور خلقت
اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہوتا ہے۔ اُن میں جزئی رایوں کی وجہ سے بیتابی نہیں ہوتی اور نہ ایسے پرلے درجے کی ذکاوت
ہوتی ہے۔ کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم نہ کر سکیں۔ نہ ایسی غباوت ہوتی ہے کہ جزئی سے کلی کی طرف اور
صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکیں سب لوگوں سے زیادہ وہ جادۂ راست کا پابند ہوتا ہے۔ عبادت میں اُس کی
نہایت پسندیدہ شان ہوتی ہے۔ لوگوں کے معاملات میں انصاف پسند ہوتا ہے۔ تدابیرِ کُلّی کو ہمیشہ پسند کرتا ہے منفعتِ عام
کا ہمیشہ راغب رہتا ہے۔ کسی کو بالطبع ایذا نہیں دیتا۔ ہاں اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف ہو یا نفع عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ
اُس سے ایذا پونہچ سکتی ہے۔ عالَمِ غیب کی جانب ہمیشہ اُس کا میلان رہتا ہے۔ اثر اُس کی گفتگو میں اُس کے چہرے میں اور
اُس کی تمام حالتوں میں محسوس ہوتے رہتے ہیں۔ اُس کے ہر ایک پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالَمِ غیب سے اُس کو تائید پونہچتی
ہے۔ ادنیٰ ریاضت سے اُس کو ایسا قُرب اور تسکین حاصل ہوتی ہے جو اَور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ مفہمین کی قسمیں اور استعدادیں

[۱] دل خدا کی دو انگشتوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے اُس کو پھیر دیتا ہے ۱۲

مختلف ہوا کرتی ہیں۔ جس کی اکثر یہ حالت ہو کہ خدا کی جانب سے اُن علوم کو اخذ کرتا رہے جن سے عبادتوں کے ذریعے سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے۔ اُس کو کامل کہتے ہیں۔ اور جو اکثر اخلاقِ کامل اور تدبیرِ منزل کے علوم کو اخذ کرے اُس کو حکیم کہتے ہیں۔ اور اکثر انتظاماتِ کُلّی کو حاصل کرکے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کرے اور اُن سے اَوروں کی جَور و تعدّی کو دفع کرے اُس کا نام خلیفہ ہے۔ اور جس کو ملاءِ اعلیٰ کی حضوری ہو یا فرشتے اُس کو تعلیم دیں۔ اُس سے خطاب کریں۔ اُس کو وہ آنکھوں سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اُس سے ظاہر ہوں اُس کا نام موئید بروح القدس ہے۔ اور جس کی زبان اور دل پُر نور ہوں لوگوں کو وہ اپنی صحبت اور مواعظ سے نفع پونہچائے اور پھر وہی تسلی اور نُور اُس کے خاص صحابہ اور حواریین میں منتقل ہو۔ وہ اُس کی برکت سے کمالی درجات تک پونہچ جائیں۔ اُس کو اُن کی ہدایت اور رہبری کی نہایت ہی حرص ہو اُس کو ہادی مزکّی کہتے ہیں۔ اور جس کا بڑا حصہ علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں۔ وہ اُس کا زیادہ مشتاق ہو کہ اُن علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں۔ اُس کو امام کہتے ہیں۔ اور جس کے دل میں القا کیا گیا ہو کہ لوگوں کو اُن مصائب اور صدمات کا حال بتادے جو دنیا میں اُن کے لیئے مقدر ہوں یا کسی قوم کے ملعون اور مردود ہونے کو معلوم کرکے اُن کو اِس کی اطلاع دے یا بعض اوقات تجرّدِ نفس کی حالت میں اُن واقعات کو اُس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش آنے والے ہیں۔ اور یہ اِس قسم کے حالات اُن کو بتائے اُس کو مُنذر کہتے ہیں۔ جب حکمتِ الٰہی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے۔ تو خدا تعالیٰ اُس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اُس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں۔ ملاءِ اعلیٰ کو اُس کی تاکید ہوتی ہے کہ اُس کے فرمان پذیروں سے خوشنود ہو کر اُن کے شریک رہیں۔ اور مخالفوں سے ناخوش ہو کر اُن سے علیٰحدگی کریں۔ خدا لوگوں کو اُس کی اطلاع کرتا ہے۔ ان پر اُس کی اطاعت واجب کرتا ہے۔ ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ اور تمام انبیاء میں سب سے زیادہ عزّ و شان والا وہی ہے جس میں ایک اَور ہی قسم کی بعثت ہوتی ہے اِس کی نسبت مرادِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ زندگی کی تیرگیوں سے نکل کر نورانیت اپنے اندر پیدا کریں۔ اور اُس کی قوم عام لوگوں کے لیئے رہبر بنے اِس طرح پر گویا اس نبی کی بعثت میں ایک دوسرے قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے۔ پہلی حالت کی طرف اِس آیت میں اشارہ ہے ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ الخ۔[۵۱] اور دوسری حالت کی طرف خدا کے قول کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔[۵۲] میں اشارہ ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ۔[۵۳] ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں مفہمین کے تمام کمالات بالاستیعاب جمع تھے۔ اور دونوں نعمتوں میں سے کامل حصہ آپ کو حاصل تھا۔ اور جو انبیاء علیہم السلام کہ آپ سے پیشتر گزرے ہیں اُن کو نبوت میں صرف ایک یا دو فن حاصل تھے۔ اور معلوم کرنا چاہیئے کہ حکمتِ الٰہیّہ انبیاء کی بعثت کی اِس لیئے مقتضی ہوا کرتی ہے کہ لوگوں کی اضافی اور قابلِ اعتبار بہتری تدابیرِ بعثت ہی میں منحصر ہوا کرتی ہے۔ اور اِس بہتری کی

---

۵۱ خدا ہی نے اَن پڑھوں میں اُن میں سے ایک نبی بھیجا ۱۲ ۵۲ تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیئے نکالی گئی ہے ۱۲

۵۳ تم لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں بڑھانے کو ۱۲

اصلی حقیقت کا علم گو صرف علام الغیوب ہی کو ہوتا ہے۔ لیکن اتنا ہم بھی یقیناً جانتے ہیں کہ ضرور انبیاء کے مبعوث کرنے کے لئے ایسے ایسے اسباب ہوا کرتے ہیں جو بعثت سے تخلف نہیں کیا کرتے۔ انبیاء کی پیروی لوگوں پر اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی درستی اور خوبی اس ہی میں ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کریں اور اُس کی عبادت کریں۔ لیکن اِن لوگوں کے نفوس اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ وہ خود علوم الٰہی کو اخذ کریں۔ اُن کے حال کی درستی اُس میں ہوتی ہے کہ وہ نبی کا اتباع کریں۔ اِس لئے خدا خطیرۃ القدس میں فرماتا ہے کہ نبی کا اتباع واجب ہے۔ وہاں اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اِس کے مختلف طریقے ہیں۔ کبھی تو بعثت کا وقت خاص دولت اور قوت کے غلبے کا اور دیگر طاقتوں کے سرنگوں کرنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ ایسے شخص کی بعثت کرتا ہے جو اس دولت اور طاقت والوں کے دین کو درست کردے۔ جیسے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔ یا خدا تعالیٰ مقدر کرتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور لوگوں پر اُن کو برگزیدہ کرے۔ اِس لئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اُن کی کجی کو رفع کردے اور اُن کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی بعثت۔ یا اُن امور کا نظم و نسق ہوتا ہے جو کسی قوم کے واسطے مقدر ہوتے ہیں کہ اُن کی دولت یا مذہب جس کی کسی مجدد کے ذریعے سے اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے باقی رکھی جائیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا و علیہم السلام اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اِن تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے دشمنوں پر ظفر مندی کو مقدر کیا تھا۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ[۱] إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ۔ ان انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمام حجت کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں واللہ اعلم۔

اور جب کوئی نبی مبعوث ہو تو ان لوگوں پر جن کی جانب وہ مبعوث ہوا ہے فرض ہے کہ گو وہ راہ راست ہی پر کیوں نہ ہوں لیکن اُس نبی کا سب اتباع کریں۔ اِس لئے کہ ایسے بلند رتبہ شخص کی سرتابی سے ملاء اعلیٰ کی لعنت اور ذلت و رسوائی پیدا ہوا کرتی ہے۔ نبی کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا کے حضور میں تقرب خود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسی سرکشی کی حالت میں ان کی تمام کوششیں رائگاں ہو جایا کرتی ہیں ان کے مرنے کے بعد چاروں طرف سے ان کے دلوں کو لعنت گھیر لیتی ہے علی ان هذه صورة مفروضة غير واقعة۔ تم کو یہود کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اُنھوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الٰہی میں کیسی تحریف کی تھی۔ اِس لئے سب لوگوں سے زیادہ اُن کے لئے پیغمبر کی بعثت کی ضرورت تھی۔ اور پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کی حجت لوگوں کے مقابلے اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کی پیدائش اس قابل نہیں ہوا کرتی کہ وہ بلا واسطہ مفید و مضر امور کو حاصل کر سکیں۔ بلکہ اُن کی استعداد ضعیف ہوتی ہے۔ انبیاء کے بتانے اور خبر دینے سے اُس کو قوت پہنچتی ہے۔ اور نیز ایسے ایسے خراب اور فاسد امور جمع ہو جاتے ہیں کہ بغیر جبر اور دلیل کے دفع نہیں ہو سکتے۔ لوگ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اُن کے اعمال کی

---

[۱] اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ وہ ہمیشہ فتح مند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا ۱۲

باز پُرس کی جائے۔ تب بعض اسبابِ علوی اور سفلی کے جمع ہونے کے بعد لطفِ خداوندی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت ذکی شخص پر وحی کرے کہ لوگوں کو حق کی جانب رہنمائی کرے۔ اور راہِ راست کی جانب اُن کو بلائے۔ اِس لئے نبی کا حال رہبری کے بارے میں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی مالک کے غلام بیمار ہو جائیں اور وہ مالک اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دے کہ ان کو دوا پلاؤ خواہ وہ خوشی سے پئیں یا ناگواری اور ناخوشی سے۔ اس وقت میں اگر یہ شخص ان کو دوا پینے پر مجبور بھی کرے گا۔ تاہم حق پر ہوگا۔ لیکن پوری مہربانی اِس کی مقتضی ہے کہ اولاً اُن کو بتا دے کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تم کو نفع دے گی۔ اور اُن کے سامنے خلافِ عادت و معمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جن سے اُن کے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے کہ وہ اپنے اقوال میں بالکل سچا ہے۔ اور نیز اُس کو مناسب ہے کہ اُس دوا میں کوئی شیریں جز بھی ملا دے۔ اِن امور کے بعد وہ اُس کے احکام کی بجا آوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کریں گے۔ اسی وجہ سے معجزات اور قبولیتِ دعا وغیرہ اصلِ نبوت سے محض خارج اور علیحدہ ہیں۔ ہاں اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے۔

(۱) کوئی نبی مفہمین کے رتبے کا ہوتا ہے اس وجہ سے بعض بعض حوادث اُس کو ظاہر ہو جایا کرتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور اُن امور میں موجبِ برکات ہو جاتا ہے۔ جس کے لیئے برکت کی دعا کی جاتی ہے۔ اور برکت کے ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کسی شئے کا نفع زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعدائے کے خیال میں لشکر کی کثرت متمثّل ہوتی ہے۔ اِس لیئے وہ بزدل ہو جاتے ہیں یا طبیعت غذا کو خلطِ صالح بنا دیتی ہے۔ اِس سے ایسا اثر ہوتا ہے گویا اُس غذا سے دو چند زیادہ تناول کی ہے۔ اور کبھی خود اصل شئے ہی بڑھ جاتی ہے اِس طرح پر کہ کسی صورت کے مادّۂ ہوائی میں کوئی قوتِ مثالی حلول کرتی ہے۔ اور اُس کو بدل دیتی ہے۔ اِن اسباب کے علاوہ اَور بھی اسبابِ ظہورِ برکات کے ہوتے ہیں۔ جن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ اور

(۲) سبب ظہورِ معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ متفق ہو کر نبی کے احکام جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اِس وجہ سے الہامات اور انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلی حالت کی نسبت محض غیر معمولی ہوتے ہیں۔ اِس لیئے نبی کے احباب ظفر مند اور اعدا خوار و خراب ہوتے ہیں۔ اور حکمِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

(۳) تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسبابِ خارجی کی وجہ سے بہت سے حوادث نئے نئے پیدا ہوتے ہیں۔ نافرمانوں کو سزا دی جاتی ہے۔ اور عالمِ وجود میں بڑے بڑے امور کا احداث ہوتا ہے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے معجزات ہو جاتے ہیں۔ نبی یا پہلے سے اُن پر لوگوں کو مطلع کر دیتا ہے یا اُس کی نافرمانی پر لوگوں کی سزا مرتب ہوا کرتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتا دیا تھا۔ وہ حوادث اُسی کے موافق ہوتے ہیں۔ یا ایسے ہی امور ہوا کرتے ہیں۔

انبیاء کے معصوم ہونے کے بھی تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ تمام رذیل خواہشوں اور رغبتوں سے کسی انسان کی فطرت نہایت خالص اور صاف پیدا کی جاتی ہے۔ خاصۃً اُن اُمور کی نسبت جو حدودِ شرعی کی حفاظت اور پاسبانی سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

(۲) یہ کہ اُس کو اچھے کام کی خوبی اور بُرے کام کی بُرائی اور دونوں کا انجام وحی الٰہی سے معلوم ہو جایا کرتا ہی۔
(۳) یہ کہ اُس شخص اور اُن رذیل خواہشوں کے مابین خدا حائل ہو جاتا ہی۔

معلوم کرو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہوتا ہی کہ خدا کی ذات اور صفات میں غور اور فکر کرنے کا حکم
نہ کریں۔ عام لوگ ایسے ایسے خوضوں کی طاقت نہیں رکھا کرتے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی[۵۱] تَفَکَّرُوْا فِی
خَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِی اللّٰہِ - اور - اِنَّ[۵۲] اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی - میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگا
کی ذات میں غور کا موقع نہیں ہی۔ انبیاء ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات اور اُس کی بزرگ قدرت میں
لوگ غور کیا کریں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ امر ہوتا ہی کہ لوگوں سے ایسی ہی گفتگو کیا کرتے ہیں جو اُن کے
عقلی اندازے کے مناسب اور اُن کے علوم کے موافق ہو جو اُن کے اندر پیدایشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس لیئے
کہ نوعِ انسانی کا کہیں وجود ہو اُس کو جبلّی طور پر ایک خاص ادراک عطا کیا گیا ہی۔ جس کا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ
ہی۔ ہاں اُس کا اصلی مادہ ہی اگر عاصی ہو۔ اور اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو اَور بات ہی۔ ورنہ اِنسانی
ادراک میں سب افرادِ نوعی شریک ہوتے ہیں۔ اور اس ادراک کے علاوہ انسان کے لیئے اَور زائد علوم سے حصہ دیا
جاتا ہی کہ وہ اُس میں معمولی عادت کے خلاف حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ انبیاء اور اولیائے قدسی نفوس کی حالت
ہوا کرتی ہی اور کبھی انسان کو نہایت پُرمشقت ریاضتوں کے استعمال سے بعض ایسے علوم حاصل ہوتے ہیں جو اُس کو
ایسے بلند ادراکات کے لیئے طیار کرتے ہیں جن کا اندازہ اُس کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوتا۔ اور کبھی مدتِ دراز
تک علومِ حکمیہ کی اور علمِ کلام اور اصولِ فقہ وغیرہ کی مشق اور محنت سے علوم کا اضافہ ہو جایا کرتا ہی۔ لیکن انبیاء کی گفتگو صرف
اُسی سادہ ادراک کے طریقے کے موافق ہوا کرتی ہی۔ جو بلحاظ اصلی پیدایش کے اُن کی طبائع میں موجود ہوا کرتا ہی۔ اُن علوم
کی طرف جن کا وجود شاذ و نادر اسباب سے ہوا کرتا ہی اور محض اتفاقی ہوتا ہی اُن کو کچھ التفات نظر نہیں ہوتا۔ اسی واسطے
انبیاء لوگوں کو اس پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ خدا کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعے سے یا دلائل اور قیاسات سے معلوم
کریں۔ یا وہ خدا کو تمام جہتوں سے منزہ خیال کریں۔ اِس لیئے کہ اس طرح پر معلوم کرنا اُن لوگوں کے لیئے گویا محال ہی کہ
جن کو ریاضتوں کے اشتغال نصیب نہیں ہوتے۔ اُنھوں نے مدتِ دراز تک معقولیوں سے میل جول نہیں رکھا ہی۔
استنباط اور استدلال اور استحسانات کے طریقوں کی جانب اُن کو رہبری نہیں کی گئی ہی۔ اُن مقدمات کے ذریعے سے
جن کے ماخذ پُردقت ہیں۔ باہم مشابہ چیزوں سے اُن کو فرق کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ اُن کو وہ علمی دقتیں نہ آتی
ہوں جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہلِ حدیث پر ناز کیا کرتے ہیں۔ اور نیز انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہی کہ وہ
اُن اُمور کی جانب توجہ نہیں کیا کرتے جو تہذیبِ نفس سیاستِ امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ وہ اُن اسباب کو
بیان نہیں کرتے جو عالمِ جوّ میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً مینھ اور کسوف اور ہالے کی کیفیت۔ عالمِ نباتات اور حیوان
کی عجائبات یا آفتاب اور چاند کی رفتار کا اندازہ۔ روزمرہ حوادث کے اسباب۔ انبیاء یا سلاطین یا شہروں وغیرہ

۵۱؎ خدا کی ذات میں غور مت کرو بلکہ اُس کی مخلوق میں غور کرو ۱۲ ۵۲؎ تیرے رب کی طرف نہایت ہی ۱۲

کے حالات اور قصے۔ البتہ کبھی کبھی خدا کے انعامات اور انتقامات بیان کرنے کے لیئے چند لفظوں میں امور بالا کا ذکر بھی بطور تبعیت آجایا کرتا ہی۔ وہ بھی محض اجمالی صورت میں کسی استعارات اور مجازات کے پردے میں آجایا کرتا ہی جس سے لوگوں کو الفت ہوتی ہی۔ اُن کی عقلیں اُس کو قبول کر سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا تو خدا تعالی نے اُس سے اعراض فرما کر صرف مہینوں کے فائدے بیان کر دیئے۔ اور فرما دیا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ[۵۱]۔ اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ اِن فنونِ رسمی کی الفت سے یا اَور وجوہ سے اُن کے ذوق خراب ہو گئے ہوں۔ اس لیئے وہ پیغمبر کے کلام کے بے موقع معنی لگاتے ہیں واللہ اعلم۔

اب ہم اِسی سلسلے سے مولنا کی تصنیف الحقوق والفرائض سے توحید۔ ممانعتِ شرک۔ ایمان بالقدر۔ حقوقِ پیغمبر اور تمام پیغمبروں کے حقوق۔ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین مضامینِ مذکورہ کا مقابلہ کر کے تصفیہ فرمالیں کہ کس نے زیادہ موشگافیاں فرمائی ہیں اور اَسرارِ دین کے بیان کرنے میں کس کا قلم چرب ہی۔

## توحید

از شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب

دُنیا کے اِس عظیم الشان کارخانے کا ذرہ ذرہ۔ سمندروں کا قطرہ قطرہ۔ درختوں کا پتا پتا خدا کی ہستی کا گواہ ہی۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ[۵۲]۔ اس لیئے کہ کوئی چیز بڑی ہو یا چھوٹی زمین میں ہو یا آسمان میں خشکی میں ہو یا تری میں جان دار ہو یا بے جان اِس خوبی اور عمدگی کے ساتھ کہ اُس سے بہتر ہونا ممکن نہیں۔ آپسے آپ نہیں بن گئی۔ ضرور کسی کے بنائے سے بنی ہی۔ ہم نے اِس بنانے والے کی جستجو کی اور زمین سے لے کر آسمان تک چھان مارا تو کسی کو اس لائق نہ پایا۔ جس کو دیکھا عاجز۔ جس کو ٹٹولا درماندہ روئے زمین پر ہم ہی پیش پیش تھے کہ عقل رکھتے تھے سو "ایاز قدرِ خود بشناس" سُن کر اپنا سا موٗنھ لے کر رہ گئے۔ ناچار آسمان پر نظر دوڑانی چاہی تو ابراہیم[۵۳] علیہ السلام کا قصہ

---

[۵۱] تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دو اُن سے لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہی ۱۲

[۵۲] اور جتنی چیزیں ہیں سب اُس کی حمد (وثنا) کے ساتھ اُس کی تسبیح (وتقدیس) کر رہی ہیں مگر تم لوگ اُن کی تسبیح (وتقدیس) کو نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہی کہ دنیا میں جو مخلوق بھی ہی وہ اپنے خالق کی ہستی کی گواہ ہی اور مخلوق کا ہونا عقلاً دلالت کرتا ہی کہ وہ آپ سے آپ موجود نہیں ہو گئی بلکہ کسی نے اُس کو پیدا کیا اور جس نے پیدا کیا وہی خدا ہی ۱۲

[۵۳] حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ قرآن شریف میں اس طرح مذکور ہی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام ۹ ع پارہ ۷) اور (اے پیغمبر اُس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں (مبتلا) پاتا ہوں اور (جس طرح ابراہیم کے دل میں ہم نے یہ خیال پیدا کیا) اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے

یاد کر کے خاموش بیٹھ گئے اور سمجھے کہ جس کی جستجو ہے وہ چشم سر سے دیکھنے کی چیز نہیں۔ بنی اسرائیل نے شوخ چشمی کی تو فاخذتہم [ف۵۱]
الصاعقۃ کی سزا پائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے غلبۂ شوق میں آکر حوصلہ کیا تو [ف۵۲] خرّ موسیٰ صعقا سے شرمندگی اٹھائی۔ یعنی
خدا ہمارے حواس ظاہر کی گرفت سے بالاتر ہے اور یہ ہمارے حواس کا قصور ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(ترجمہ متعلقہ صفحہ ۳۸۳) تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں تو جب اُن پر رات چھا گئی اُن کو ایک ستارہ نظر آیا (اور اُس کو دیکھ کر)
لگے کہنے کہ یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بولے کہ غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں کرتا (کہ خدا مان لوں) پھر جب
چاند کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہِ راست نہیں دکھائے گا تو
بے شک میں (بھی) گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے کہ یہ (سب سے) بڑا (بھی) ہے پھر جب
(وہ بھی) غروب ہو گیا تو (اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) بولے کہ بھائیو! جن چیزوں کو تم شریکِ (خدا) مانتے ہو میں تو اُن سے بے تعلق (محض) ہوں میں نے
تو ایکسو کا ہو کر اپنا رُخ اُسی (ذات پاک) کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں [ف۱]

[ف۱] ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں اور چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر یہ کہنا کہ اِن کا غروب ہونا شانِ خدائی کے خلاف ہے اِس کا مطلب تھا کہ
ستارے اور چاند اور سورج مجبور معلوم ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کے ارادے کے محکوم اور جب مجبور و محکوم ہیں تو خدا نہیں ہو سکتے ۱۲

[ف۵۱] بنی اسرائیل کی اِس شوخ چشمی اور شرارت کا قصّہ قرآن مجید کی متعدّد آیتوں میں مختلف پیرایوں کے ساتھ مذکور ہوا ہے از انجملہ سورۂ بقرہ کی
ایک یہ آیت ہے۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے (یعنی تمہارے بڑوں نے) موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ جب
تک ہم خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں ہم تو کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے ہیں نہیں (کہ خدا ہی تم سے کلام کر رہا ہے) اس پر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم
دیکھا کیے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو جلا اُٹھایا تاکہ شاید تم شکر کرو۔ از انجملہ سورۂ اعراف کی ایک یہ آیت ہے۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ
سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ۔ "یعنی اور موسیٰ نے ہمارے وعدے (پر حاضر لانے) کے لئے اپنی قوم میں سے ستّر آدمی منتخب کیے پھر جب اُن کو زلزلے نے
آلیا تو (موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اگر تُو چاہتا تو مجھ سمیت ان لوگوں کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا ہم میں سے جو لوگ احمق ہیں وہ ایک
حرکت کر بیٹھے کیا اُس کی پاداش میں تُو ہم کو ہلاک کیے دیتا ہے یہ سب تیرے کرشمے ہیں اِن (کرشموں) سے جس کو تُو چاہے گمراہ کرے اور جس
کو چاہے ہدایت دے تُو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تُو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے" [ف۲]

[ف۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام گوسالہ پرستی کی توبہ کرانے کو اپنی قوم کی طرف سے ستر آدمی منتخب کر کے کوہِ طور پر لے گئے وہاں جوان لوگوں نے
کلامِ الٰہی سنا تو موسیٰ سے درخواست کی کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں تمہارے کہنے کا اعتبار نہیں کریں گے کہ خدا ہی تم سے کلام کر رہا
ہے اس گستاخی کی سزا میں اُن پر بجلی آگری اور ہلاک ہو گئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ خدایا یہ لوگ کم عقل ہیں اِن پر رحم فرما تو خدا نے اُن
کو پھر زندہ کیا۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لوگ کیوں گئے تھے مگر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گوسالہ پرستی کی توبہ کرنے گئے تھے ۱۲

ہاں چشمِ دل سے دیکھا جائے تو دنیا آئینہ خانہ ہے اور در و دیوار خدا کے نور سے پڑے جگمگا رہے ہیں۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

## قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن ست　　وین عجب تر کہ من از وے دُورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او　　در کنارِ من و من مہجُورم

## للمترجم

حبل الورید سے بھی وہ نزدیک ہے تو کیا　　آنکھیں نہیں تو کیا نظر آئے قریب سے

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو شروع ہی سے خدا کے بارے میں یہ غلطی واقع ہوئی ہے اور اب تک بھی اکثر خدا کے بندے

ے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن کی ان آیتوں میں مفصلاً مذکور ہے وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّ اَتْمَمْنٰہَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ج وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ہٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ج فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ج فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ اعراف پارہ ۹) اور ہم نے موسیٰ سے تیس ۳۰ رات کا وعدہ کیا اور ہم نے دس (راتیں اور بڑھا کر ان) سے تیس ۳۰ کو پورا (چالیس) کر دیا اور یوں پروردگارِ موسیٰ کا وعدہ چالیس ۴۰ رات کا پورا (چلہ) ہو گیا ف۱ اور موسیٰ (کوہِ طور پر جاتے وقت) اپنے بھائی ہارون سے کہنے لگے کہ میری قوم (کے لوگوں) میں میری نیابت کرتے رہنا اور (ان میں میل جول (قائم) رکھنا اور مفسدوں کے رستے نہ چلنا اور جب موسیٰ ہمارے وعدے کے مطابق (کوہِ طور پر) حاضر ہوئے اور ان کا پروردگار ان سے ہم کلام ہوا تو (موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو (اپنے تئیں) مجھے دکھا کہ میں تیری طرف ایک نظر دیکھوں (خدا نے) فرمایا تم ہم کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے مگر ہاں (ایسا ہی شوق ہے تو سامنے کے اس) پہاڑ پر نظر کرو (کہ ہم اس پر جلوہ فرما ہوں گے) پس اگر (یہ پہاڑ) اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو (جاننا کہ) ہم کو (بھی) دیکھ سکو گے پھر جب ان کا پروردگار پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو بول اٹھے کہ (اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے میں (نے جو دیکھنے کی بے جا درخواست کی تھی) تیری جناب میں (اس سے) توبہ کرتا ہوں اور (تجھ پر) ایمان لانے والوں میں پہلا ایمان لانے والا بندہ میں ہوں"۔

(نوٹ متعلق صفحہ ۳۸۴)

ف۱ موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ تم کوہِ طور پر آ کر ایک مہینے تک عبادتِ الٰہی کرو تو ہم تم کو توراۃ عنایت کریں گے یہ شاید اسی طرح کی خلوت تھی جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے غارِ حرا میں کیا کرتے تھے۔ بہرکیف پھر خدا نے ایک مہینے کا چلہ کر دیا تاکہ موسیٰ اپنا پورا تزکیہ کر لیں چنانچہ چلہ پورا ہوئے پیچھے ان کو توراۃ ملی اور خدا سے رخصت ہوئے ۱۲

اِسی غلطی میں مُبتلا ہیں کہ اُنھوں نے خدا کو اپنے حواسِ ظاہر کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہا اور جب اُن کو اس راوے میں کامیابی نہ ہوئی تو مَن مانا خدا فرض کیا۔ اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ[91] اور اُس کو اپنے اوہامِ باطلہ کا تختۂ مشق بنایا یعنی ذلیل سے ذلیل اور رزیل سے رزیل مخلوقات کو بھی پورا یا اَدھورا خدا بنانے یا ماننے میں تامّل نہیں کیا۔ پورا تو پورا اَدھورے کے یہ معنی کہ اپنے زعم میں خدائی کے اختیار خدا سے چھین کر نا اہلوں کے حوالے کیے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ خدا کو منصب خدائی سے معزول کر دیا جس جس طرح پر خدا کے بندوں نے خدا کی جناب میں گستاخیاں اور بے اوبیاں کی ہیں اور کر رہے ہیں ناگفتہ بہ ہیں۔ کوئی تو اُس کی ذات پر حملے کرتا ہے کہ ایک نہیں دو خدا ہیں ایک پیدا کرتا ہے اور دوسرا مارتا ہے۔ ایک خالقِ خیر ہے اور دوسرا خالقِ شر۔ کوئی کہتا ہے کہ تین خدا ہیں۔ اور پھر وہ ایک بھی ہے۔ کوئی مانتا ہے کہ ہر چیز بجائے خود خدا ہے کسی کا خیال ہے کہ خدا تو ہے مگر وہ اسباب کا سلسلہ قائم کر کے آپ انتظامِ دُنیا سے دست کش ہو بیٹھا ہے ان کے نزدیک دنیا ایک طرح کی گھڑی ہے اور خدا گھڑی ساز۔ جس نے اِس کو بنا کر کوک دیا ہے اور گھڑی پڑی چل رہی ہے ذات تو ذات خدا کی صفات میں اس سے بڑھ کر بیہودگی کی جاتی ہے۔ غرض بندوں نے اتنے خدا بنا ڈالے کہ ایک خدا کے حصے میں پورا ایک بندہ بھی نہیں آتا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ خدائے واحد کے سوائے کوئی اَور خدا بھی ہوتا تو دو باسن ایک جگہ رکھے ہوئے کھٹکھٹا اُٹھتے ہیں ایسا تو کیا ہے کہ دو یا زیادہ خداؤں میں اختلاف نہ ہو اور اختلاف ہوتو دنیا ایک لمحہ نہیں ٹھیر سکتی۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا[92] دو بادشاہ آپس میں لڑتے ہیں تو ملک کے ملک خاک سیاہ ہو جاتے ہیں اور خداؤں کی لڑائی تو خدا کی پناہ۔ بس دنیا کا ایک اسلوب پر چلا جانا صاف اِس بات کی دلیل ہے کہ تمام عالم میں ایک خدا کی حکومت ہے۔ اقوامِ روزگار میں دوسری قومیں خدا کے بارے میں جیسے کچھ خیالات رکھتی ہوں وہ جانیں اور اُن کی عقلیں ہم کو تو بڑا خیال مسلمانوں کا ہے کہ ان کے ہاں بڑا زور توحید پر ہے مگر عملاً انھوں نے مشرکوں کی کوئی ادا نہ چھوڑی جس کی نقل نہ کی ہو اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ[93] وقلیل ما ھم۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ[94] اِس کو ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے معاملہ خدا کے ساتھ ہے يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ[95]

عذرت ار پیش مے رود بابا      باخداوندِ غیب داں نہ رود

خدا کے بارے میں اِسلامی عقیدہ ایسا سیدھا اور صاف ہے کہ اِس سے زیادہ سیدھا اور صاف عقیدہ ہو نہیں سکتا اِسلام مخلوقات سے خدا کی ذات وصفات کا پتہ چلاتا ہے۔ اور یہی وہ رستہ ہے جسے موصل الی المطلوب کہہ سکتے ہیں مخلوقات سے ہم کو اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ کارخانۂ عالم کا بنانے والا اور سنبھالنے والا کوئی ہے اور وہ کوئی اِن چیزوں میں سے نہیں جن کو ہم معلوم کر سکتے ہیں بس سوائے اِس کے ہم خدا کی ذات کے بارے میں اَور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور عقلِ انسانی کی رسائی یہیں تک ہے۔

---

[91] اپنی خواہشِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے ۱۲ [92] اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا اَور معبود ہوتے تو زمین وآسمان دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے ۱۲ [93] مگر جو خدا چاہے۔ اور وہ تھوڑے ہیں ۱۲ [94] اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں ۱۲ [95] خدا آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اُن (بھیدوں) کو (بھی)، جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں ۱۲

اَب رہیں صفات تو کارخانۂ عالَم اور اُس کے انتظام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہی کہ اس کا بنانے والا اور اس کے انتظام کا چلانے والا اِن صفتوں سے مُتَّصف ہو یعنی اُس میں وہ کمالات ہوں جو اُس کے صفاتی ناموں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خدا کے ننانویں نام ہیں جو ننوّے ۹۹ نام کر کے مشہور ہیں اِن میں سے ایک نام اللہ اسمِ ذات مان لیا گیا ہی۔ اگرچہ معبود ہونے کی حیثیت سے اللہ کو بھی اسمِ صفت کہہ سکتے ہیں۔ مگر آخر اتنے سارے صفاتی نام ہوں تو کوئی اسمِ ذات بھی ہونا چاہیئے اور وہ اللہ ہی باقی رہے اٹھانویں نام وہ کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ اَسمائے صفاتی کے بارے میں بھی ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفتیں بھی خدا میں ہونی ضرور ہیں۔ بَس اِس سے زیادہ ہم اُس کے صفات کی توضیح نہیں کر سکتے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا سمیع ہی سب کی سُنتا ہی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جو علم ہم بنی آدم کو حاسۂ سمع کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہی وہ علم علیٰ وجہ الکمال خدا کو بھی ہی نہ یہ کہ ہماری طرح کے اُس کے کان ہیں ہمارے سُننے کا تو یہ حال ہی کہ بولنے والا آواز کے ذریعے سے ہَوا میں تموّج پیدا کرتا ہی اور وہ تموّج کان کے پردے سے ٹکراتا ہی اور ہم کو آواز کا علم ہو جاتا ہی خدا اِس طرح کا علم تو رکھتا ہی مگر وہ بے نیاز کان کا اور ہَوا کے تموّج کا محتاج نہیں اور اِسی پر خدا کی دوسری صفتوں کو قیاس کر لو یہ صفتیں ہم نے اپنے اُوپر قیاس کر کے خدا میں مان لی ہیں مگر ہماری صفات ناقص ہیں خدا کی کامل و اکمل۔ جیسے ذرے کی چمک اور آفتاب کی جگمگاہٹ ÷ مزید توضیح کے لیئے اسمارِ حسنیٰ کے تین نقشے درج کتاب ہوتے ہیں۔

**اِن نقشوں کے ذریعے سے خدا کے اسمارِ ذاتی و صفاتی معلوم ہوں گے اور یہ بھی کہ خدا کے کَون کَون اسمار ایسے ہیں جو قرآن میں بعینہا تو مذکور نہیں مگر اُن کے مادّے اور مشتقات مذکور ہیں اور نیز اسمار کے تراجمِ اُردو بھی معلوم ہوں گے ÷**

| نمبر شمار | اسمارِ عربی | ترجمۂ اُردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۱ | اَللّٰہُ | خدا ۔ معبود | اگرچہ لفظ اللہ میں وصفی معنی موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسمارِ صفات میں ہونا چاہیئے مگر سب نے اجماع کر کے اِس کو اسمِ ذات قرار دیا ہی ۔ |
| ۲ | اَلرَّحْمٰنُ | نہایت رحم والا | دونوں مبالغے کے وزن ہیں مگر رحمٰن ابلغ ہی کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت کو شامل اور صرف خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہی۔ |
| ۳ | اَلرَّحِیْمُ | بہت مہربان | |
| ۴ | اَلْمَلِکُ | بادشاہ | مَلِک اخص اور ابلغ ہی مالک سے یعنی دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہی یہی وجہ ہی کہ ہر مَلِک کو مالک تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر مالک کو مَلِک نہیں کہہ سکتے ۔ |
| ۵ | اَلْقُدُّوْسُ | تمام عیبوں سے پاک | |
| ۶ | اَلسَّلَامُ | تمام نقصانات سے محفوظ | یہ اصل میں مصدر ہی بمعنی سَلامت مگر یہاں سالم کے معنی ہیں یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہی ۔ |
| ۷ | اَلْمُؤْمِنُ | اپنے وعدے میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا | لفظ مؤمن کا ماخذ امن و امان ہی یا ایمان ۔ اگر امن و امان ہی تو مؤمن کے معنی ہوئے امن دینے والا یعنی دنیا میں لوگوں کے اسبابِ امن کا مہیا کرنے والا یا عقبیٰ میں نیکوکاروں کو عذاب سے امان میں رکھنے والا اور اگر ماخذ ایمان ہی تو مؤمن کے معنی۔ |
| ۸ | اَلْمُھَیْمِنُ | نگہبان ۔ یا گواہ | المہیمن کا لفظ وہی المؤمن ہی۔ المؤمن باب افعال سے ہی اور المہیمن باب مفاعلہ سے تو المہیمن اصل میں المؤامن تھا دوسرے ہمزے میں قاعدۂ تلیین جاری کر کے اُسے یے سے بدل لیا اور پہلے ہمزے کو ہے سے پس المؤمن اور المہیمن ایک ہیں |

| نمبرشمار | اسماءِ عربی | ترجمۂ اُردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۹ | اَلعَزِیزُ | غالب - قوی - قاہر | اصل میں عزیز اُسے کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں بآسانی پونہچنا ممکن نہ ہو |
| ۱۰ | اَلجَبَّارُ | بڑا دباؤ والا | جبّارہ مبالغے کا صیغہ ہی جبر سے مشتق اور جبر کے اصلی معنی ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا - اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور کسی کو زور و غلبہ سے کسی کام پر آمادہ کرنا - پہلی صورت میں یہ اسم جمالی ہوگا اور دوسری میں جلالی |
| ۱۱ | اَلمُتَکَبِّرُ | عظمت و بزرگی والا | تکبر اور استکبار کہتے ہیں گردن کشی کرنے اور بزرگی ظاہر کرنے کو اور ایک لفظ ہی کبریا جس کے معنی ہیں بزرگی - یہاں متکبر سے مراد ہی کمال بزرگی والا - |
| ۱۲ | اَلخَالِقُ | ہر چیز کا پیدا کرنے والا | خالق - اور باری اور مصور تینوں مترادف المعنی ہیں یعنی تینوں کے معنی ہیں پیدا کرنا - اختراع کرنا مگر باعتبارِ استعمال ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت جداگانہ ہی مثلاً خلق مستعمل ہوتا ہی کسی چیز کے وجود میں لانے سے پیشتر اُس کے اندازہ کرنے میں اور برأ ایجاد کرنے میں اور تصویر صورت بنانے اور ہیئت بخشنے میں - اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہی وہ محتاج ہوتی ہی - اولاً اندازہ کرنے کی - ثانیاً پیدا کرنے کی ثالثاً صورت بنانے کی - |
| ۱۳ | اَلبَارِئُ | ہر چیز کا موجد | |
| ۱۴ | اَلمُصَوِّرُ | مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا | |
| ۱۵ | اَلغَفَّارُ | بہت بخشنے والا | مبالغہ ہی غافر کا اور ایک ہی غفور یہ بھی مبالغے کا صیغہ ہی مگر اس میں غفار کی بہ نسبت مبالغہ زیادہ ہی اسی وجہ سے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا غفار لیا گیا ہی غفران اور مغفرت سے جس کے معنی ہیں بخشنا مگر کبھی غفر بمعنی ستر . |
| ۱۶ | اَلقَھَّارُ | زبردست یا غلبہ رکھنے والا | [illegible] |
| ۱۷ | اَلوَھَّابُ | بخشش عطا کرنے والا | وہب اور ہبہ کہتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو بہت بخشش - وہاب مبالغہ ہی یعنی کثیر الہبہ دائم العطا - |
| ۱۸ | اَلرَّزَّاقُ | مخلوقات کو روزی پونہچانے والا | یہ بھی رازق کا مبالغہ ہی یعنی خدائے تعالیٰ تمام مخلوق کو مناسبِ حال اور موافقِ حکمت رزق پونہچاتا ہی - رزق کی دو قسمیں ہیں محسوس اور معقول محسوس ابدان کے لیئے اور معقول ارواح کے واسطے - |
| ۱۹ | اَلفَتَّاحُ | مشکل کشا یا بندوں میں حکم کرنے والا | فتح کے معنے کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہی اور وہ خلائق میں حاکم علی الاطلاق ہی - |
| ۲۰ | اَلعَلِیمُ | بہت جاننے والا | مبالغہ ہی عالم کا یعنی خدا تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ بلکہ خطراتِ دل تک کا جاننے والا ہی - |
| ۲۱ | اَلقَابِضُ | بندوں کی روزی محدود یعنی بہت کمی کرنے والا | قبض و بسط دونوں باہم ضد یک دگر ہیں قبض کہتے ہیں تنگی و کم کرنے کو اور بسط فراخی و کشایش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا تنگ کرتا - (اور جس کی چاہتا فراخ کرتا ہی -) |
| ۲۲ | اَلبَاسِطُ | بندوں کی روزی فراخ کرنے والا | قبض و بسط کے یہ معنی بھی ہیں کہ سوتے میں لوگوں کی روحیں قبض کرتا اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہی - |
| ۲۳ | اَلخَافِضُ | نافرمانوں کو پست کرنے والا | خفض ضد ہی رفع کی - کیونکہ خفض کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو - خدا کے خافض و رافع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے فرمان برداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انھیں بلند کرتا اور نافرمانوں کو بارگاہِ عالی سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہی - |
| ۲۴ | اَلرَّافِعُ | فرماں برداروں کو بلند کرنے والا | |
| ۲۵ | اَلمُعِزُّ | عزت دینے والا | اعزاز کہتے ہیں عزیز کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو یعنی خدا جسے چاہتا عزیز کرتا دنیا میں توفیقِ طاعت دے کر اور عقبےٰ میں علوِ مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیقِ طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں داخل کر کے امام غزالی کا قول ہی کہ ان لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا ملک دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہی - |
| ۲۶ | اَلمُذِلُّ | ذلیل کرنے والا | |
| ۲۷ | اَلسَّمِیعُ | بہت سُننے والا | |
| ۲۸ | اَلبَصِیرُ | بہت دیکھنے والا | |
| ۲۹ | اَلحَکَمُ | مخلوقات کا حاکم | |

| نمبر شمار | اسماء عربی | ترجمۂ اردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۳۰ | العَدلُ | منصف یعنی فیصلے میں ظلم نہ کرنے والا | یہ ضد ہی ظلم کی اور کبھی استقامت اور اعتدال اور ایک چیز کو ایک چیز کے برابر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہی مطلب یہ ہی کہ خدا جور و ظلم سے منزہ ہی کیونکہ مالکِ غیر میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی ملک سے خارج ہو |
| ۳۱ | اللّطیفُ | باریک بین | لطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنے کو اور کبھی نیکی کرنے کے معنے میں بھی آتا ہی۔ لطیف کے معنے باریک بین کے بھی ہیں۔ |
| ۳۲ | الخَبِیرُ | آگاہ۔ دانا۔ عالم عارف | مشتق ہی خبر سے اور خبر کے معنی ہیں آگاہی کے خبیر آگاہ اور دانا یعنی ملک و ملکوت میں کوئی چیز متحرک و ساکن نہیں ہوتی اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا اور کون و مکان میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدائے تعالیٰ شانہ |
| ۳۳ | الحَلِیمُ | بُردبار | حلم آہستگی اور بردباری حلیم اُسے کہتے ہیں جو مغلوب الغضب نہ ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو و درگزر سے کام لے خدا کو حلیم اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ گنہگار بندوں کی تادیب و تعذیب میں جلدی نہیں کرتا۔ |
| ۳۴ | العَظِیمُ | بُزرگ۔ بڑا | عظم و عظمۃ بزرگ ہونا خواہ کسی اعتبار سے بھی ہو [illegible] |
| ۳۵ | الغَفُورُ | بہت بخشنے والا | غفار کے معنی میں ہی اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہی یعنی جو بڑے بڑے گناہ بخشنے اور اس کی بخشش اتم و اکمل ہو دوسرے معنے یہ ہیں کہ بندوں کے گناہ اعمالناموں سے محو کر دے یعنی حساب کے لیے مواخذہ نہ کرے یا۔ |
| ۳۶ | الشَّکُورُ | بڑا قدرشناس | |
| ۳۷ | العَلِیُّ | بہت اُونچا | مشتق ہی علو سے اور علو کہتے ہیں بلندی کو اور جگہ کے بلند ہونے کو اور کبھی بلندی پر چڑھنے اور کسی چیز کے اوپر ہونے کو بھی علو کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں حسّی اور عقلی حسّی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر ہونا اور عقلی جیسے ایک |
| ۳۸ | الکَبِیرُ | بڑا۔ بزرگ | [illegible] |
| ۳۹ | الحَفِیظُ | نگہبان | حفظ کہتے ہیں۔ نگاہ رکھنے کو اور خدا تعالیٰ چونکہ تمام مخلوق کو آفت و بلا سے محفوظ رکھتا ہی اس لیئے اُسے حفیظ کہتے ہیں |
| ۴۰ | المُقِیتُ | مخلوق کو قوت یعنی روزی پہنچانے والا | ماخوذ ہی قوت سے اور قوت کہتے ہیں اُس خورش کو جو بدن انسان کے قیام کا باعث ہو اور اقاتت کے معنی قوت دینا اور کبھی مقیت توانا اور گواہ اور حاضر اور نگاہ رکھنے والے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہی۔ |
| ۴۱ | الحَسِیبُ | کافی | معنی میں ہی محسب کے اور احساب کہتے ہیں کسی چیز کا کافی ہونا بولا کرتے ہیں احسبنی الشی یعنی مجھے یہ چیز کافی ہوئی اور بعض علماء کہتے ہیں کہ معنی میں ہی محاسب کے جیسے جلیس معنی میں مجالس کے اور ندیم منادم کے یعنی خدا تعالیٰ قیامت کے روز۔ |
| ۴۲ | الجَلِیلُ | بزرگ قدر | جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ قدر ہونے اور نیز بزرگی کو۔ پھر اصطلاح قوم میں صفاتِ قہریہ کے ظہور آثار کو جلال کہتے ہیں اور صفاتِ لطفیہ کے ظہور آثار کو جمال اور بولنے میں آتا ہی کہ فلاں اسماء جلالی ہیں اور فلاں جمالی |
| ۴۳ | الکَرِیمُ | بزرگ | اِس کے معنی ہیں بزرگ اور عزیز۔ کہتے ہیں کریم وہ ہی کہ قادر ہو تو معاف کر دے وعدہ کرے تو وفا کرے اور دے تو امید سے زیادہ دے اور کوئی اُس کی طرف التجا لے جاتے تو اُسے ضائع نہ ہونے دے کبھی مکرم اور جواد کے معنی میں بھی آتا ہی۔ |
| ۴۴ | الرَّقِیبُ | نگہبان | رقیب نگہبان اور موکل اور نگران کذا فی الصراح۔ |
| ۴۵ | المُجِیبُ | دعا قبول کرنے والا | اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور اجابتِ دعا کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہی۔ وہ اُسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہی سوال کو رد نہیں کرتا۔ |
| ۴۶ | الوَاسِعُ | وسیع المعلومات یا وسیع الغنا | ماخوذ ہی سعۃ سے اور سعۃ کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گھیر لینے کو پھر اس کی اضافت کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہی اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہی معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں اُس کا احسان وسیع ہی۔ |
| ۴۷ | الحَکِیمُ | حقائق اشیاء کا عالم | مشتق ہی حکمت سے اور حکمت عبارۃ ہی کمالِ علم اور حسنِ عمل اور ایقان اور احکام علم و عمل سے بعضے کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہی حاکم کا اور حکیم وہ ہی جو حقائق اشیاء کا عالم ہو اور صناعات کے دقائق کو خوب جانتا ہو۔ |
| ۴۸ | الوَدُودُ | نیک بندوں کو دوست رکھنے والا | مبالغے کا صیغہ ہی وزن پر فعول کے وُدّ وُدّ (بضم واؤ) اور وِداد (بکسر واؤ) اور مودت تینوں کے معنے ہیں دوست رکھنے کے یعنی خدا تعالیٰ نیک بندوں کو دوست رکھتا ہی۔ |
| ۴۹ | المَجِیدُ | بزرگ۔ شریف | ماجد کا مبالغہ ہی اور ماجد۔ تمجد سے لیا گیا ہی تمجد بزرگی۔ مجید بزرگ کذا فی الصراح بعضے کہتے ہیں مجید وہ ہی جس کی ذات شریف افعال جمیل۔ عطا جزیل ہی اور جب یہ ہی تو مجید جامع ہی اسم جلیل اور وہاب اور کریم کو۔ |
| ۵۰ | البَاعِثُ | مُردوں کو مرنے پیچھے اُٹھا کھڑا کرنے والا | بعث کہتے ہیں مُردوں کو قبروں سے اُٹھا کھڑا کرنے کو اور کبھی سوتے کو جگانے اور کسی کو کسی کام کے لیئے بھیجنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہی۔ |

| نمبر شمار | اسمائے عربی | ترجمہ اردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۵۱ | الشَّھِیْدُ | حاضر | شہود سے مشتق ہی یا شہادت سے اگر شہود سے ہی تو اس کے معنی ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہود کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت سے ہی تو معنی ہیں گواہی دینے والے کے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا گواہ ہے |
| ۵۲ | الْحَقُّ | ثابت | حق کے معنی ہیں ثابت اور ہست کے اس کی ضد ہی باطل بمعنی نیست و ناچیز- کبھی صادق اور راستی اور درستی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہی- |
| ۵۳ | الْوَکِیْلُ | کارساز | وکیل وہ ہی جسے اپنا کام سپرد کریں اور تمام تصرف کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدیں چونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام مہتم بالشان کام رزق وغیرہ اپنے ذمّے لے لیے ہیں اس لیئے اُسے وکیل کہتے ہیں- |
| ۵۴ | الْقَوِیُّ | توانا- تامّ القدرت | قوی توانا متین استوار- امام غزالی کہتے ہیں قوت دلالت کرتی ہی قدرتِ کاملہ بالغہ پر اور متانت شدتِ قوت پر خداتعالیٰ قوی ہی اس لیئے کہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہی متین ہی اِس لیئے کہ شدید القوت ہی |
| ۵۵ | الْمَتِیْنُ | اُستوار | |
| ۵۶ | الْوَلِیُّ | محب- مددگار | ولی کہتے ہیں محب و ناصر کو اور خدائے تعالیٰ پرہیزگار ایمان داروں کا محب ہی اور انھیں مدد و نصرت دیتا ہی- ولی متولّی کے معنی میں بھی آیا ہی اور حق تعالیٰ نیکوکاروں کے اُمور کا متولّی ہی اور قریب کے معنی میں بھی یعنی اُس کی رحمت ... |
| ۵۷ | الْحَمِیْدُ | مستحقِ حمد | سزاوارِ حمد و ثنا |
| ۵۸ | الْمُحْصِیُ | ہر چیز کو احاطۂ علم میں کرنے والا | احصار شمار کرنا اور بطریق استقصار کسی چیز کو جاننا- خدا المحصی مطلق ہی کہ اشیار کے حقائق و دقائق کو جانتا ہی اور ذرّاتِ عالم کو اُس کا علم محیط ہی- |
| ۵۹ | الْمُبْدِیُٔ | ابتداءً پیدا کرنے والا | المبدی ماخوذ ہی ابدار سے اور ابدار کہتے ہیں ابتدار کرنے اور نیا پیدا کرنے کو- المعید لیا گیا ہی اعادت سے جس کے معنے ہیں لوٹانے اور عدم کے بعد ایجاد کرنے کے خدا مبدی ہی اِس معنی کر کہ وہ اول بار پیدا کرتا ہی اور معید ہی اس معنی کر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا یا معید مثلاً اِس اعتبار سے کہ رات دن کا چکّر باندھ رکھا ہی |
| ۶۰ | الْمُعِیْدُ | دوبارہ پیدا کرنے والا | |
| ۶۱ | الْمُحْیِیُ | مخلوق کو زندہ رکھنے والا | المحیی- احیار کا اسم فاعل ہی اور احیار کہتے ہیں جسم میں حیات پیدا کرنے کو اور الممیت لیا گیا ہی اماتۃ سے جس کے معنی ہیں حیات کا دور کرنا- |
| ۶۲ | الْمُمِیْتُ | مارنے والا | |
| ۶۳ | الْحَیُّ | زندہ | |
| ۶۴ | الْقَیُّوْمُ | کارخانۂ عالم کا سنبھالنے والا | قائم بذاتِ خود- اور زندہ قائم رکھنے والا اپنے غیر کو یا یوں کہو کہ قیّوم مبالغہ ہی قیم کا اور قیم کہتے ہیں مصلح اُمور کو- |
| ۶۵ | الْوَاجِدُ | غنی | مشتق ہی وجود سے اور وجود کہتے ہیں ہستی اور مقصد پر کامیاب ہونے کو یا مشتق ہی وجد اور جدۃ سے جن کے معنی ہیں تونگر ہونے کے- |
| ۶۶ | الْمَاجِدُ | بزرگی والا | معنی میں ہی مجید کے جس طرح عالم معنی میں علیم کے مگر مجید میں مبالغہ اور تاکید ہی یہ لیا گیا ہی مجد سے اور مجد کہتے ہیں بزرگی کو- |
| ۶۷ | الْوَاحِدُ | تنہا- یگانہ | وحدت سے لیا گیا ہی جس کے معنی ہیں ایک و یگانہ ہونا عرف میں واحد کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہی ایک یہ کہ متجزّی اور منقسم نہ ہو یعنی اُس کے اجزا اور حصص ہوں جیسے جوہر فرد دوسرے یہ کہ بے مثل و بے مانند ہو واحد اور احد- |
| ۶۸ | الصَّمَدُ | بے نیاز | صمد کے اصلی معنی ہیں قصد کے چونکہ آدمی اپنے تمام مطالب میں بارگاہِ خداوندی کا قصد کرتے ہیں اِس لیئے اُسے صمد کہتے ہیں غرض صمد مرادف ہی مرجع و مآب کا- |
| ۶۹ | الْقَادِرُ | قدرت والا | قدر اور قدرت اور اقتدار اور مقدرت سب کے معنی ہیں توانائی کے تو قادر و مقتدر کے معنی ہوئے صاحبِ مقدرت مگر مقتدر میں مبالغہ ہی- |
| ۷۰ | الْمُقْتَدِرُ | صاحبِ مقدرت | |
| ۷۱ | الْمُقَدِّمُ | اپنے دوستوں کو بارگاہِ عزۃ کی طرف بڑھانے والا | مقدم دال کے کسرے کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہی اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو اسی طرح مؤخّر خے کے کسرے سے تاخیر سے لیا گیا ہی جس کے معنی ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خداتعالیٰ فرماں برداروں کو راہِ قرب میں |

| نمبرشمار | اسماءِ عربی | ترجمہ اردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۷۲ | اَلْمُؤَخِّرُ | دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانے والا | آگے بڑھاتا اور نافرمانوں کو درگاہِ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہی یا دنیا کے کاموں میں لوئو حصولِ مطالب میں تقدیم وتاخیر اللہ کے کرنے سے ہوتی ہی۔ |
| ۷۳ | اَلْاَوَّلُ | سب سے پہلا | اوّل ہی یعنی ازلی ہی کہ اُس کے وجود کی ابتدا اور ہستی کا آغاز نہیں اور آخر ہی یعنی دائمی ابدی ہی کہ اُس کی بقا کے لیئے نہایت اور دوام کے لیئے انقضا نہیں۔ |
| ۷۴ | اَلْاٰخِرُ | سب سے پچھلا | |
| ۷۵ | اَلظَّاھِرُ | آشکارا ہی بلحاظِ قدرۃ | خدا ظاہر ہی اِس کا یہ مطلب ہی کہ اُس کا وجود اُس کی ہستی اُن آیات و دلائل سے ظاہر ہی جو آسمان و زمین میں ہر صاحبِ بصیرت کو دکھائی دیتے ہیں اور خدا کے باطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی کنہِ ذات حجابِ جلال میں محتجب و پوشیدہ ہی۔ |
| ۷۶ | اَلْبَاطِنُ | پوشیدہ ہی باعتبارِ ذات | |
| ۷۷ | اَلْوَالِیُ | تمام اُمور کا متولّی | وِلایت بکسرِ واوَ سے مشتق ہی جس کے معنے تصرف کرنے اور قابو پانے کے ہیں اور ایک ہی وَلایت بفتحِ واوَ جس کے معنی مدد کرنے اور حکمرانی کرنے کے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ وَلایت بفتحِ واوَ مصدر ہی اور بکسرِ واوَ اسم۔ والی وہ جو سب کا مالک اور تمام کاموں کا متولی ہو۔ |
| ۷۸ | اَلْمُتَعَالِیُ | مخلوقات کی صفات سے منزّہ | تمام حکمرانوں اور وُلات سے بلند قدر۔ یا تمام نقائص و آفات سے عالیشان۔ |
| ۷۹ | اَلْبَرُّ | اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا | بَرّ بفتح با اسمِ فاعل یعنی نیکی کرنے والا |
| ۸۰ | اَلتَّوَّابُ | گنہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا | توّاب مبالغہ ہی تائب کا اور تائب ماخوذ ہی توبہ سے۔ توبہ کے اصلی معنی ہیں رجوع کرنے کے پھر جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہی تو گناہ سے رجوع کرنا مراد ہوتا ہی اور خدا کی طرف ہوتی ہی تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنا یعنی بندے توبہ کریں |
| ۸۱ | اَلْمُنْتَقِمُ | نافرمانوں سے بدلا لینے والا | انتقام کہتے ہیں بدلہ لینے کو یعنی خدا تعالیٰ کافروں سے اپنی نافرمانی کا بدلہ لینے والا۔ اور اُن کے تمرد اور سرکشی کی سزا دینے والا |
| ۸۲ | اَلْعَفُوُّ | گناہوں کا مٹانے والا | |
| ۸۳ | اَلرَّؤُفُ | بہت شفقت کرنے والا | رأفت کہتے ہیں شدتِ رحمت کو اور یہ مبالغے کا صیغہ ہی جیسے ضَرُوبٌ اور شکورٌ |
| ۸۴ | مَالِكُ الْمُلْكِ | ملک کا مالک | |
| ۸۵ | ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ | بزرگی و عزت والا | |
| ۸۶ | اَلْمُقْسِطُ | عادل و منصف | اِس کا مادہ ہی قَسوط اور قُسوط کہتے ہیں جور و ظلم کو لیکن جب اِسے بابِ افعال میں لے گئے تو معنی ہوئے جور و ظلم کے ازالہ کرنے کے اور ازالہ جور و ظلم کا نام ہی انصاف تو مقسط کے معنی ہوئے منصف۔ عادل۔ |
| ۸۷ | اَلْجَامِعُ | تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا | قیامت میں خدا لوگوں کو جمع کرے گا یا دنیا میں بچھڑے ہوؤں کو جمع کرتا ہی۔ |
| ۸۸ | اَلْغَنِیُّ | بے پروا | غنی مشتق ہی غنا سے اور غنا کہتے ہیں بے نیاز ہونے کو یعنی خدائے تعالیٰ سب سے بے نیاز ہی اور مغنی لیا گیا ہی اغنا سے جس کے معنی ہیں بے نیاز کرنا یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہی بے نیاز کرتا ہی کہ وہ اپنے ہم جنسوں کی طرف حاجت نہیں لے جاتا۔ غنی جو مالدار کے معنی میں مشہور ہی وہ بھی بے نیازی کی ایک شاخ ہی۔ |
| ۸۹ | اَلْمُغْنِیْ | لوگوں کو بے پروا کرنے والا | |
| ۹۰ | اَلْمُعْطِیْ | عطا کرنے والا | معطی دینے والا۔ اور مانع روک رکھنے والا۔ یعنی جسے چاہے اور جو چاہے دیتا اور جسے چاہے نہیں دیتا۔ |
| ۹۱ | اَلْمَانِعُ | اپنے دوستوں سے تکلیف روکنے والا | |
| ۹۲ | اَلضَّارُّ | ضرر و شر کا خالق | یعنی خدا خالق خیر و شر اور نفع و ضرر ہی اور درد۔ دوا۔ رنج و شفا۔ گرمی و سردی |

| نمبر شمار | اسمائے عربی | ترجمہ اردو | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۹۳ | اَلنَّافِعُ | نفع وخیر کا پیدا کرنے والا | خشکی وتری سب پیدا کی ہوئی اُسی کی ہیں۔ |
| ۹۴ | اَلنُّوْرُ | روشن کرنے والا | عرفِ عام میں نور کہتے ہیں روشنی کو خدا پر نور کا اطلاق اس سے کیا گیا کہ زمین وآسمان میں اُسی کا چاندنا اور اُسی کا ظہور ہے |
| ۹۵ | اَلْبَدِیْعُ | موجد | بدیع بے مثل اور بے مانند۔ کبھی معنی میں مبتدع یعنی موجد کے بھی آتا ہے جو بے نمونہ دیکھے از خود اختراع کرے تو اس معنی کر بھی خدا بدیع ہے کہ اُس نے جہان کے بنانے میں کسی کی تقلید نہیں کی۔ |
| ۹۶ | اَلْبَاقِیْ | باقی رہنے والا | دائم الوجود جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔ |
| ۹۷ | اَلْوَارِثُ | فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا | اِس سے مراد ہے فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا گویا تمام مرنے والوں کی میراث اُس کو پہنچتی ہے |
| ۹۸ | اَلرَّشِیْدُ | صاحبِ رُشد | رُشد ضد ہے غَی کی اور غَیّ کے معنی ہیں گمراہی تو رشید کے معنی ہوئے صاحبِ رشد اور خدا کو رشید اس معنی کر کہا گیا کہ طریقِ اسلام اُس کو پسند ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے یا اِس اعتبار سے کہ جو صفاتِ کمالیہ خدا میں ہونی چاہئیں وہ اُس میں ہیں۔ |
| ۹۹ | اَلصَّبُوْرُ | بڑا صبر کرنے والا | اصل میں صبر کے معنی تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی برداشت کرتا اور انتقام اور مواخذے میں جلدی نہیں کرتا اِس لیئے اُس کا نام صبور رکھا گیا۔ |

یہ اسمائے صفاتی جنھیں اسمائے حسنیٰ بھی کہتے ہیں اکثر تو بجنسہٖ قرآن سے لیئے گئے ہیں اور بعض جو بعینہٖ قرآن میں موجود نہیں ہیں اُن کے مادے اور مشتقات قرآن میں مذکور ہیں۔ چنانچہ دونوں قسم کے اسماء کے دو نقشے دیئے جاتے ہیں۔ جن سے صاف طور پر معلوم ہو سکے گا کہ کون اسماء بعینہٖ قرآن میں موجود ہیں اور کن کے مشتقات مذکور ہیں۔

اَللّٰہُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ ........ وَالٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ...... (بقرہ ع ۲۰)

اَلْمَلِکُ اَلْقُدُّوْسُ اَلسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُھَیْمِنُ اَلْعَزِیْزُ اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَکَبِّرُ .... ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ........ (حشر ع ۳)

اَلْخَالِقُ اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ ................ ھو اللّٰہ الخالق البارئ المصور .... (حشر ع ۳)

اَلْغَفَّارُ ............ ربّ السموات والارض وما بینھما العزیز الغفار ...... (صٓ ع ۵)

اَلْقَھَّارُ ............ قل انما انا منذر وما من الٰہ الا اللّٰہ الواحد القھار ........ (صٓ ع ۵)

اَلْوَھَّابُ ...... ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب (ال عمران ع ۱)

اَلرَّزَّاقُ ........ ان اللّٰہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین ............ (ذاریات ع ۳)

اَلْفَتَّاحُ اَلْعَلِیْمُ ........ ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم ........ (سبا ع ۳)

اَلسَّمِیْعُ ............ ولہ ما سکن فی الیل والنہار وھو السمیع العلیم ...... (انعام ع ۲)

اَلْبَصِیْرُ ............ واللّٰہ بصیر بالعباد .................... (ال عمران ع ۱)

اَللَّطِیْفُ اَلْخَبِیْرُ ........ وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر .......... (انعام ع ۱۳)

اَلْحَلِیْمُ ............ یتبعھا اذی واللّٰہ غنی حلیم .................. (بقرہ ع ۳۶)

اَلْعَظِیْمُ ............ ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ............ (بقرہ ع ۳۴)

اَلْغَفُوْرُ اِلشَّکُوْرُ ..... لیوفیهم اجورهم ویزیدهم من فضله انه غفور شکور ........ (فاطر ع۴)

اَلْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ......... قالوا الحق وهو العلی الکبیر ........................ (سبا ع۳)

اَلْحَفِیْظُ ......... ان ربی علی کل شئ حفیظ ........................ (هود ع۵)

اَلْمُقِیْتُ ......... وکان الله علی کل شئ مقیتا ........................ (النساء ع۱۱)

اَلْحَسِیْبُ ......... ان الله کان علی کل شئ حسیبا ........................ (النساء ع۱۱)

اَلْکَرِیْمُ ......... ومن کفر فان ربی غنی کریم ........................ (النمل ع۳)

اَلرَّقِیْبُ ......... ان الله کان علیکم رقیبا ........................ (النساء ع۱)

اَلْمُجِیْبُ ......... ان ربی قریب مجیب ........................ (هود ع۶)

اَلْوَاسِعُ ......... ان ربك واسع المغفرة ........................ (نجم ع۲)

اَلْوَدُوْدُ ......... وهو الغفور الودود ........................ (بروج ع۱)

اَلْمَجِیْدُ ......... رحمة الله وبرکاته علیکم اهلَ البیت انه حمید مجید (هود ع۷)

اَلشَّهِیْدُ ......... وانت علی کل شئ شهید ........................ (مائده ع۱۶)

اَلْحَقُّ ......... ثم ردوا الی الله مولٰهُمُ الحق ........................ (انعام ع۸)

اَلْوَکِیْلُ ......... وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل ........................ (آل عمران ع۱۸)

اَلْقَوِیُّ ......... الله لطیف بعباده یرزق من یشاء وهو القوی العزیز ........ (الشوریٰ ع۲)

اَلْمَتِیْنُ ......... ان الله هو الرزاق ذو القوة المتین ........................ (ذاریات ع۳)

اَلْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ..... وینشر رحمته وهو الولی الحمید ........................ (شوریٰ ع۳)

اَلْمُحْیِیْ ......... ان ذٰلك لمحی الموتیٰ وهو علی کل شئ قدیر ........................ (روم ع۵)

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ......... الم ـ الله لا اله الا هو الحی القیوم ........................ (آل عمران ع۱)

اَلْوَاحِدُ ......... وما من اله الا الله الواحد القهار ........................ (ص ع۵)

اَلصَّمَدُ ......... قل هو الله احد الله الصمد ........................ (اخلاص ع۱)

اَلْقَادِرُ ......... قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم ........ (انعام ع۸)

اَلْمُقْتَدِرُ ......... فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر ........................ (قمر ع۳)

اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ اَلظَّاهِرُ اَلْبَاطِنُ ..... هو الاول والاٰخر والظاهر والباطن وهو بکل شئ علیم ... (حدید ع۱)

اَلْمُتَعَالِیْ ......... عالم الغیب والشهادة الکبیر المتعال[۱] ........................ (رعد ع۱۵)

اَلْبَرُّ ......... انه هو البر الرحیم ........................ (طور ع۱)

اَلتَّوَّابُ ......... انك انت التواب الرحیم ........................ (بقرہ ع۱۵)

[۱] اصل میں المتعالی تھا رعایت سجع کی وجہ سے یے حذف ہو گئی ۱۲

اَلْعَفُوُّ ............ ان اللہ کان عفوا غفورا ........................ (النساء ع ۷)
اَلرَّؤُوْفُ ............ ان اللہ بالناس لرؤوف رحیم ........................ (بقرہ ع ۱۷)
مَالِكُ الْمُلْكِ ..... قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء الخ ........................ (اٰل عمران ع ۳)
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ..... تبٰرک اسم ربک ذی الجلال والاکرام ........................ (الرحمٰن ع ۳)
اَلْجَامِعُ ............ ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ........................ (اٰل عمران ع ۱)
اَلْغَنِیُّ ............ واللہ غنی حلیم ........................ (بقرہ ع ۳۶)
اَلنُّوْرُ ............ اللہ نور السموات والارض ........................ (النور ع ۵)
اَلْحَكِیْمُ ............ یموسیٰ انہ انا اللہ العزیز الحکیم ........................ (النمل ع ۱)
اَلْوَالِیْ ............ مالہ من دونہ من وال ........................ (رعد ع ۲)

ذیل کے اسماء بعینہٖ قرآن میں موجود نہیں مگر اُنکے مشتقات مذکور ہیں

اَلْقَابِضُ الْبَاسِطُ ..... واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون ........................ (بقرہ ع ۳۲)
اَلرَّافِعُ ............ یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات ........................ (المجادلہ ع ۲)
اَلْمُعِزُّ الْمُذِلُّ ..... وتعز من تشاء وتذل من تشاء ........................ (اٰل عمران ع ۳)
اَلْحَكَمُ ............ واللہ یحکم لا معقب لحکمہ ........................ (رعد ع ۲)
اَلْبَاعِثُ ............ وان اللہ یبعث من فی القبور ........................ (حج ع ۱)
اَلْمُحْصِیْ ............ واحصیٰ کل شئ عددا ........................ (جن ع ۲)
اَلْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ ............ انہ ھو یبدئ ویعید ........................ (بروج ع ۱)
اَلْمُحْیِیْ الْمُمِیْتُ ..... واللہ یحیی ویمیت ........................ (اٰل عمران ع ۱۷)
اَلْمُنْتَقِمُ ............ فانا منھم منتقمون ........................ (زخرف ع ۴)
اَلْمُقْسِطُ ............ قائما بالقسط ........................ (اٰل عمران ع ۱)
اَلْمُغْنِیْ ............ ان تکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ ........................ (النور ع ۴)
اَلْبَاقِیْ ............ ویبقٰی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام ........................ (الرحمٰن ع ۱)
اَلْھَادِیْ ............ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ........................ (انعام ع ۵)
اَلصَّبُوْرُ ............ ان فی ذلک لاٰیت لکل صبار شکور ........................ (سبا ع ۲)
اَلْوَارِثُ ............ وانا لنحن نحی ونمیت ونحن الوارثون ........................ (حجر ع ۲)

ذیل میں جو اسماء مذکور ہوتے ہیں اُن کے مشتقات بھی بعینہٖ قرآن میں نہیں ملتے ہاں مادے پائے جاتے ہیں

اَلْخَافِضُ اَلْعَدْلُ اَلْجَلِیْلُ اَلْوَاجِدُ اَلْمَجِدُ اَلْمُقَدِّمُ اَلْمُؤَخِّرُ اَلْمُعْطِیْ اَلْمَانِعُ

الضَّارُّ النَّافِعُ الرَّشِیْدُ ؛

من المترجم - جس طرح کارخانۂ عالم خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلالت کرتا ہی اور ہر بڑی چھوٹی چیز سے ثابت ہوتا ہی کہ کسی نے اُس کو بنایا اور پیدا کیا ہی اور اُسی کا نام ہی خدا اسی طرح انتظامِ دنیا اُن صفتوں پر دلالت کرتا ہی جن کے اعتبار سے اسمارِ صفاتی وضع کیے گئے ہیں یعنی یہ تمام صفتیں نہ ہوں تو کارخانۂ عالم کے انتظام کا چلنا ناممکن ہو جائے غرض یہی دنیا اور اس کا انتظام ہم کو خدا کی ذات و صفات کی طرف رہبری کرتا ہی - ہمارے پاس عقلی شہادۃ خدا کی ہستی کی دلیل ہی اور وہی عقلی شہادت ان صفات کے ساتھ خدا کے متصف ہونے کی - تصرفاتِ عالم پر نظر کرنے سے خدا کے صفاتی نام اَور بھی بنا لیے جا سکتے ہیں مگر نو دو نہ ۹۹ نام حدیث سے ثابت ہوئے ہیں اور اُن میں اتنی جامعیت ہی کہ دوسرے نام بنانے کی ضرورت نہیں بعض اسمارِ صفاتی ایسے ہیں کہ آدمی اپنے اوپر قیاس کر کے خدا کو اُن ناموں سے پکارتا ہی مگر خدا کے صفات انسانی صفات سے اعلیٰ و اکمل ہیں مثلاً خدا کو سمیع و بصیر کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کے کان ہیں اور وہ سنتا ہی یا اس کی آنکھیں ہیں اور وہ دیکھتا ہی بلکہ مطلب یہ ہی کہ جو علم ہم بنی نوعِ بشر کو سمع و بصر کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہی اس سے کامل تر خدا کو ہی ایک بات یہ بھی ہی کہ خدا کے اسمارِ صفاتی اکثر صفتِ مشبہہ کے صیغوں میں ہیں اس واسطے کہ صفتِ مشبہہ کا صیغہ ثبات و استمرار پر دلالت کرتا ہی اور اسمِ فاعل کا حدوث پر سامع اور سمیع قادر اور قدیر میں تجدد اور استمرار حدوث اور ثبات کا تفاوت ملحوظ رکھنا چاہیئے -

آدمی مطلق خدا کا منکر تو ہو نہیں سکتا - اس لیئے کہ خدا نے آدمی کو عقل دی ہی اور وہ زبردستی اس سے منواتی ہی کہ ضرور کوئی زبردست اَور ہی جس نے اس مشین کو بنایا اور وُہی اس مشین کو چلا رہا ہی یہاں تک تو تمام بنی آدم کا اجماع ہی اور اجماع ہی تو ایک امرِ صحیح واقعی یقینی ہی کاش لوگ مسلمانوں کی طرح اتنے ہی پر قناعت کرتے لیکن وہ لگے بال کی کھال نکالنے اور راہِ راست سے بھٹک گئے -

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

آدمی کو چاہیئے کہ اپنی عقل پر نازاں نہ ہو اور اُسے اُسی کی حد میں رکھے اتنی بات تو ہر ایک کو سوجھ پڑتی ہی کہ آدمی سراپا احتیاج پیدا ہوا ہی اس کا پیدا ہونا جینا مرنا سب پرائے ہاتھ میں ہی اس کو سراپا احتیاج پیدا کیا ہی تو اس کی حاجت روائی کے سامان بھی مہیا ہیں خدا نے زمین کا اَنبا بھرپور توشے خانہ مخلوقات کے لیئے بنا دیا ہی کہ جو چیز جس کو درکار ہوتی ہی وہ اسی توشے خانے سے نکلی چلی آتی ہی - وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ [۱] ہم مخلوقات میں سے ایک آدمی ہی کو لیتے ہیں تو پاتے ہیں کہ جب سے اُس میں جان پڑتی ہی اُس کو غذا درکار ہوتی ہی اور وہیں ماں کے پیٹ میں اس کو اس کی حالت کے مناسب غذا کو پہنچتی رہتی ہی پھر وہ عرصۂ ہستی میں آتا ہی تو لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ [۲] سے پرورش پاتا ہی - اور آخر کو غذائے نباتی اور حیوانی سے یعنی جب تک آدمی ضعیف و ناتوان ہوتا ہی بے سعی اُس کو روزی ملتی ہی اور

[۱] اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے ہاں سب کے خزانے کے خزانے بھرے پڑے ہیں، مگر ہم ایک اندازۂ معلوم (و مقرر) کے ساتھ اُن کو (مخلوقات کے لیئے) بھیجتے رہتے ہیں ۱۲ ۔ [۲] ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں، جس کو پینے والے آسانی سے (غٹ غٹ) پی جاتے ہیں ۱۲

قادر ہوئے پیچھے اُس کو پیٹ کے لیئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اور پھر بھی وہ کتنے ہی جتن کیوں نہ کرے۔ خدا کا ہاتھ شروع سے آخر تک اُس کو سہارا لگا تا رہتا ہی فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار | شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غذا کے میسر آئے بعد بھی آدمی کی آخری کوشش یہ ہوتی ہی کہ غذا کو حلق سے اُتارے مگر اتنے سے تو مقصودِ غذا حاصل نہیں ہوتا۔ اُس کا ہضم کرنا اُس کا خون بنانا۔ خون کو گوشت پوست ہڈی پٹھے بال ناخن وغیرہ میں تبدیل کرنا اور ہر ایک عضو کو تائید پونہچانا ان میں سے کوئی سا کام بھی آدمی کے ارادے سے نہیں ہوتا اور ان کاموں کے بدون جسم کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ ارادہ تو ارادہ آدمی کو تو خبر تک بھی نہیں ہوتی اور اندرونی قوتیں خدا کے حکم سے اپنی اپنی خدمتوں کی بجا آوری کرتی رہتی ہیں۔ یہ تو ایک غذا کا حال ہی کہ قدرتی خدمتگاروں کا مذکور نہیں۔ بونے سے لے کر پیسنے پکانے تک کتنے آدمی کتنے جانور اُس کا سرانجام کرتے ہیں تب کہیں جا کر لقمہ آدمی کے نیگ لگتا ہی۔ پھر غذا کے علاوہ اور کتنی ضرورتیں ہیں جو آدمی کے پیچھے لگی ہیں یا اُس نے خود تکلف آرایش آسایش کے لیئے اپنے پیچھے لگالی ہیں سو فضول اور لایعنی چیزوں کے لیئے تو آدمی کو تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں ہلانے بھی پڑتے ہیں۔ نہایت ضروری چیزیں خدا نے اپنی قدرت سے مہیا کر دی ہیں مثلاً زندگانی کی ضرورتوں میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا ہی کہ کوئی متنفس دو منٹ بھی سانس لیئے بغیر زندہ نہیں رہتا۔ سو آدمی گھر میں ہو یا بازار میں یا کھلے میدان میں تہ خانہ میں ہو یا پہاڑ پر سانس لینے کے لیئے ہوا ہر جگہ موجود۔ ہوا سے دوسرے درجے میں پانی ہی۔ وہ بھی برس میں دو بار خدا برساتا رہتا ہی۔ جا بجا دریا پڑے بہ رہے ہیں کہیں بھی زمین کو کھودو پانی نکل آتا ہی۔ کھانے کے لیئے جنگل میں خودرُو پھل پھلاری کی افراط ہی ہاں پانی کی جگہ شربتِ کیوڑہ پیو۔ اور پلاؤ زردے کھانا چاہو تو خدا سے یہ توقع نہ رکھو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر من وسلوے اُترا کرتا تھا بنا بنایا شربت اور پکا پکایا پلاؤ آسمان سے برسے گا خدا نے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا سے تمہاری زندگی کا ذمہ لیا ہی نہ ان تکلفات کا یعنی ضرورت کے لیئے نہیں۔ مگر تکلف کے لیئے کچھ نہ کچھ تکلیف کرنی ہی پڑے گی ؎

ای ذوق تکلف میں ہی تکلیف سراسر | آرام سے وہ ہی جو تکلف نہیں کرتا

غرض کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص طرح کا مخلوق حاجتمند پیدا کیا ہی تو اُس کی ضرورتوں کا سامان بھی مہیا کر دیا ہی بہت کچھ اپنی قدرت سے اور کچھ یوں ہی سا برائے نام آدمی کے ابنائے جنس کے ذریعے سے اور اسی لیئے تو

ف تو آدمی کو چاہیئے کہ (اَور نہیں تو) اپنے کھانے (ہی) کی طرف نظر کرے کہ ہم (ہی) نے اوپر سے پانی برسایا پھر ہم (ہی) نے (ایک) زمین میں (یہ سب کچھ) اُگایا (یعنی) غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا (یہ سب) اس لیئے کہ تم لوگوں کو اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ پونہچے ۱۲ ف۲ اور جتنے (جاندار) زمین میں چلتے پھرتے ہیں اُن (سب) کی روزی اللہ ہی کے ذمے ہی ۱۲

آدمی اپنی طرح کے آدمیوں میں مل کر رہتا ہی کہ لوگ ضرورتوں کے بہم پہونچانے میں اُس کی مدد کریں اور یہ لوگوں کی بڑے شہروں میں ہزاروں لاکھوں آدمی بستے ہیں۔ اور اُن میں سے بہتیرے ایسے ہیں کہ ظاہر میں ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر حقیقۃً وہ سب ایک دوسرے کا کام کر رہے ہیں۔ غرض آدمی کے لیئے جو کام ظاہر میں دوسرے آدمی کرتے ہیں وہ بھی خدا ہی اِن سے کراتا ہی کہ اُن کو اِس کی توفیق دی ہی اُن کو اِس قابل کیا ہی۔ اُن کے دل میں یہ بات ڈالی ہی۔ آدمی اِن باتوں کو سوچے سمجھے تو وہ ضرور تسلیم کرے گا کہ آدمی کے تعلقات تو بہت ہیں مگر کوئی تعلق اُس تعلق کو نہیں پاتا۔ جو آدمی کو خدا کے ساتھ ہی۔ آدمی کے دوسرے تعلقات عارضی اور چند روزہ ہیں۔ مگر اِس کا تعلق خدا کے ساتھ ہر وقت کا تعلق ہی اور ابدی ہی اور یہ بات تو دیباچے میں ثابت کر دی جا چکی ہی۔ کہ ہر ایک تعلق کے دو پہلو ہوتے ہیں حق کا اور ذمہ داری کا۔ سو بندوں کا تو کوئی دعوی اور کوئی حق خدا پر نہیں۔ ہاں اُس نے از خود بندوں کی روزی کا ذمہ لیا ہی وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا [۵۱] اور مہربانی کا كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ [۵۲] سو خدا اپنی ذمہ داریوں کو جو اُس نے اپنے اوپر لازم کر لی ہیں بے طلب بے تقاضا باحسن الوجوہ پورا کر رہا ہی۔ رزق کے اعتبار سے وہ خیر الرازقین ہی اور مہربانی کے لحاظ سے ارحم الراحمین۔

رہے اُس کے احسان بندوں پر۔ بندوں کا تو مقدور نہیں کہ اُن کو گن سکیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [۵۳] تو جیسے اُس کے بے شمار احسان ویسے ہی اُس کے بے شمار حقوق اور ویسے ہی اُس کی نعمتوں کے مقابلے میں بندوں کے فرائض هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ [۵۴]۔ دنیا میں اگر کوئی ہم پر احسان کرتا ہی تو ہم ٹہل سے خدمت سے کسی نہ کسی طرح اُس کا بدلہ اُتار بھی سکتے ہیں مگر خدا کی نہ تو ہم سے خدمت ہی ہو سکتی ہی اور نہ وہ ہماری خدمت کی پروا کرتا ہی۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ [۵۵]۔ ہاں اُس کے بندوں کی خدمت بھی اُس کی خدمت ہی اور یہی خدا ہم سے چاہتا بھی ہی سہ

دل بدست آور کہ حج اکبر ست — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

اور یہی وجہ ہی کہ جس کو خدا نے اپنی عبادت قرار دیا ہی اُس میں بھی مقصود اصلی خلائق کا نفع ہی مگر کتنے آدمی ہیں جو اِس نکتے کو سمجھتے ہیں شاید سو میں ایک دو۔ عبادتیں تین قسم کی ہیں۔ قلبی۔ بدنی۔ مالی۔ قلبی عبادت سے مراد ہی۔ دلی عقیدہ دلی یقین۔ کہ خدا واقع میں ہی۔ اور عالم سارا اُسی کا بنایا اُسی کا پیدا کیا ہوا ہی اُسی کی مخلوقات میں ایک مخلوق ہم بنی آدم بھی ہیں مگر عقل سے سرفراز فرما کر خدا نے ہم کو ایک خاص طرح کی برتری دی ہی وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا [۵۶]۔ گو ہم عقل ہی کے برتے پر دنیا میں چین سے زندگی بسر کرتے ہیں صحیح ہی کہ آدمی کو دنیا میں تکلیفیں بھی پہونچتی ہیں۔ بلکہ لوگ

---

۵۱ اور جتنے (جاندار) زمین میں چلتے پھرتے ہیں اُن (سب) کی روزی اللہ ہی کے ذمے ہی ۱۲ ۵۲ اُس نے (از خود لوگوں پر) مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہی ۱۲ ۵۳ اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن نہ سکو ۱۲ ۵۴ بھلا نیکی کے سوا نیکی کا بدلہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہی ۱۲

۵۵ بے شک اللہ دنیا جہان سے بے نیاز ہی ۱۲

۵۶ اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہی اُن میں بہتیروں پر اُن کو برتری دی ۱۲

اکثر تکلیفوں کے شاکی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

در عالمِ بے وفا کسے خرّم نیست | شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آنکس کہ دریں زمانہ اوراغم نیست | یا آدم نیست یا دریں عالم نیست

تو کیا خدا نے ہم لوگوں کو بے خطا بے قصور گوناگوں تکلیفوں میں مبتلا رہنے کے لیئے پیدا کیا ہے۔ ایسا خیال کرنا معاذ اللہ خدا کو ظالم ٹھیرانا ہے۔ حال آنکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ دنیا کی بناوٹ دنیا کے واقعات سے بے شائبہ اشتباہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے کی مصلحتوں کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ مگر اُن میں سب سے بڑی مصلحت اظہار رحمت ہے۔ سرے سے پیدا کرنا ہی رحمت ہے اور پھر ہر مخلوق کی تمام ضرورتوں کو مہیا کرنا مزید رحمت **للمؤلف**

جسے جس غرض سے بنایا ہے اُس نے | اُسے اُس کا رستہ دکھایا ہے اُس نے

الَّذِیٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی [۱] اچھا پھر یہ تکلیفیں کیسی جن کا ہر فرد بشر شاکی ہے؟ ہاں تو یہ تکلیفیں اے صبا ایں ہمہ آوردہ تست ؛ خود آدمی اپنی نادانی ناعاقبت اندیشی نافرمانی سے مول لیتا ہے۔ مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ [۲] یعنی خدا نے جو زندگی کا دستور العمل ہم لوگوں کے لیئے بنا دیا ہے اور وہ کیا ہے قرآن پاک لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ [۳] شامتِ نفس سے ہم اُس کی ہدایتوں پر عمل نہیں کرتے اِس سے تکلیفیں اُٹھاتے اور مصیبتیں جھیلتے ہیں پس جب تم کو کوئی امر ناملائم پیش آئے یقین کر لو کہ تم سے خدائی دستور العمل کی تعمیل میں ضرور کوئی فروگزاشت ہوئی ہے اور یہ تکلیف اُسی فروگزاشت کا نتیجہ ہے خدائی دستور العمل تم کو نہ صرف تمہاری فروگزاشت بتائے گا بلکہ اُس کی تلافی بھی۔ غرض کہ خدا تو ہماری ذرا سی تکلیف کا روادار نہیں۔ خواہ وہ تکلیف روحانی ہو یا جسمانی۔ داخلی ہو یا خارجی۔ یعنی ہماری اپنی وجہ سے ہو یا دوسروں کی وجہ سے مگر ہم ہی اُس کا کہنا نہ مانیں تو اس کا کیا علاج۔ تم کو جو خدشے واقع ہوں بے تامل بیان کرو خدشات کا واقع ہونا عیب نہیں ہے۔ عیب ہے خدشات کا چھپانا کہ اس سے بزدلاپن ثابت ہوتا ہے ہمارا دعویٰ تو یہ ہے مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ اِس دعوے کے دو جزو ہیں پہلے جزو کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں کر سکتا۔ اِس لیئے کہ دنیا میں جو کچھ سامانِ عیش و عشرت آدمی کے لیئے ہے وہ سب خدا کا بنایا خدا کا دیا ہوا ہے آدمی ماں کے پیٹ سے تو لے کر نہیں آیا جو کچھ اس نے کمایا وہ بھی خدا ہی کی دین ہے کہ خدا نے آدمی کو اس قابل کیا اور کمایا بھی تو کیا کمایا۔ خدا کی بنائی ہوئی خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تصرف کیا اور بس۔ پس مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ یا مَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ کے بوجھ سے تو آدمی کسی طرح سبکدوش ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رہا مَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ [۴]

---

[۱] جس نے ہر مخلوق کو اُس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو اُن اغراض خاص کے پورا کرنے کی راہ دکھائی (جن کے لیئے وہ پیدا کیا گیا ہے) ۱۲

[۲] (اے بندے حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ) تجھ کو کوئی فائدہ پونہچے تو (سمجھ کہ) اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پونہچے تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے ۱۲

[۳] جھوٹ نہ تو اُس کے آگے (ہی کی طرف) سے اُس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے (کی طرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوارِ حمد (و ثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی (کتاب) ہے ۱۲

تو مصیبتیں جو آدمی کو زندگی میں پونہچتی رہتی ہیں بہت تو اسی کی بے احتیاطی کے نتیجے ہیں مثلاً وہ حفظِ صحت کے قاعدوں کی تعمیل نہیں کرتا اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ قاعدوں کے تعمیل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اُن قاعدوں سے واقف نہیں دوسرے یہ کہ واقف تو ہے مگر اُن پر عمل نہیں کرتا تو جیسے واقف ہو کر عمل نہ کرنا اس کا قصور ہے ویسے ہی ناواقف رہنا بھی اسی کا قصور ہے۔ کیوں نہیں جانتا۔ اور کیوں نہیں واقفیت پیدا کی۔ دریا میں رہنا ہے تو تیرنا سیکھنا ہی پڑے گا اور نہیں سیکھے گا تو ڈوبے گا بھی ضرور۔ اور لوگ اسی کو اُلاہنا بھی دیں گے ضرور۔ یہ جو کچھ ہم نے کہا امراضِ جسمانی کے متعلق تھا۔ اب اُن تکلیفوں پر نظر کرو جو آدمی کو ابنائے جنس کے ہاتھوں پونہچ جاتی ہیں۔ یہ بھی تھوڑی نہیں اور بسا اوقات بیماری سے بڑھ کر تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں بھی اگر آدمی انصاف کے ساتھ دیکھے بہت سی ایسی نکلیں گی۔ جو اس کی اپنی بے تدبیری سے اس کو پونہچی ہیں۔ ان سب کو حساب سے خارج کر کے دیکھا جائے تو عجب نہیں گنتی کی چند تکلیفیں اضطراری بھی ہوں۔ جن میں اس شخص تکلیف رسیدہ کو کچھ بھی دخل نہیں۔ یا شاید نہ بھی ہوں۔ لیکن فرض کرو کہ ہیں تو بھی خدا کی بے شمار نعمتوں کے مقابلے میں ان کا وزن پاسنگ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور ان کا الزام بھی اس پر نہ ہوگا تو اس کے ابنائے جنس پر ہوگا۔ بس تو یہ بات آکر ٹھیری کہ آدمی پر خدا کے بے شمار احسان ہیں اور چونکہ آدمی کی طبیعت احسان شناس واقع ہوئی ہے۔ اس کو ہمہ وقت اور ہر حال میں خدا کا احسان ماننا اور اُس کا شکر کرنا چاہیئے۔ بڑی بات تو خدا کا جاننا پہچاننا۔ اور اُس کی ہستی کا یقین کرنا ہے اور اسی پر انسان کی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ کیونکہ آدمی خدا کا یقین کرے گا تو ضرور اُس کے حقوق اور اپنے فرائض کو بھی سمجھے گا اور سمجھے گا تو ضرور تھوڑا بہت عمل بھی کرے گا۔ اور عمل کرے گا تو آپ بھی راضی رہے گا اور اَوروں کو بھی راضی رکھے گا اور خدا بھی اُس کی فرماں برداری سے خوش ہوگا اس لیئے کہ خدا نے جو حکم دیئے ہیں خود آدمی اور اُسی کے ابنائے جنس کے فائدے کے لیئے دیئے ہیں خدا کی کوئی ذاتی غرض ان سے متعلق نہیں اور نہ وہ بے نیاز کسی طرح کی غرض رکھتا ہے اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ[۱]۔ لیکن یقین یقین میں فرق ہے۔ عام طرح کا یقین تو یہ ہے اور یہ یقین کا ادنیٰ درجہ ہے کہ آپ تو غور و فکر کرنے کی عادت نہیں۔ کسی کو مرتے دیکھا یا آپ مبتلائے مصیبت ہوئے خدا یاد آگیا۔ بات رفت و گزشت ہوئی۔ یادِ خدا بھی بھولی بسری ہو گئی۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں کسی نے کہا ہے **مصرع** چکنے گھڑے پہ بُوند پڑی اور پھسل پڑی ؛ یقین کا اعلےٰ درجہ جو خاصانِ خدا کا حصہ ہے یہ ہے **شعر**

کسانے کہ یزداں پرستی کنند ؛ بآوازِ دولاب مستی کنند

یہ لوگ ذرّے میں آفتاب کو۔ مخلوق میں خالق کو۔ یعنی ہر چیز میں خدا کو گویا بچشمِ سر مشاہدہ کرتے ہیں۔

ہر چہ آید در نظر غیرِ تو نیست ؛ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

[۱] اگر تم (خدا کی) ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز (مطلق ہے) اور اپنے بندوں کے لیئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا (یعنی یہ نہیں چاہتا کہ اُس کی ناشکری کریں) اور اگر تم (اُس کا) شکر کرو تو وہ تمہاری اس ادا کو پسند کرتا ہے ۱۲

اِن اعلیٰ اور اَدنےٰ دو درجوں کے درمیان میں یقین کے بے شمار مدارج ہیں مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿۱۹﴾ کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَ ہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ اَکۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَکۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا ﴿۲۱﴾ خدا نے جو عبادت کو اپنا حق اور ہم بندوں کا فرض قرار دیا ہی - تو اس کا اصلی مطلب اس بات کا ظاہر کرنا ہی کہ ہم اُس کے بندے ہیں - پھر بندگی کے ظاہر کرنے کے اُس نے طریقے بتا دیئے ہیں - ہمارا خیال تو یہ ہی کہ اِن تمام طریقوں سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا مقصود ہی -

ع راحت بدل رساں کہ ہمیں مذہب ست وبس ؎

اور جس طریقے سے صاف طور پر یہ بات ظاہر نہیں ہوتی - تو کم سے کم اتنا تو ہی کہ خدا کا خیال تازہ ہوتا ہی اور عبادت گزار کی بلکہ سارے مُسلمانوں کی بلکہ کل عالَم کی فلاحِ دارین اِسی خیال پر متفرع ہی ؎

## ممانعتِ شرک

از شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب

توحید اور ممانعتِ شرک دونوں کا مطلب ایک ہی - توحید کے بارے میں جو آیتیں ہیں وہ حکم کے پیرائے میں ہیں کہ خدا کو اُس کی ذات و صفات میں یگانہ مانو اس سے ممانعتِ شرک مستنبط ہوتی ہی لیکن چونکہ توحید کا معاملہ بڑا مہتم بالشان ہی اِس لیئے نہی کے پیرائے میں بھی ممانعتِ شرک کی بہت سی آیتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں - دینِ الٰہی آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر بلا تغییر و تبدیل چلا آتا ہی اور اس کا اصل الاصول توحید ہی کہ خدا کو ایک مانا جائے مگر دین کے اِسی ایک رُکنِ توحید میں ایسا ضعف آ گیا تھا کہ جو لوگ بُت پرست تھے سو تھے اہلِ کتاب بھی توحید میں رخنہ اندازیاں کرنے لگے تھے یعنی یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعض خدا کا بیٹا اور بعض مستقل خدا ماننے لگے تھے نصاریٰ میں جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کو مستقل خدا مانتے ہیں وہ عجب طرح پر خدا کے بارے میں تثلیث اور توحید دو متناقض باتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں نہ اِس معنےٰ کو خود سمجھتے ہیں اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں ظاہر بات ہی کہ انسان کو صرف وجودِ عاقل ہونے کی وجہ سے دین و مذہب کی تکلیف دی گئی ہی پھر بھی عقلِ انسانی محدود عقل ہی بہت سی باتیں ہیں جن کو انسان نہیں سمجھتا مثلاً دُور کیوں جاؤ خود اِسی کی روح ہی کہ آج تک کسی نے روح کی حقیقت

---

۱؎ جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں (اور جتنا چاہتے ہیں اِسی (دنیا) میں سر دست اُس کو دے دیتے ہیں (مگر) پھر (آخر کار) ہم نے اُس کے لیئے دوزخ ٹھیرا رکھی ہی جس میں وہ بُرے حالوں راندہ (درگاہ خدا) ہو کر داخل ہو گا اور جو شخص طالبِ آخرت ہو اور آخرت کے لیئے جیسی کوشش کرنی چاہیئے ویسی اُس کے لیئے کوشش بھی کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی محنت (خدا کے ہاں) مقبول ہو گی (اے پیغمبر) وہ (دنیا کے طالب) اور یہ (آخرت کے طالب) سب ہی کو ہم تمہارے پروردگار کی (یعنی اپنی) بخشش سے امداد دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش (عام ہی کسی پر) بند نہیں (اے پیغمبر) دیکھو (تو یہی کہ) ہم نے (دنیا میں) بعض لوگوں کو بعض پر کیسی برتری دی ہی اور البتہ آخرت کے درجے کہیں بڑھ کر ہیں اور (ویسے ہی اُس دن کی) برتری (بھی) کہیں بڑھ کر ہی ۱۲ ؎

کو نہیں سمجھا۔ مگر پھر بھی رُوح ہی۔ لیکن سمجھ میں نہ آنا اَور بات ہی اور انکارِ عقلی بالکل دُوسری بات ہی خدا کی ذات اور اُس کی صفات عقلِ انسانی میں آنے کی باتیں نہیں مگر شرک کہ اُس میں بُت پرستی اور عقیدۂ تثلیث سب داخل ہیں ایسی باتیں ہیں کہ عقل اِن کو قبول نہیں کرتی نہ یہ کہ سمجھتی نہیں۔ اِس ضعفِ توحید کو دُور کرنے کے لیئے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسلام اور یہودیت اور نصرانیت میں اَور بھی چند در چند اختلافات ہیں مگر وہ اختلاف فروعی ہیں۔ مثلاً عبادتوں کے طریقے اور اوقات یا بعض جانوروں کی حلت و حرمت یا مثلاً جہۃ قبلہ یا اسی طرح کے اَور بعض مسائل۔ بڑا اختلاف جو اسلام اور اہلِ کتاب کے عقائد میں ہی وہ توحید ہی۔ قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ توحید اصلِ دین ہی اور اسلام اِس بارے میں کسی طرح کی توجیہ اور تاویل کو بھی جائز نہیں رکھتا۔ ہم نے جو کچھ اِس کتاب کے دیباچے اور عنوانِ توحید کے ذیل میں لکھا ہی وہ ممانعتِ شرک کے لیئے بھی بس کرتا ہی۔ خداشناسی کا سیدھا رستہ جو اسلام نے تعلیم کیا ہی یہ ہی کہ کارخانۂ عالم پر نظر کر کے ادنےٰ تاملّ سے ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ اِس کارخانے کا بنانے والا اور سنبھالنے والا کوئی ہی اور وہ کوئی اِن چیزوں میں سے نہیں ہی۔ جن کو ہم دیکھتے اور دیکھ سکتے ہیں ہم اپنے تئیں عقل و دانش کے اعتبار سے اشرف المخلوقات پاتے ہیں لیکن ہم خود اپنی جگہ درماندہ ہیں۔ مجبور ہو کر ہم کو ایسی ہستی کا قائل ہونا پڑتا ہی جو ہماری اور مخلوقات کی جنس میں سے نہیں ہی۔ بس خدا کے ہونے کی ہمارے پاس ایک یہی دلیل ہی ہمارے دل کی گواہی۔ ہم نے اپنے دل کی گواہی کو جب جب آزمایا صحیح ثابت ہوئی۔ مثلاً ہم صبح کے وقت مشرق کی طرف روشنی ہوتی دیکھتے ہیں اور ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ آفتاب نکلنے والا ہی اور اس گواہی کے صحیح ثابت کرنے کے لیئے واقع میں بھی آفتاب نکلتا ہی۔ یا مثلاً ہم کو دُور سے دُھواں اُٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہی۔ اور ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ یہ دُھواں کسی آگ سے پیدا ہوا ہی۔ ہم موقع پر جا کر دیکھتے ہیں تو واقع میں آگ پاتے ہیں۔ ہم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہی اور ایک شخصِ خاص کی نسبت ہم حکم لگاتے ہیں کہ یہ بھی مرے گا اور وہ واقع میں اویر سویر مرتا ہی۔ اِسی طرح جب ہم ایک بنا ہوا مکان یا ایک چلتی گھڑی دیکھتے ہیں تو ہمارا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوتا ہی کہ اِس مکان کا بنانے والا کوئی معمار اور گھڑی کا بنانے والا کوئی گھڑی ساز ضرور ہی اور تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ واقع میں مکان کا تعمیر کرنے والا معمار اور گھڑی کا بنانے والا گھڑی ساز ہی بھی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے دل کی گواہی یا ہماری عقل کا حکم کسی جگہ غلطی نہ کرے اور کرے تو خدا کے بارے میں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ مخلوقاتِ عالم کو دیکھ کر جو ہم نے سمجھا ہی کہ اِن کا بنانے والا امرئیات اور مشاہدات میں سے نہیں ہی بلکہ ایک ہستی ہی جس کو ہم بچشمِ سر نہیں دیکھ سکتے۔ اور اسی کو ہم لوگ خدا کہتے ہیں ٹھیک ہی۔ جس طرح ہم نے خدا کی ذات کو پہچانا اسی طرح اُس کی صفات کو پہچانا۔ اور جس دلیل سے ہم نے خدا کو مانا اُسی دلیل سے ہم نے اُس کو ایک بھی مانا۔ ایک ہونا خدا کے لیئے شرطِ ضروری ہی اگر اُس کی ذات یا صفات میں کوئی اَور شریک ہو تو ایسا خدا خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شرکت اگر ہوگی تو خود خدا میں کسی طرح کا ضعف ہوگا جس کی تلافی شرک سے کی جاتی ہی اور ضعف کا نام آیا اور خدائی گئی گزری ہوئی جس کے سر میں عقل ہی یعنی جس میں انسانیت کا جامہ پہنا ہی وہ خدا کا منکر تو ہو نہیں سکتا خدا کے خیال کو دل میں جگہ نہ دینا انکار ہی نہیں ہی بلکہ غفلت ہی اور اِس سے

کوئی فردِ بشر خالی نہیں الا ماشاء اللہ یہاں تک کہ خود جناب سالت مآب فرماتے ہیں لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1] شرک ایک اعتبار سے انکار نہیں ہے۔ مگر دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو وہ بھی داخلِ انکار ہے۔ شرک ایسی بد بلا ہے کہ اُس سے محفوظ رہنا بہت دشوار ہے اس لیئے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں شرکِ جلی اور شرکِ خفی۔ بتوں کو پوجنا فرشتوں اور پیغمبروں اور بزرگانِ دین یا سوائے خدا کے کسی چیز میں خدا کی صفتوں میں سے کسی صفت کا ہونا تسلیم کرنا شرکِ جلی ہے۔ اور شرکِ خفی کے بہت سے اقسام ہیں ازانجملہ لوگوں کے نام ایسے رکھنا جن سے بُوئے شرک پیدا ہوتی ہو۔

اصل میں شرک کی تین قسمیں ہیں۔ **شرک فی الذات**[1]۔ **شرک فی الصفات**[2]۔ **شرک فی الاسماء**[3]۔ شرک فی الذات تو یہ ہے کہ کئی خدا مانے جائیں اور منکر خدا بھی شرک فی الذات کے ذیل میں ہے۔ شرک فی الصفات یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی دوسرے کو اُن صفات سے متصف مانا جائے جو خدا کے ساتھ خاص ہیں شرک فی الاسماء کو ہم نے شرک کی ثالث قسم قرار دیا ہے مگر از آنکہ اسماء صفاتی ہیں۔ شرک فی الاسماء حقیقت میں شرک فی الصفات ہے۔ شرک فی الاسماء کو قسمِ مستقل قرار دینا ایک آیت کی وجہ سے ہوا ہے جو مع ترجمہ و فائدہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ "یعنی اور اللہ کے (سب ہی) نام اچھے ہیں تو اُس کے نام لے کر اُس کو (جس نام سے چاہو) پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں اُن کو (اُن ہی کے حال پر) چھوڑ دو کوئی دن جاتا ہے کہ وہ اپنے کیئے کا بدلہ پائیں گے" ف

ف ناموں میں کفر کرنے کے بہت پیرائے ہیں ازانجملہ جو بد نصیبی سے مسلمانوں میں بھی بہ کثرت شائع ہے یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کو اُن صفتوں سے پکارا جائے جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے مشکل کشا۔ دستگیر اَنّ داتا۔ شہنشاہ وغیرہ ۱۲÷

## ایمان بالقدر

از شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب

رہا مسئلۂ تقدیر تو یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ عوام تو عوام اکثر خواص بھی اُس کو نہیں سمجھ سکتے سارا اشکال خود آدمی کی خاص طرح کی بناوٹ کا ہے کہ آدمی نہ تو کنکر پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے جہاں پڑا پڑا ہے کوئی اُس کو جگہ سے ہلائے تو ہلے اور نہ با اختیارِ مطلق ہے کہ جو چاہے کر گزرے۔ آدمی کی اِس حالت کو پیشِ نظر رکھ کر تقدیر کے معنی سمجھنے کے ہیں۔ تقدیر کی نسبت لوگوں کا عام خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو بھلا برا جو کچھ پیش آتا ہے۔ اور جو کچھ پیش آنے والا ہے پہلے سے خدا نے اُس کے لیئے ٹھیرا دیا ہے یہاں تک کہ اُس کا جنتی اور دوزخی ہونا بھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے نہیں کرتا اور اِسی لیئے نیکی کی جزا کا مستحق اور بدی کی سزا کا مستوجب بھی نہیں بے شک کٹ حجتی کے لیئے بڑی گنجایش ہے اور اس خیال کی تائید میں بہت سی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن سے انسان کی مجبوری ظاہر ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ انسانی زندگی کے دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور نہیں دیکھتے کہ انسان کچھ اختیار بھی

[1] یعنی میرے لیئے خدا کے ساتھ ایک وقتِ خاص ہے جس میں نہ تو مقرب فرشتے کو گنجایش ہوتی ہے نہ نبی مرسل کو ۱۲

رکھتا ہی اور اسی اختیار کی بنا پر وہ دنیا میں اپنے افعال کا جواب دہ سمجھا جاتا ہی - دُنیا میں یہ قاعدہ جاری ہی تو آخرت میں کیوں نہ ہو - دُنیا اور آخرت میں نقل اور اصل کی نسبت ہی اور ایک کا دوسرے کے مطابق ہونا ضرور ہی - اچھا پھر تقدیر کو کیا سمجھنا چاہیئے تو لفظِ تقدیر نکلا قدر سے جس کے معنے اندازے کے ہیں پس تقدیر کے معنے اندازہ ٹھیرانے کے ہوئے جو معنے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ [۵۱] کے ہیں وہی معنی تقدیر کے ہیں - اس کو ایک مثال سے بآسانی سمجھو گے - ہم نے ایک دَرزی کو کپڑے کا تھان دیا کہ اس میں سے جتنے بن سکیں ہمارے کُرتے بنا دو - تو درزی پہلے آگا پیچھا - کلیاں چوبغلے آستینیں ہر ایک چیز کا اندازہ کر لیتا ہی تب قطع کرتا ہی لغت کی رُو سے اسی کا نام ہی تقدیر - معمار تعمیر سے پہلے مکان کا نقشہ بناتا ہی - بڑھئی چوکی کے لیئے لکڑی کی تراش کا اندازہ کرتا ہی - یہ سب تقدیر ہی اسی طرح خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی یہی اُس چیز کی تقدیر ہوئی - دوسری مخلوقات کے ساتھ ایک تقدیر انسان کی ہی کہ اُس کی دو آنکھیں ہیں دو کان دو ہاتھ دو پاؤں ایک ناک - وہ خاص ایک خاندان میں خاص ملک میں خاص زمانے میں پیدا ہوتا اور ایک خاص وقت تک خاص حالت میں زندہ رہ کر آخر کو دنیا سے رخصت ہو جاتا ہی - انسان پر جو حالتیں گزرتی ہیں اُن میں سے بہت سی باتیں ہیں جن میں انسان کے ارادے انسان کی رائے انسان کی تدبیر کو کچھ دخل نہیں ایسی ہی باتوں میں اس معنی کر تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہی جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں بندگی و بیچارگی - فطرت اللہ میں نکتہ چینی کرنا فسادِ عقل اور کُرہ بینی کی دلیل ہی - مثلاً یہ کہ آدمی کو پرندوں کی طرح پرواز کی قدرت کیوں نہیں دی یا جیسا کہ تیز خوردبین میں دیکھا جاتا ہی کہ مکھی کے چھوٹے سے جُثّے میں ہزاروں آنکھیں ہیں آدمی کس لیئے اس نعمت سے محروم رکھا گیا - پس اس صورت میں تقدیر پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ مخلوقاتِ عالم کو خدا نے جیسا چاہا بنایا اور بہت درست بنایا - اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى [۵۲] - لیکن اس میں تو کچھ جھگڑا نہیں - جھگڑے کی بات تو یہ ہی کہ انسان اپنی ذات سے کچھ بھی نہیں - جو کچھ کرتا ہی خدا کرتا ہی یہی وہ عقیدہ ہی جس میں پانی مرتا ہی - اسی عقیدے نے مسلمانوں کی دُنیا کو تباہ اور برباد کیا - ایک وقت تھا کہ مسلمان روئے زمین پر کوس لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْم بجاتے تھے اور تہذیب اور شائستگی اور فضائل میں کوئی قوم اِن کو لگا نہیں کھاتی تھی یا اب یہ وقت ہی کہ دوسروں کے غلام ہیں اور غلام بھی ہیں تو نکمّے نکھٹو اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ [۵۳] - برائے نام معدودے چند سلطنتیں بھی ہیں تو اگر "ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند" یہ سب اس لیئے کہ مسلمان تقدیر پر بھروسا کر کے حسبِ اقتضائے وقت اپنے تئیں سنبھالنے کی کوشش نہیں کرتے اور عقیدۂ تقدیر نے اُن کو مایوس اور اپاہج اور از کار رفتہ کر دیا ہی - اگلے مسلمان جو معراج الکمال ترقی پر پونہچ گئے تھے وہ بھی تقدیر کے قائل تھے - مگر کوشش کرتے تھے - اور سمجھتے تھے کہ کامیابی اُن کی تقدیر میں ہی اور تقدیر یہ ہی

---

۵۱ ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہی ۱۲ ۵۲ ہر مخلوق کو اُس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو (اُن اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی ۱۲ ۵۳ گونگا (اور گونگا ہونے کے علاوہ پرایا غلام کہ خود) کچھ نہیں کر سکتا اور (گونگے ہونے کی وجہ سے) وہ اپنے آقا کا بارِ خاطر بھی ہی کہ جہاں کہیں اُس کو بھیجے اُس سے کچھ بھی ٹھیک نہیں بن آتا ۱۲

اُن سے کوشش کر رہی ہے۔ اس پر بھی احیاناً اگر اُن کی سعی نامشکور ہوتی تھی۔ تو ناشکوری سعی محرک ہوتی تھی سعی مزید کی۔ غرض وہ کسی حالت میں ہمت نہیں ہارتے تھے اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔ اب کے مسلمان پہلے ہی سے اُس توڑ بیٹھے اور بے ہاتھ پاؤں ہلائے سمجھے ہوئے ہیں کہ خدا ہی اِن کی بہتری نہیں چاہتا ؏

مزن فالِ بد کاورد حالِ بد ۔ مبادا کسے کو زند فالِ بد

ہم نے مدتوں اِس کو سوچا کہ مسلمانوں نے تقدیر کا محمل غلط کہاں سے لیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن میں ایسی بھی بہت آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت دونوں خدا کی طرف سے ہیں آدمی کے اختیار کی بات نہیں جیسے اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور فَمَنْ یَّھْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللہُ اور خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللہُ فَاَصَمَّھُمْ وَ اَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ اسی طرح ایسی بھی آیتیں ہیں جن سے آدمی کا بااختیار ہونا پایا جاتا ہے جیسے اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَ تَقْوٰھَا اور اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا اور فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اور بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ دونوں قسم کی آیتوں کے ملانے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان فاعل بااختیار ہے مجبوری ہے تو یہ ہے کہ نہ وہ اپنے ارادے سے پیدا ہوا اور نہ اُس نے اختیارات کی جیسے کچھ بھی ہیں درخواست کی دوسرے یہ کہ آدمی ارادے کا اختیار رکھتا ہے ارادے کا نافذ کرنا اُس کے بس کی بات نہیں نتیجہ جو وہ چاہتا ہے ہو بھی اور نہ بھی ہو مثلاً آدمی نے چوری کی نیت سے ایک گھر کو تاکا آلات سرقہ لے کر چلا وہاں جا کر دیکھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں ناکام واپس آیا۔ حاکم ظاہر اُس کو سزا نہیں دے سکتا کیونکہ چوری نہیں ہوئی۔ مگر وہ چوری کا ارادہ کرنے سے عند اللہ چور ٹھیرا یہ ہیں معنی اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ

---

؎۱ اگر تم کو (اس لڑائی میں شکست کی) کھٹر پنچ لگی تو (بے دل مت ہو کیوں کہ جنگِ بدر میں) طرفِ ثانی کو بھی اِس طرح کی کھٹر پنچ لگ چکی ہے اور یہ اتفاقاتِ وقت ہیں جو ہمارے حکم سے نوبت بہ نوبت (سب) لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں ۱۲ ؎۲ (اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق) تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۱۲ ؎۳ جس کو چاہتا گمراہ کرتا اور جس کو چاہتا ہدایت دیتا ہے ۱۲ ؎۴ تو جس کو خدا گمراہ کرے اُس کو کون راہِ راست پر لاسکتا ہے ۱۲ ؎۵ اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ (پڑا) ہے ۱۲ ؎۶ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور اُن کو (حق بات کے سننے سے) بہرا اور (راہِ راست کے دیکھنے سے) اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے ۱۲ ؎۷ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب (کے سب مل کر بھی) خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو ذرا بھی پروا نہیں کیوں کہ (وہ) بے نیاز (اور ہر حال میں) سزاوارِ حمد (وثنا) ہے ۱۲ ؎۸ اور انسان کی اور (اُس ذات کی قسم) جس نے اُس کو (ایسا) درست بنایا پھر اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتیں) اُس کو سمجھا دیں ۱۲ ؎۹ (پھر ہم نے) اُس کو (دین کا) رستہ (بھی) دکھایا (پھر اب دو قسم کے آدمی ہیں) یا تو شکرگزار ہیں (یعنی مسلمان) یا ناشکر (یعنی کافر) ۱۲ ؎۱۰ پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ۱۲ ؎۱۱ بلکہ (خود) انسان اپنے مقابلے میں حجت ہے گو وہ (اپنے تئیں بے قصور ثابت کرنے کے لیے کتنے ہی) بہانے پیش لایا کرے ۱۲

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ کے۔ ایک شکل خدا کے عالم الغیب ہونے کی ہی کہ وہ اس سے پہلے کہ آدمی عرصہ ہستی میں آئے ایک ایک فردِ بشر کے جزو کل حالات سے واقف ہی کہ فلاں آدمی فلاں جگہ فلاں خاندان میں فلاں وقت پیدا ہوگا اتنے دن جیئے گا اور اس کو یہ یہ واقعات پیش آئیں گے اور آخر کار قانون الٰہی یعنی قرآن کی رُو سے جنتی ہوگا۔ یا دوزخی۔ یہ تو ظاہر ہی کہ خدا کا علم غلط نہیں ہو سکتا ضرور ہی کہ ایک ایک بات خدا کے علم کے مطابق واقع ہو اس سے بھی لوگ انسان کی مجبوری استنباط کرتے ہیں ایک بھلے تن ہندو نے ایک دوہا کہا ہی کہ ؎

نیا ؤنہ کین کین ٹھکرائی بن کینے لکھ لین بُرائی

لیکن یہ استنباط غلط ہی ایک طبیبِ حاذق بھی ایک مریض کی نسبت جانتا ہی کہ وہ بد پرہیز ہی ضرور بد پرہیزی کرے گا اور مرے گا اور وہ بد پرہیزی کرتا اور مرتا بھی ہی۔ لیکن طبیب نے اس کو بد پرہیزی کرنے اور مرنے کا حکم نہیں دیا۔ غرض تقدیر کی بحث ہی بڑی دقیق اور اسی وجہ سے شارع نے اِس میں کُرید کرنے کی مناہی بھی فرمائی ہی۔ ہم نے قرآن کا ترجمہ کرتے وقت تین مقام پر تین فائدے بھی لکھے ہیں اُن تینوں کو اس جگہ نقل کیے دیتے ہیں شاید فہم مطلب میں ان سے کچھ مدد ملے۔

پارہ تلک الرسل کے آغاز کی آیہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ کے ذیل میں لکھا ہی "مطلب یہ ہی کہ خدا چاہتا تو تمام بنی آدم کی طبائع ایک ہی طرح کی ہوتیں تو اُن میں اختلاف بھی نہ ہوتا لیکن اُس نے حق و باطل دو چیزیں بنائیں آدمی کو حق و باطل کی تمیز دی اور تمیز کے علاوہ اختیار کہ حق کا رستہ اختیار کرے یا باطل کا۔ آدمی کا با اختیار پیدا کرنا خدا کا فعل ہی اور حق و باطل کی تمیز کرنا اور ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑنا آدمی کا"

دوسرا فائدہ پارہ والمحصنت کے آیہ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ کے متعلق لکھا ہی اور وہ یہ ہی "اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ (نفع ہو یا نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہی اور یہاں فرماتے ہیں کہ فائدہ اللہ کی طرف سے اور نقصان بندے کی طرف سے ظاہر ان دونوں باتوں میں مخالفت سی معلوم ہوتی ہی اور کلام الٰہی میں یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ایک سانس میں کچھ اور دوسرے سانس میں کچھ۔ چنانچہ تھوڑی دُور آگے چل کر فرماتے بھی ہیں وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا سو جو لوگ انسان کو فاعل مختار نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ آدمی بُرا یا بھلا جو کچھ بھی کرتا ہی خدا کے کرانے سے کرتا ہی یہ لوگ ان دو مخالف باتوں میں اِس طرح وجہ توفیق پیدا کرتے ہیں جیسے حافظ شیراز کہہ گئے ہیں کہ ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من ست

یعنی نفع ہو یا نقصان۔ ہی تو سب کچھ خدا کی طرف سے مگر ادب کا تقاضا یہ ہی کہ بندہ نقصان اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرے اور باوجود بے اختیاری کے قصور کا معترف ہو لیکن یہ بات ہمارے دل کو تو لگتی نہیں۔ ہم تو آدمی کو فاعل مختار اور نیک و بد کا ذمہ دار مانتے اور اِس قاعدے کو دُنیا اور دین دونوں کے انتظام کا مدار سمجھتے ہیں اِن دو مخالف

باتوں میں واقعی وجہ توفیق پوچھو تو یہ ہی کہ خدا نے دنیا کے انتظام کا ایک قاعدہ ٹھیرا دیا ہی ہر چیز اور ہر واقعے کا ایک سبب ہوتا ہی اور ہر سبب کا ایک نتیجہ۔ اور اسی سے یہ جہان عالمِ اسباب کہلاتا ہی جیسے مثلاً حاکمِ ظاہر نے ایک قانون بنا دیا۔ اور اُس میں چور کی سزا تجویز کر دی۔ اتنے برس قید۔ زید نے چوری کی اور جیلخانے بھیجا گیا۔ کہنے میں تو یوں آتا ہی کہ حاکم نے قید کیا مگر حقیقۃ میں زید نے آپ اپنے کو قید کیا نہ چوری کرتا نہ جیلخانے جاتا۔ پس حاکم کا زید کو قید کرنا اور زید کا خود اپنے تئیں قید کرنا اپنی اپنی جگہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں"

تیسرا فائدہ سورۂ انعام کے رکوع ۱۷ آیۂ قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لہدٰکم اجمعین کے ذیل میں لکھا ہی "کفارِ مکہ جب دلیل سے عاجز آتے تو مشیتِ الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے۔ لیکن وہ مرضی اور مشیّت میں فرق نہیں کرتے تھے خدا نے اِس آیت میں مرضی اور مشیّت کا فرق نہایت عمدہ طور پر دکھایا ہی کہ جو خدا کی مرضی تھی وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ظاہر کر دی گئی اور لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ بُروں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی تو وہ ملزم ٹھیرے اور خدا کی حجّت اُن پر تمام ہوئی مشیتِ الٰہی سے اور اِس سے کچھ تعلق نہیں مشیّتِ الٰہی بالکل دوسری چیز ہی۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا چاہتا تو سب راہِ راست پر چلتے۔ مگر اُس نے چاہا کہ لوگ اپنے ارادے سے راہِ راست اختیار کریں تو لوگوں کے افعال سے مشیّتِ الٰہی متعلق نہیں ہی بلکہ اُن کی اپنی مشیت متعلق ہی۔ یعنی مشیّتِ الٰہی تھی کہ لوگ اپنی مشیت سے بُرا یا بھلا کریں"

اب اِن سب باتوں کے اخیر میں ہم ناظرین کو ایک نہایت ضروری بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ایمان اور اسلام دو لفظ ہیں بولنے میں مرادفِ یکدگر بولے جاتے ہیں۔ یعنی ایک ہی معنی میں اِن کا استعمال ہوتا ہی مگر جو فرق ایمان و اسلام میں ہی وہ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہی قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ "عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے پیغمبر۔ اِن سے) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (ہاں) یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے اور ایمان کا تو ہنوز تمھارے دلوں میں گزر تک بھی نہیں ہوا)" اسلام اعمالِ ظاہر سے تعلق رکھتا ہی۔ اور ایمان دل سے پس جو شخص ظاہر میں مسلمانوں کے سے کام کرتا ہی۔ مثلاً ہمارے قبلے کی طرف نماز پڑھتا ہی۔ ہمارا ذبیحہ کھاتا ہی یعنی اُس کا ظاہر مسلمان ہی چاہیئے کہ ہم اُس کو مسلمان سمجھیں یہی مضمون شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے نہایت عمدگی سے اِس قطعے میں ادا کیا ہی **قطعہ**

ہر کہ را جامہ پارسا بینی | پارسادان و نیک مرد انگار
ور ندانی کہ در نہانش چیست | محتسب را درونِ خانہ چہ کار

اور اسی مضمون کی توضیح ہماری اُس تحریر سے بھی ہو سکتی ہی جو ہم نے آیۂ قالت الاعراب اٰمنا الخ کے فائدے میں کی ہی چناں چہ وہاں لکھا ہی کہ "ایمان دل سے علاقہ رکھتا ہی اور خدا کے سوا دوسروں کو اِس کی خبر نہیں ہو سکتی اور اسلام افعالِ ظاہر سے تعلّق رکھتا ہی ایک شخص مسلمانوں کی سی وضع رکھتا اور مسلمانوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور اپنے

تئیں مسلمان کہتا ہو شرع جو ظاہر پر حکم کرتی ہی اُس کی رُو سے وہ مسلمان سمجھا جائے گا مگر ممکن ہی کہ اُس کے دل میں ایمان نہ ہو۔ اِس آیت میں اسلام اور ایمان کا فرق جتانا مقصود ہی سخت افسوس ہی کہ آجکل کے مسلمانوں میں یہ فساد کثرت سے شائع ہو گیا ہی کہ بات بات میں مسلمانوں کو کافر بنا دیتے ہیں حال آنکہ شریعت کی رُو سے کسی کو حق نہیں کہ مسلمان بھائی کو گروہِ اسلام سے خارج کرے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر مسلمانوں کے گروہ کے بڑھانے کی تدبیروں میں لگے رہے اور وہ مسلمانوں کے گروہ میں داخل کرنے کے لیئے حیلے ڈھونڈتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اُبَاهِي بِكُمُ الْاُمَمَ۔ کہ تمام پیغمبروں میں مَیں ایسا پیغمبر ہوں جس کی اُمت آخرت میں سب اُمتوں سے زیادہ ہو گی۔ اِس کے برخلاف اب مسلمانوں کو گروہِ مسلمانوں سے خارج کرنے کے لیئے حیلے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا ٭ خدا کے نزدیک مُسلم سے مؤمن کا درجہ بڑا ہی کیونکہ اعمالِ ظاہر کبھی دکھاوے کے لیئے بھی ہوتے ہیں اور ہمارے اِن وقتوں میں بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو جتھے اور برادری کے خوف سے مسلمانوں کا سا ظاہر رکھتے ہیں مگر جس کو ایمان کہتے ہیں وہ اُن کے دل میں نہیں۔ اِن کے برخلاف کچھ لوگ ظاہر خراب باطن آباد بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ شریعت ظاہر پر حکم کرتی ہی۔ ہم تو لوگوں کے ظاہر حال ہی پر فیصلہ کر سکتے ہیں اور باطن کی خبر خدا کو ہی جس طرح ایمان اور اسلام دو چیزیں ہیں اسی طرح کفر بھی دو طرح کا ہی کفر ظاہر اور کفر باطن۔ غرض کسی کے ظاہر کو شعارِ اسلام کے خلاف دیکھ کر اُس کو کافر سمجھنا یا کافر کہہ دینا بڑی خطرناک بات ہی ٭

## حقوقِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

از شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب

قرآن کی سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ "اللہ کسی مثال کے بیان کرنے سے (ذرا بھی) نہیں جھینپتا (چاہے وہ مثال) مچھر کی ہو یا اُس سے بھی بڑھ کر (کسی اور حقیر چیز کی) سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ (مثال بالکل) ٹھیک ہی (اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ) اُن کے پروردگار (ہی) کی طرف سے (ہی) اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اِس (ذلیل) مثال کے بیان کرنے میں خدا کی کَون سی غرض (اٹکی پڑی) تھی ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہی لیکن اس سے گمراہ کرتا (بھی) ہی (تو) بدکاروں ہی کو جو پکا کیے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن (تعلقات) کے جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو قطع کرتے اور مُلک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ آخر کار نقصان اُٹھائیں گے" اس کی شانِ نزول مفسروں نے یُوں لکھی ہی کہ جب آیہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

ف لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہی تو اُس کو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ

دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْہُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ
الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ o مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ نازل ہوئی تو کفار نے طعن کیا کہ
مسلمانوں کا خدا بھی کیسا خدا ہی اونچی دوکان پھیکا پکوان خدائی دعوے اور مکھی جیسی حقیر اور قابلِ نفرت چیز کا مذکور ہم
کو تو مکھی کا نام لیتے ہوئے بھی گھن آتی ہی۔ اس طعن کے جواب میں آیہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖ الخ نازل ہوئی جواب کا
حاصل یہ ہی کہ مُمَثَّلٌ بِہٖ کیسی ہی اَدنےٰ چیز ہو۔ مثال کے نتیجے کو دیکھنا اور اُس سے پند پزیر ہونا چاہیئے۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش     ور نبشت ست پند بر دیوار

اس روایت کی بنا پر ہم خدا اور رسول کے باہمی تعلق کو حکامِ دنیا کی مثال دے کر سمجھانا چاہتے ہیں ہمارے وقتوں میں ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں ہی تو اُنھوں نے کیا کیا ہی کہ جتنے کام بہ تعلقِ حکومت کرنے پڑتے ہیں سب کے قسم وار صیغے بنا رکھے ہیں۔ ایک فوجی صیغہ ہی ایک ملکی پھر ملکی میں مال دیوانی فوجداری پولیس تعلیم۔ ڈاک۔ آبپاشی۔ تعمیرات وغیرہ بہت سے صیغے ہیں اور ہر صیغہ ایک محکمہ جداگانہ مثال کی تکمیل کے لیئے ہم ایک محکمۂ مال کو لیتے ہیں۔ جس میں تحصیل خراج کا کام ہوتا ہی۔ یہ محکمہ تحصیلدار سے شروع ہو کر گورنر جنرل پر جا کر منتہی ہوتا ہی۔ اس طرح پر کہ پرگنہ کا محصّل تحصیلدار۔ پھر کئی پرگنوں یعنی ضلع کا کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر۔ پھر کئی ضلعوں یعنی قسمت کا کمشنر پھر کئی قسمتوں یعنی صوبے کا بورڈ یا فنانشل کمشنر مُعرض کہ صوبے کے صیغۂ مال کا سب سے بڑا محکمہ بورڈ یا فنانشل کمشنر کا محکمہ ہی یہی حال کام کے ہر ایک صیغے کا ہی۔ پھر ان سب صیغوں کا جامع صوبے کا گورنر یا لفٹنٹ گورنر یا چیف کمشنر کہلاتا ہی اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے تمام صیغوں کا سب سے بڑا حاکم گورنر جنرل جسے ہندوستانی ریاستوں کے تعلق سے وایسرائے یعنی شہنشاہ کا نائب بھی کہتے ہیں۔

انتظام کے اس سلسلے سے ہم دو باتیں استنباط کرتے ہیں ایک یہ کہ وحدت کے بدون کثرت انتظام نہیں پاسکتی اور اسی سے ہم کو خدا کی وحدانیت کا قائل ہونا پڑتا ہی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہی۔ دوسری بات جو حکامِ انگریزی کے انتظام میں دیکھی جاتی ہی یہ ہی کہ یوں تو ہر حاکم کے ہاتھ تلے سررشتہ دار یا اہلکار پیشی ہوتا ہی اور وہی احکام وغیرہ لکھتا پڑھتا ہی مگر کمشنر تک لکھا پڑھی حاکم کے نام سے ہوتی ہی۔ کمشنر سے اونچے درجے کے حکام کی خط و کتابت اُن کے علوِ مرتبہ کے لحاظ سے اُن کا سکرٹری اپنے نام سے کرتا ہی جس کو عوام جو انگریزی نہیں جانتے سکتر کہتے ہیں۔ سکتر بھی اپنے افسر کے ہاتھ تلے کا سررشتہ دار ہی گو وہ اپنے نام سے خط و کتابت کرے مگر حقیقت میں وہ خط و کتابت اُس کے افسر کی ہی جس کا وہ سکتر ہی۔ چونکہ سکتر اپنے افسر کا مزاج شناس ہوتا ہی کبھی وہ چھوٹی اور معمولی باتوں میں بے پوچھے بھی حکم جاری کرتا ہی اور اُس کا وہ حکم افسر کے حکم کی طرح واجب التعمیل ہوتا ہی۔ ہم تو دنیا ہی کی باتوں سے دین کی باتوں کا پتہ لگا لیتے ہیں تو ہم نے خدا اور رسول میں ویسا ہی تعلق سمجھا ہی جیسا مثلاً وایسرائے اور اُس کے سکتر میں ہوا کرتا ہی اور یوں قرآن اور حدیث دونوں چیزیں اپنے اپنے ٹھکانے سے بیٹھ گئیں تھم گئے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اُس کے (پیدا کرنے کے) لیئے (سب کے سب) اکٹھے (ہی کیوں نہ) ہو جائیں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین لے جائے تو اُس کو اُس سے چھڑا نہیں سکتے (کیسے) بودے ہو (بت) جو (مکھی کے) پیچھے پڑیں (اور اُس کو نہ پکڑ سکیں) اور کیسی بودی وہ (بیچاری مکھی) جس کا پیچھا کیا جائے (اور پھر بھی ہاتھ نہ آئے) ۱۲

اِس بات سے سمجھ لیا ہوگا کہ رسول کا ادب متفرع ہی خدا کے ادب پر یعنی رسول کا ادب عین خدا کا ادب ہی مگر خدا کا ادب اِظہارِ عبودیّت سے ہوتا ہی اور رسول کا اُن کے حکم کی بجا آوری سے - پھر حکم کبھی امر و نہی کے صاف لفظوں میں ہوتا ہی - کبھی حکم پر چلنے والوں کی مدح اور سرتابی کرنے والوں کی مذمّت کے پیرائے میں کبھی اُمَمِ ماضیہ میں سے کسی اُمت کا حال بیان کیا جاتا ہی کہ اُن کو ایک حکم دیا گیا اُنھوں نے نہ مانا اُن پر عذاب نازل ہوا کبھی وعدۂ اجر اور وعیدِ عذاب سے اظہارِ امر و نہی کیا جاتا ہی اور حکم کی ایک شان یہ بھی ہی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تقرّبِ رسالت کی وجہ سے خدا کے اداشناس اور مزاج داں اور دوسرے بندوں کی طرح مامور بھی تھے اُن کا قول و فعل بھی خدا ہی کا حکم سمجھا جائے گا گو قرآن میں اُس امرِ خاص کی صراحتہ نہ ہو - مثلاً خدا نے مطلق زکوٰۃ کا حکم دیا انصاب کی تعیین اور مقدارِ زکوٰۃ اور حولِ کامل کا گزرنا یہ باتیں ہم کو رسولِ خدا کے عمل سے معلوم ہوئیں اور یہی حال ہی ارکانِ نماز اور ارکانِ حج کا - اِس اعتبار سے حدیث کو قرآن کا ضمیمہ اور تتمہ ماننا ہوگا - اب پھر دنیا کی چیزوں میں سے مثال ڈھونڈھنی پڑی وہ یہ کہ انگریزوں کے انتظامِ مُلکداری میں مثلاً فوجداری کا ایک قانون ہی جس کا نام ہی "مجموعۂ قوانین تعزیراتِ ہند" اِس قانون میں ہر ایک جُرم کی تعریف ہی - اور اُس کی انتہائی سزا - لیکن اتنے سے کام نہیں چل سکتا تو اجرائے کار کے لیے ضابطۂ فوجداری بنانا پڑا - اور تعزیراتِ ہند اور ضابطہ دونوں مل کر فوجداری کا مکمّل قانون بن گیا پس جو نسبت ضابطۂ فوجداری کو تعزیراتِ ہند سے ہی وہی نسبت حدیث کو قرآن سے ہی - اِس کو اچھی طرح سمجھ لو کسی نے یوں ہنڈی کی چندی کر کے نہ سمجھایا ہوگا - قاعدہ ہی کہ جب کوئی نئی کمپنی نئی سوسائٹی نئی کمیٹی کھڑی کی جاتی ہی تو اُس کے ممبر بڑے جوشیلے ہوا کرتے ہیں اور اگر جوشیلے نہ ہوں تو وہ کمپنی پانی کے بُلبلے کی طرح زیادہ ٹھیر نہیں سکتی یہی حال شروع کے مسلمانوں کا تھا یہ اُسی جوش کا نتیجہ تھا کہ گویا چٹکی بجاتے میں اِسلامی سلطنت قائم ہوگئی اور قائم بھی ہوئی تو ایسی مضبوطی کے ساتھ کہ چودہ سو برس گزرے ابھی تک جا بجا "آثار پدید ست صنادیدِ عرب را" چونکہ جناب رسالت مآب کو خدا نے عقلِ صائب اور رسا اور آخر بین عطا فرمائی تھی اور وہ سنّت اللہ کو خوب سمجھے ہوئے تھے - اِسی لیئے وہ عین ترقی کے زمانے میں اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کی پیشین گوئی فرماتے تھے - بہرکیف شروع کے مسلمانوں کے جیسے جوش بڑھے ہوئے تھے ویسے ہی وہ بڑی سختی سے پابندِ مذہب بھی تھے - وہ سُنَن کو فرائض سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور مباحات کو منہیات سے بڑھ کر - جناب رسالت مآب کے ساتھ اُن کی ارادہ اور عقیدت اور محبت عشق کے درجے تک پونہچ گئی تھی - یہ عشق نہ تھا تو کیا تھا کہ پیغمبر صاحب کے وضو کے پانی کو تبرّکاً مونہوں پر ملتے تھے اور زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے - پیغمبر صاحب سو رہے ہیں اور پسینہ بدن سے سونت کر شیشی میں بھر لیا - اور عطر کی جگہ کام میں لائے - جیتے اِسی لیئے تھے کہ موقع ملے تو اپنی جان راہِ خدا میں قربان کردیں - دنیا کی کوئی چیز اُنھیں پیغمبر صاحب سے زیادہ عزیز نہ تھی - خدا تو نہیں مگر ہاں خدا کے بعد اُن کے لیئے باپ آقا اُستاد جو کچھ کہو پیغمبر صاحب تھے - پیروی کا یہ حال تھا کہ چال ڈھال رفتار گفتار نشست برخاست کل باتوں میں پیغمبر صاحب کی تقلید مدّنظر

ف۱ اِسلام شروع میں بھی مسافرانہ حالت میں رہا اور عنقریب مسافرانہ حالۃ ہی کی طرف عود کرے گا ۱۲

رکھتے تھے۔ اُن کا بڑا مشغلہ یہ تھا کہ بیٹھے پیغمبر صاحب کی صورت دیکھا اور اُن کی باتیں سُنا کریں وہ پیغمبر صاحب کو نہ صرف دین کا ہادی سمجھتے تھے بلکہ اُمورِ خانگی اور ذاتی معاملات میں بھی پیغمبر صاحب کی صلاح پر کاربند ہوتے تھے۔ اور پیغمبر صاحب بھی کہ "دلہارا بدلہارا باشد" اِن کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے تھے کہ اِن کی اصلاح اور تعلیم اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے تھے۔ پیغمبر صاحب نے اپنا کام ایسے لوگوں میں جاری کیا جن کو بھلمنساہت چھو نہیں گئی تھی اور وہ انسانیت کے درجے سے گر کر درندوں اور وحشی جانوروں کی طرح ہو گئے تھے۔ ایسے لوگوں کو زیادہ نہیں پچیس ۲۵ تیس ۳۰ برس کی تعلیم میں تہذیب اور شایستگی کے اعلےٰ مرتبے پر پہنچا دینا ہم تو اس کو پیغمبر صاحب کا بڑے سے بڑا معجزہ سمجھتے ہیں۔ تو یہ کیونکر ہوا کہ پیغمبر صاحب اپنے اصحاب کی ہر ایک بات پر نظر رکھتے۔ اور ہمہ وقت اُن کو سکھاتے سمجھاتے رہتے تھے۔ زبانی اِفہام و تفہیم کے علاوہ بڑا مؤثر سبق خود جناب رسالت مآب کا اپنا نمونہ تھا لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ [۹۱] جب جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم خدمتِ رسالت کو باحسن الوجوہ انجام دے چکے اور خدا کی طرف سے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [۹۲] اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا [۹۳] کے ذریعے سے اختتامِ رسالت کا اعلان کر دیا گیا تو جناب رسولِ خدا دنیا سے رخصت ہو کر رفیقِ اعلیٰ میں جا ملے۔ گو بظاہر پیغمبر صاحب دُنیا سے اُٹھ گئے مگر جو مُناوی وہ کر گئے تھے بدستور اکنافِ عالم میں بڑی گونجا کی اور قیامت تک سُننے والوں کے لیئے بڑی گونجا کرے گی۔ جس شخص نے وہ صحبتیں نہیں دیکھیں وہ اُس مصیبت و رنج کے پہاڑ کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا جو پیغمبر صاحب کی وفات سے اہلِ بیت اور اصحاب پر ٹوٹ پڑا تھا۔ لکھنے پڑھنے کا چرچا نہ ہونے کی وجہ سے لوگ صرف یادداشت پر اعتماد کرتے تھے اور اسی لیئے اُن کے حافظے بھی قوی ہوتے تھے۔ پیغمبر صاحب کے اِنتقال کے بعد جا بجا اُن کے وقت کی باتوں کے تذکرے ہونے لگے جو آخر کار فنِ حدیث کی جڑ بُنیاد قرار پائے۔ حدیث بیش برین نیست کہ ایک خاص قسم کی تاریخ ہی۔ جس میں زبانی روایتوں سے تتبّع کر کے پیغمبر صاحب کے حالات اور مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں اگرچہ پیغمبر صاحب کے انتقال سے اِسلام کا شیرازہ بکھرنے کو ہو گیا تھا۔ مگر اُنھوں نے اپنے فدائیوں میں ایسی رُوح نہیں پھونکی تھی کہ وہ ہمت ہار بیٹھتے۔ اُن کے کان وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ [۹۴] قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ

---

[۹۱] مسلمانو تمھارے لیئے (پیروی کرنے کو) رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ تھا ۱۲ [۹۲] اب ہم تمہارے دین کو تمھارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمھارے لیئے (اسی دین) اسلام کو پسند کیا ۱۲ [۹۳] (اے پیغمبر) جب کہ خدا کی مدد آ پہنچی اور (مکہ) فتح (ہو گیا) اور تم نے لوگوں کو (بچشمِ خود) دیکھ لیا کہ دینِ خدا (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ (اُس کی) تسبیح (و تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اُس سے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہی ۱۲ [۹۴] اور محمد اس سے بڑھ کر اور کیا ہیں کہ ایک رسول ہیں اور بس اِن سے پہلے (اَور) بھی رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (محمد اپنی موت سے) مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اُلٹے پیروں (کفر کی) طرف پھر لوٹ جاؤ گے اور جو اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور جو لوگ (اسلام کی نعمت کا)

أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ کی آوازے پڑے بج رہے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے عمارتِ اسلام کو جسے پیغمبر صاحب اَدھورا چھوڑ گئے تھے اُن ہی کے نقشے کے مطابق بڑی سرگرمی کے ساتھ تکمیل کو پہونچایا۔ سچ پوچھو تو اسلامی سلطنت تو پیغمبر صاحب کی حیاتِ بابرکات ہی میں قائم ہوگئی تھی۔ مگر وہ چھوٹے پیمانے کی سلطنت تھی اور مسلمانوں کے تعلقات جزیرۂ عرب میں محدود تھے۔ خلفا کے وقت میں سلطنت نے ایسے پاؤں پھیلائے کہ مسلمانوں نے اِن وقتوں کی دو بڑی زبردست سلطنتیں رُوم و فارس فتح کرلیں۔ سلطنت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے تعلقات وسیع ہوتے گئے اور اُن کو وہ سب کام کرنے پڑے جو ایک جلیل القدر شہنشاہ کو کرنے پڑتے ہیں۔ فصلِ خصومات۔ حفظِ امن۔ تحصیلِ خراج۔ حمایتِ ثغور۔ تجہیزِ جیوش وغیرہ وغیرہ۔ مُلک گیری شاید چنداں مشکل نہیں مگر ملکداری بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ فتح کرنے کو تو مولانا اسمٰعیل شہید باوجودیکہ فنونِ حرب سے پورے واقف نہ تھے اور انگریزی رعایا میں سے احاد من الرعایا وہ بھی تھے اور کچھ ایسے بڑے مقتدر بھی نہ تھے اُلٹے کابل کی طرف سے سکھوں پر چڑھ دوڑے اور اُنھوں نے کچھ علاقہ سکھوں سے لے بھی لیا۔ مگر اُس کو سنبھال نہ سکے نتیجہ یہ ہوا اور ہونا ہی تھا کہ وہ اور اُن کے اعوان و انصار میں سے ایک بھی لَوٹ کر نہ آیا۔ خود مُلک داری میں کئی طرح کے کام ہیں از انجملہ وضعِ قانون۔ ہم انگریزوں کو دیکھتے ہیں کہ دس دس پندرہ پندرہ بڈھے خرانٹ بوجھ بجھکڑ جہاندیدہ۔ تجربہ کار انگریز اور اب تو چیدہ چیدہ ہندوستانی بھی اِن میں شامل ہونے لگے ہیں برسوں ایک قانون میں غور کرتے ہیں۔ قانون کا مسوّدہ مشتہر کیا جاتا ہے۔ انگریزی اُردو اخباروں میں اُس پر اعتراض ہوتے ہیں کونسل کے ممبر صبر و سکون کے ساتھ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتے ہیں۔ مباحثے ہوتے ہیں۔ اِتنی احتیاط کے بعد قانون جاری کیا جاتا ہے۔ مگر جاری ہوتے دیر نہیں ہوئی کہ اُس کی اِصلاح و ترمیم ہونے لگتی ہے۔ اور کبھی قانون کو بتمامہ منسوخ کرنا پڑتا ہے اُن مسلمانوں کو کیسی مشکلیں پیش آئی ہوں گی جنھوں نے اوّل اوّل قانون کے لکھنے پر قلم اُٹھایا ہوگا مگر ہاں اُن کو اتنی آسانی بھی تھی کہ قرآن جمع ہو چکا تھا۔ اور اُس میں اصول تو سب تھے اور کسی قدر فروع بھی۔ ابہام تھا تو عمل در آمد کا سو عمل در آمد کی توضیح اور تفصیل تھی حدیث اور لوگوں نے وقتی ضرورت دیکھ کر حدیثیں جمع کرنی شروع بھی کردی تھیں۔ مسلمانوں کو حدیث سے دین و دنیا میں بڑی مدد ملی ہے۔ دین میں تو حدیث نے قرآنی احکام کی توضیح کی اور دنیا میں مُلک گیری اور مُلک داری کے ضوابط کی۔ حدیث ایک ایسی بکار آمد چیز ہے کہ اُس پر مسلمان جس قدر فخر کریں بجا ہے۔ اقوامِ روئے زمین میں مسلمانوں کے سوا کسی قوم کے پاس اِس کا جواب نہیں اور پھر ایک بڑی بات یہ ہے کہ لوگوں نے جو فنِ تاریخ میں کتابیں لکھی ہیں وہ کسی طرح حدیث کی صداقت کو نہیں پا سکتیں۔ اِس لیے کہ مسلمانوں نے حدیث کو عبادت سمجھ کر جمع کیا ہے اور اُس کے جمع کرنے میں اِس قدر کاہش اور کاوش اور احتیاط کی کہ کبھی کہیں کی کوئی تاریخ ایسی کاہش اور کاوش اور احتیاط کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔ لیکن از بسکہ حدیث کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۰) شکر کرتے ہیں اُن کو خدا عنقریب جزائے (خیر) دے گا ۱۲

جمع کرنے میں زبانی روایتوں سے ایک بات کا پتہ لگانا تھا حدیث کی معتبر سے معتبر کتاب بھی اختلاف سے محفوظ نہ رہ سکی اور محفوظ رہ بھی نہیں سکتی تھی دشمن جو چاہیں سو کہیں ہم تو اختلافِ احادیث کو جامع احادیث کی کاوش کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

حدیثیں جمع تو کی گئی تھیں مسلمانوں کے فائدے کے لیئے اور مسلمانوں کو اُن سے عظیم فائدہ پہونچا بھی اختلافات کی وجہ سے جن کا دُور کرنا امکان میں نہ تھا مسلمانوں میں پھوٹ بھی ایسی پڑی کہ یہ رخنہ قیامت تک بند ہوتا نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے طریقہ تو ٹھیک اختیار کیا تھا کہ دین یا دنیا کا جو معاملہ پیش آتا پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن میں حکم نہ پاتے تو حدیث کی طرف۔ حدیث بھی اُن کو رستہ نہ بتاتی تو قرآن وحدیث میں مقیس علیہ کی جستجو کرتے۔ مقیس علیہ کی جستجو میں دوسرا اختلاف پیدا ہوا اس لیئے کہ لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ احادیث کے اختلاف کا رفع کرنا حقیقت میں پہلے بھی ممکن نہ تھا اور اب بھی ممکن نہیں اس لیئے کہ سب سے پہلے پیغمبر صاحب کے عہد کے ڈیڑھ سو برس بعد احادیث کا جمع کرنا شروع ہوا جبکہ راویوں کی تین تین چار چار پشتیں فنا ہو چکی تھیں اتنی مدت بعد زبانی باتوں کا پتہ لگانا اگر عبادت کے خیال سے نہ ہوتا تو محال تھا۔ اب مُرورِ زمانہ کی وجہ سے زیادہ تر محال ہو گیا ہی۔ اختلاف تو جو کچھ ہونا تھا ہوا۔ اور ہونا ہی تھا۔ مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ ہست ونیست تک کے اختلاف کو بھی توسیع پر محمول کرتے جس نے چاہا ہست پر عمل کیا جس نے چاہا نیست کو معمول بہ ٹھیرایا خرابی یہ آکر پڑی کہ ذرے ذرے سے اختلاف میں فریق بنتے گئے اور فریقوں میں مذہبی مغایرت قائم ہوئی اور وہ بڑھتے بڑھتے باہمی میل جول اور تعامل میں داخل ہو گئی۔ سیکڑوں برس کے تجربے نے ثابت کر دکھایا ہی کہ باوجود احادیث اور قیاس واجتہاد کے اختلافات کے بھی اسلامی قانون کہ شرع اور شریعت عبارۃ اسی سے ہی دُنیا میں اَمن کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیئے بخوبی کافی ہی کہ یہی خلاصہ اور لُبِّ لُباب ہی دینِ اسلام کا بشرطیکہ طبیعتوں میں سازگاری کی طرف رجحان ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

## آداب

آداب جمع ہی ادب کی۔ ادب کا سب سے بہتر ترجمہ جس سے ادب کے ٹھیک مفہوم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے پاس اور لحاظ ہی جس کا ادب کیا جاتا ہی اُس کے تعلق سے ادب حق ہی اور ادب کرنے والے کے تعلق سے فرض۔ آدمی اپنے سے برتر کا ادب کرتا ہی تو برتری کئی طرح کی ہوتی ہی۔ برتری رشتے اور قرابت کی۔ برتری عمر کی۔ برتری علم و ہنر کی۔ برتری اُستادی اور تعلیم وارشاد کی۔ برتری حکومت کی۔ برتری دولت کی۔ برتری احسان کی۔ برتری دین داری کی اور سب سے بڑھ کر برتری رسالت کی کہ پیغمبر بہت سی برتریوں کا جامع ہوتا ہی۔ پیغمبر صاحب کے ادب کی حد معلوم کرنا چاہو تو ع "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" سے معلوم کر سکتے ہو۔ ادب کے طریقے خود خدا تعالےٰ نے قرآن میں بتا دیئے ہیں اور وہ آیتیں عنوان آداب کے ذیل میں جمع کر دی گئی ہیں ایک سجدہ تو خدا کے سوا کسی کے لیئے

جائز نہیں باقی ہر طرح کا ادب ہر طرح کی تعظیم و توقیر سب سے بڑھ کر پیغمبر صاحب کا حق ہی بس اتنی احتیاط رہے کہ وہ ادب عبادت کی حد تک نہ پونہچنے پائے جن کو مرقدِ مبارک کی زیارت نصیب ہو اُن کو اس بات کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے پیغمبر صاحب کے ادب کے اکثر مواقع تو اُن کی وفات اور وہ وقت گئے گزرے ہونے کی وجہ سے فوت ہو گئے پیغمبر صاحب موجود نہیں کہ وہ بلائیں اور ہم سر کے بل دوڑے جائیں۔ وہ ارشاد فرمائیں اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر سُنتے رہیں۔ اُن کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہو تو دھیمی آواز سے عرض کریں۔ پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات زندہ نہیں کہ ہم اُنھیں ما سمجھیں اور اپنی ماؤں سے بڑھ کر اُن کا ادب کریں۔ اب تو یہی ادب ہمارے نصیبوں میں ہی کہ پیغمبر صاحب کی عظمت دل میں ہو اُن کی دلسوزی نصب العین اُن پر درود و سلام بھیجتے رہیں اُن کے ارشادات کی تعمیل میں سعادتِ دارین سمجھیں۔ ایسا تو کوئی بدبخت مسلمان نہ ہوگا کہ پیغمبر صاحب کا ادب اُس کو ملحوظ نہ ہو۔ اگر پیغمبر صاحب کے ادب کے متعلق مسلمانوں سے غلطی ہوتی ہی تو وہ افراطِ ادب ہی کہ پیغمبر صاحب کو خدا اور ادب کو عبادت بنا دیتے ہیں۔ جو شرکِ جلی ہی ایک شاعر کہتا ہی۔

احمد کو ہم نے جان رکھا ہی وہی احد    مذہب کچھ اور ہوگا کسی بوالفضول کا

اور غضب یہ ہی کہ انا احمد بلا میم والعرب بلا عین ایسے ایسے جھوٹے اور غلط دعوے پیغمبر صاحب کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں سُبحانَکَ ھٰذا بُھتانٌ عَظِیمٌ[۵۱] بلکہ پیغمبر صاحب تو ہے اپنی جگہ متصوفوں کے گروہ میں تو بزرگانِ امت کو شریکِ خدائی بنایا جاتا ہی ایسے ہی لوگوں کے حق میں وعید وَمَا یُؤمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ[۵۲] نازل ہی حال آں کہ پیغمبر صاحب اور عشرۂ مبشرہ کے علاوہ ہم کو کسی کی عاقبت کا حال معلوم نہیں ہاں اُذْکُرُوا مَوتَاکُمْ بِالْخَیْرِ[۵۳] کے قاعدے سے ہم سب گزشتگان کے حق میں حُسن ظن رکھتے ہیں بہرکیف توحید کا رستہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہی۔ بڑی احتیاط کے ساتھ قدم رکھنا ہوگا۔

## (اتباعِ سنت)

لُغت کی رُو سے تو سُنت کے معنی مطلق طور و طریق کے ہیں مگر محدثین اِس سے مراد لیتے ہیں طور و طریق جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ اصحاب کا۔ تابعین کا۔ سُنت کی اس تعریف میں اصحاب و تابعین اور طور و طریق تین لفظ تشریح طلب ہیں۔ سو اصحاب جمع ہی صحابی کی۔ اور صحابی وہ ہی جو اسلام لایا اور اُس کو شرفِ صحبتِ پیغمبر بھی حاصل ہوا۔ اور عقیدۂ اسلام ہی پر اُس نے وفات پائی۔ صحبت کے لیئے مدت کی قید نہیں۔ تھوڑی ہو یا بہت جو نسبت صحابی کو ہی پیغمبر صاحب سے وُہی نسبت تابعی کو ہی صحابی سے یعنی تابعی وہ ہی جس کو کسی صحابی کے ساتھ صحبت رہی ہو اسلام کی شرط بدستور۔ پھر طور و طریق سے مراد ہی قول اور فعل۔ اور تقریر۔ تقریر سے گفتگو مراد نہیں بل کہ تقریر یہ ہی کہ کسی کو کچھ کرتے دیکھا یا کہتے سُنا اور خاموش ہو گئے رد و انکار نہ کیا جس سے سمجھا گیا کہ قول یا فعل کو جائز رکھا پس سُنت تو قسم کی ہوئی (۱) پیغمبر صاحب کا قول (۲) پیغمبر صاحب کا فعل (۳) پیغمبر صاحب کا کسی

---

[۵۱] حاشا و کلا یہ تو بڑا (بھاری) بُہتان ہی ۱۲ [۵۲] اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہی کہ خدا کو مانتے ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں ۱۲

[۵۳] اپنے مُردوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو ۱۲

کے قول یا فعل کو جائز رکھنا - اِسی طرح کی تین قسمیں صحابی کے تعلق سے - پھر اسی طرح کی تین قسمیں تابعی کے تعلق سے یہ سب نو ہوئیں - خود پیغمبر صاحب کی سُنّت کی پیروی کے لیئے تو قرآن ناطق ہے [۵۱] قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ صحابہ کے حق میں پیغمبر صاحب فرماتے ہیں - [۵۲] اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ - رہے تابعی ہم اُن کی پیروی حدیث [۵۳] خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ سے استنباط کرتے ہیں کہ خیر القرون قرنی عہد صحابہ کو بتا رہا ہے پہلا الذین یلونھم تابعین کو اور دوسرا الذین یلونھم تبع تابعین کو بہر کیف ہم کو قرآن کے علاوہ خدا کے حکم سے پیغمبر صاحب کی اور پیغمبر صاحب کے حکم سے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی پیروی کرنی ہے اور پیروی بھی کرنی ہے تو اُن کے فعل کی قول کی تقریر کی - جس کے معنی ہم اُوپر لکھ چکے ہیں اور چونکہ قول اور فعل اور تقریر میں کسی قسم کی تصریح اور تخصیص اور تعیین نہیں بلکہ قرآن میں اتبعونی اور حدیث میں اقتدیتم دونوں لفظ عام ہیں تو اس پیروی کا مطلب یہ ٹھیرا کہ ہم ایسے سخت شکنجے میں کسے ہوئے ہیں کہ دائرۂ تقلید سے پاؤں باہر نہیں رکھ سکتے یا یوں کہو کہ ہم کو بالکل اُسی طرح پر زندگی بسر کرنی چاہیئے جس طرح پر اب سے ہزار برس پہلے قرونِ اُولیٰ کے لوگ زندگی بسر کرتے تھے [۵۴] ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ایک طرف تو عام پیروی سے یہ زبون نتیجہ نکلتا ہے اور دوسری طرف [۵۵] مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ - اور [۵۶] قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ سے پایا جاتا ہے کہ دینِ اسلام میں کسی طرح کی تنگی نہیں اور ان دو متضاد باتوں یعنی تنگی اور فراخی دونوں کا ماخذ قرآن - حالانکہ خدائے تعالیٰ جلّ شانہ نے قرآن کے کتابِ آسمانی ہونے کے جہاں اَور بہت سے دلائل قرآن میں بیان فرمائے ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ [۵۷] وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا یعنی قرآن کی تعلیم میں اختلاف کا نہ ہونا اُس کے منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے - پس ضرور ہوا کہ اِس تنگی اور فراخی کے اختلاف اور اختلاف بھی نہیں تناقض اور تضاد کو رفع کیا جائے تو ہم نے رفعِ اختلاف کا پتہ یوں لگایا کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم مشرکینِ مکہ کی ایذا دہی کی وجہ سے ہجرت فرما کر نئے نئے مدینے تشریف لائے تو یہاں بھی وہی اسلام کی اشاعت اور لوگوں کے مشرکانہ اور فاسد عقائد کی اصلاح اِن کا رات دن کا مشغلہ تھا - مکّے میں تو زراعت فلاحت کا نہ پہلے ہی کہیں نام و نشان تھا نہ اَب ہی یہاں مدینے میں آکر دیکھا

---

[۵۱] (اے پیغمبر - اِن لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ (بھی) تم کو دوست رکھے اور تم کو تمہارے گناہ معاف کردے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے - [۵۲] میرے صحابی ستاروں جیسے ہیں تم اُن میں سے جس کی اقتدا کروگے راہ پاؤگے ۱۲ [۵۳] زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اُن لوگوں کا زمانہ بہتر ہے جو اس عہد کے لوگوں سے نزدیک ہوں گے اور پھر اُن کا جو اُن سے نزدیک ہوں گے ۱۲ [۵۴] صریح گھاٹا یہی کہلاتا ہے ۱۲

[۵۵] (مسلمانو) دین (کے بارے) میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (تمہارے لیئے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا تھا ۱۲

[۵۶] (اے پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو کہ اللہ نے جو زینت کے (سازوسامان) اور کھانے (پینے) کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں اُن کو کس نے حرام کیا ہے ۱۲ [۵۷] اور اگر (قرآن) خدا کے سوا (کسی اَور) کے پاس سے (آیا) ہوتا تو ضرور اُس میں بہت سے اختلاف پاتے ۱۲

کہ کھیتی کے علاوہ نخلستان کی بڑی کثرت ہی یہاں تک کہ کھجوروں ہی پر گویا ان لوگوں کا گزارہ ہی کھاتے بھی ہیں بیچتے بھی ہیں مگر یہ لوگ کھجور کے درختوں میں نر و مادہ کی تفریق کرتے تھے جس طرح ہندوستان میں قلم کا دستور ہی یہ لوگ بار آور ہونے کی غرض سے کھجور کے نر درخت کا گابھا مادہ درختوں میں ملاتے اور اس عمل کو اپنی بولی میں تابیر کہتے تھے - پیغمبر صاحب کو نخلستان کی رکھوالی کا کبھی کاہے کو اتفاق ہوا تھا سمجھے کہ یہ بھی ان لوگوں کے زمانۂ جاہلیۃ کے اوہام میں سے ہوگا تابیر کو منع فرما دیا سارا مدینہ پڑتی پڑ گیا لوگوں نے فریاد کی تو فرمایا اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاُمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ یعنی میں نے اپنے خیال کے مطابق تابیر کو منع کر دیا تھا اگر تابیر شرطِ بار آوری ہی تو کرو دنیا کی باتیں تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو - اس واقعے سے ثابت ہوا کہ اُمورِ دنیا میں پیغمبر صاحب کی پیروی شرطِ دینداری نہیں اور پیغمبر صاحب کی نہیں تو صحابہ اور تابعین اور تبعِ تابعین کی بدرجۂ اَولیٰ نہیں ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہی کہ وہ تنگی اور فراخی کا اختلاف جو سُنّت کی پیروی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا آسانی کے ساتھ رفع ہو گیا مگر نہیں ابھی ایک مشکل درپیش ہی کہ انتم اعلمُ بِاُمُورِ دُنۡیَاکُمۡ نے ہم کو پیروئ سنّت کی قید سے تو نجات دی مگر امورِ دنیا اور امورِ دین کو........ ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دکھایا تاکہ جب کبھی کوئی معاملہ پیش آئے ہم سمجھ سکیں کہ یہ امورِ دنیا میں ہی اور اس میں سنت کی پیروی ضرور نہیں - ورنہ ہم تو دُنیا کو جوہر اور دین کو عرض سمجھے ہوئے ہیں کہ دنیا میں شرعی شان کے ساتھ زندگی کرنے کا نام ہی دین - دنیا کو دین سے کیسے الگ سمجھ لیں - جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے اکثر اوامر و نواہی دنیا سے متعلق ہیں مثلاً جھوٹ نہ بولو - چوری نہ کرو - مال و دولت کو فضول نہ اڑاؤ - یہ سب احکامِ دین ہیں اور پھر ہیں دنیا ہی کی باتیں - پس انتم اعلم بامور دنیاکم میں اُمورِ دنیا سے خاص خاص باتیں مراد ہونی چاہئیں کہ اتباعِ سنّت بھی فوت نہ ہو اور اسلامی آزادی و سہولت بھی باقی رہی - ہم نے تو دین کی کتابوں سے یہ بات استنباط کی ہی کہ قرآن اسلام کا مکمل دستور العمل ہی اور اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا اس کے مکمل ہونے کا گواہ - مسلمانوں کو جو کچھ بھی دنیا اور آخرت کے لیئے اس زندگی میں کرنا ہی قرآن میں اس کی بابت ہدایت موجود ہی تو جہاں تک سنت سے احکامِ قرآن کی توضیح و تفسیر ہوتی ہو - یا سنت قرآن کے کسی حکم کا طریقِ عمل بتاتی ہو یا سُنّت کا کوئی مسئلہ قرآن کی کسی اصل پر متفرع ہوتا ہو وہاں تک تو سنت کی پیروی ضرور ہی اس کے علاوہ جو کچھ بھی سنت ہی قرآن کے اتبعونی اور حدیث کے اقتدیتم سے خارج مگر تاریخی حیثیت سے قابل قدر -

**جھوٹ بات کو آپ کی طرف نسبت کرنے کی ممانعت** جن چیزوں کے سمجھنے فہمِ انسان قاصر ہی اور ایسی بہت چیزیں ہیں اور اُن میں سے ایک نبوۃ بھی ہی ایک شاعر نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا خوب کہا ہی ؎

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل ۔ خواص اس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدّد کا

دنیا کا حال تو یہ ہی کہ ایک ادنیٰ رعیت ایک بادشاہ جلیل القدر کے ساتھ ہم کلام ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا حالانکہ رعیت

اور بادشاہ کچھ بھی ہوں پھر بھی ہم جنس اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ذرے کو آفتاب سے۔ قطرے کو سمندر سے۔ چیونٹی کو ہاتھی سے یا خلقاً مما یکبر فی صدور کم سے پھر بھی ایک طرح کی نسبت ہی اور نہیں ہی تو آدمی کو خدا سے آدمی آدمی ہی ہی اور خدا خدا ہی ہی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کس طرح ایک بشر سے بلاواسطہ یا بواسطہ ہم کلام ہوتا ہی۔ غرض نبوت ایک مشکل معما ہی جس کا حل کرنا مقدور بشر نہیں باایں ہمہ ہم نبوۃ سے انکار بھی نہیں کر سکتے اُس کے لیئے بہت سے دلائل ہیں ناممکن التردید پس پیغمبر کے بارے میں جادۂ اعتدال پر قائم رہنا ہی ذرا ٹیڑھی کھیر۔ ہم ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ لوگ نبوت کے بارے میں کس کس طرح طریقِ مستقیم سے انحراف کرتے ہیں۔ دو شخص دونوں مسلمان اور دونوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے بلکہ ایک دوسرے کے رشتہ دار بھی ایک ساتھ حج کو روانہ ہوئے ایک تھا متشرع غیر مقلد دوسرا کٹا مقلد۔ کسی طرح جدہ پونہچنے میں دیر ہو گئی۔ جدے پونہچ کر دونوں رفیق ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ غیر مقلد سیدھا مکے پونہچا۔ اور اُس نے ارکانِ حج اوقات مقررہ پر پورے پورے ادا کیئے۔ مقلد نے جدے اُتر کر اُدھر مدینے کی راہ لی۔ غیر مقلد نے کہا بھی کہ وقت تنگ ہی مدینے ہو کر حج میں شامل نہ ہو سکو گے مقلد نے اس کی مطلق پروا نہ کی حج تو فوت ہو گیا مگر پیغمبر صاحب کے مزارِ مبارک کی زیارت بافراغت نصیب ہوئی۔ اُدھر غیر مقلد مدینے نہ جا سکا۔ لوٹتیوں کو پھر دونوں جدے میں جمع ہوئے تو جس طرح غیر مقلد کو زیارتِ مدینہ سے محروم رہنے کا افسوس نہ تھا۔ مقلد کو حج نہ کرنے کا کچھ ملال نہ تھا۔ یہ ہی وہ افراط و تفریط جس سے ہم مسلمانوں کو آگاہ کیئے دیتے ہیں۔ قرآن اور حدیث میں کہیں تو پیغمبر صاحب کی حالتِ بشری کا بیان ہی تو وہاں عجز اور مسکنت ہی اور کہیں اُن کے تقربِ الٰہی کا تو وہاں محبوبیت ہی فوق البشریت اور اسی لیئے ہم نے ابو ہریرہؓ اور انسؓ کی دو حدیثیں پیغمبر صاحب کی فضیلت کے متعلق باب میں داخل کر دی ہیں۔

## سب رسولوں پر یکساں ایمان لانا

رسولوں پر ایمان لانے کو خدا کا حق سمجھ کر ہم پہلے حصے میں انبیاء علیہم السلام کی نسبت کچھ لکھ آئے ہیں۔ اس بیان کو اُس کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ مزید آگہی کے لیئے ذیل میں اُن پیغمبروں کی فہرست دی جاتی ہی جن کا مذکور بتصریح تمام قرآن میں ہی۔ ان کے علاوہ خدا جانے اور کتنے پیغمبر آئے اور آئے تو کیا حکم خاص یعنی شریعت لے کر کس وقت کن لوگوں کی طرف۔ بات یہ ہی کہ بنی آدم کی حالت کو ثبات نہیں کہ شروع سے تمام روئے زمین کے آدمیوں کی ایک ہی حالت چلی آئی ہو تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ آب و ہوا اور وقتی اور مقامی خصوصیتوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی حالتیں بھی مختلف ہوتی رہی ہیں کسی جگہ ایک زمانے میں لڑائی بھڑائی کے چرچے رہے ہیں تو دوسرے وقت شعر شاعری کے۔ بعض لوگ شاندار عمارتوں کے دلدادہ رہے ہیں کتنے حسن پرستی کے چوری رہزنی ڈکیتی کم تولنا۔ کم ماپنا۔ ابھی تک بھی دُنیا ان جرائم سے پاک نہیں۔ غرض حضرت آدمؑ کی اولاد ایسی بے چین اور چلبلی اولاد ہی کہ ان کا کوئی وقت فساد سے محفوظ نہیں رہا ہی ایسی ہی بداعمالیوں کی روک تھام کے لیئے لوگوں کی مناسب حالت خدا وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو بھیجتا رہا ہی۔ آدمی جسم و روح دو چیزوں سے مرکب ہی تو اس کے امراض اور علاج بھی دو طرح کے ہیں۔ طب کی کتابیں امراضِ جسمانی کا علاج کرتی ہیں اور مذہبی کتابیں امراضِ روحانی کا۔ جالینوس طبیب الابدان ہی۔ تو پیغمبر طبیب الارواح۔ بید اور طبیب یونانی۔ اور ڈاکٹر کا طرزِ علاج گو مختلف ہو مگر مقصودِ علاج سب کا متحد ہی۔ اصلاحِ بدن۔ یہی وجہ ہی کہ ہم کو خدا نے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

تعلیم فرمایا اور یہی وجہ ہی کہ ہم برابر کے درجے میں تمام پیغمبرانِ خدا کی تعظیم کرتے ہیں۔ اِس سے کہ اسلامی شریعت تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہی پچھلے پیغمبروں کی کسی طرح کی توہین لازم نہیں آتی جیسے اس سے کہ ہم اِس وقت ایڈورڈ ہفتم کی رعایا ہیں شاہانِ سلف کی۔ انبیاءِ سابقین علیہم السلام کی تعظیم کا مسئلہ بھی نازک اور احتیاط طلب مسئلہ ہی۔ انبیاءِ سابقین کی اُمّتوں نے بعض کے ادب میں افراط کی کہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا بنایا تو ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اُن کے ادب میں تفریط کرتے ہیں جو لانفرق بین احد من رسلہ کے صریح خلاف ہی۔ پادریوں نے عہدِ عتیق اور عہدِ جدید یعنی توریت اور صحفِ سماوی اور انجیل کی اشاعت میں اتنا مبالغہ کیا کہ ہر ملک و ہر زبان میں لاکھوں کروڑوں کتابیں چھپوا چھپوا کر مفت تقسیم کرتے پھرتے ہیں بے شک ہم مسلمانوں کے نزدیک یہ کتابیں منسوخ العمل ہیں اور کہیں کہیں یہودی اور عیسائی اِن میں تحریفِ معنوی بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی خدائے پاک کا کلام پاک ہی اور اُس کا ادب واجب۔ مگر مسلمان اِن کتابوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں کہ عطار اِن کے اوراق سے پُڑیاں بناتے یا شب برات میں لوگ اِن کو پٹاخوں کے کام میں لاتے یا دوسری طرح پر ان کی بے توقیری کرتے ہیں یہ طریقِ عمل سخت بیہودہ اور موجبِ معصیت ہی۔ اِن کتابوں کی توہین عین انبیاء علیہم السلام کی توہین ہی اور انبیاء کی توہین عین خدا کی [۱] اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَسَائِرَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْہَا فَاِنَّہُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ جس طرح تبرائی شیعوں کی ضد میں گروہ خوارج کھڑا ہوا اسی طرح عیسائیوں کی ضد میں جو مسیح علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں کچھ متعصب اور غالی مسلمان کھڑے ہو گئے ہیں جو ولادتِ مسیح علیہ السلام کو گوبر کے کیڑے کی ولادت سے تشبیہ دیتے ہیں اور عیسائیوں کی دعاءِ طلبِ رزق کو انکر الاصوات لصوت الحمیر سے۔ اگر لوگوں نے افراط فی الادب کر کے مسیح علیہ السلام کو خدا بنایا تو اس میں مسیح علیہ السلام کا کیا قصور ہی [۲] وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰہَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ مَا قُلْتُ لَہُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ مناظرہ جب

---

[۱] خدا ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس بیہودگی سے محفوظ رکھے (اے پیغمبر) یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم (حقیقت میں) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں [۲] اور (قیامت کے دن یہ معاملہ بھی پیش آئے گا کہ) اُس دن اللہ (عیسٰی سے) پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھکو اور میری والدہ کو (بھی) دو خدا مانو (عیسیٰ) عرض کریں گے کہ اے پروردگار تیری ذات پاک ہی مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ (میں تیری شان میں) ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھکو کوئی حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو میرا کہنا تجھکو ضرور ہی معلوم ہوا ہوگا کیوں کہ تُو (تو میرے دل (تک) کی بات جانتا ہی اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا غیب کی باتیں تو تُو ہی خوب جانتا ہی تُو نے جو مجھکو حکم دیا تھا بس ہی میں نے اِن لوگوں کو کہہ سنایا تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہی اُسی کی عبادت کرو اور جب تک میں اِن لوگوں میں (موجود) رہا میں اِن کا نگرانِ (حال) رہا پھر جب تُو نے مجھکو (دنیا سے) اُٹھا لیا تو تُو ہی اِن کا نگہبان تھا اور تُو تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہی ۱۲

حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ مجادلہ کہلاتا ہے۔ اِن وقتوں کے مسلمانوں کو جو نیک صلاح دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی غیر مذہب کے ساتھ مناظرے کے پہلو پر نہ آئیں۔ اور اگر بضرورۃ آنا پڑے تو مناظرے کو مجادلے کی حد میں نہ آنے دیں اور لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ کی تعلیم مفید کو پیشِ نظر رکھیں۔ اوّل تو لوگ عموماً دین کی طرف سے غافل ہیں صرف قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کے لالے پڑے ہیں کسی کو کیا پڑی ہے کہ منسوخ کتابوں کا مطالعہ کیا کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص دین کی باتوں میں توغل کرے اور وہ مجتہدانہ پچھلی کتابوں کو دیکھتا پڑھتا رہے تو ہم اُس کو کسی طرح کا الزام نہیں دے سکتے۔ یہ خیال کرنا کہ پچھلی کتابوں کے پڑھنے سے آدمی اِسلام کی طرف سے تشکّی ہو جائے گا۔ واہمہ بے اصل ہے ہم نے تو عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کو بالاستیعاب انگریزی عربی فارسی اُردو چاروں زبانوں میں بار بار پڑھا ہے۔ اور پادری سکلٹن سے انجیل کی تفسیر بھی۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اِن کتابوں کے پڑھنے سے قرآن کی قدر آئی۔ اور جس کو تاریخی مذاق ہے اُس کے حق میں تو پچھلی کتابوں کا دیکھنا ازبس ضرور ہے کہ اِن کتابوں کے مطالعے سے اُس کو قرونِ خالیہ کے لوگوں کی حالتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اُن کی اُفتادِ مزاج اور آلہی تربیت۔

**اقتدا** قرآن کی چند آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا اصلِ دین ایک تھا اور سب اسی اصلِ دین پر متفق تھے اُن میں اگر اختلاف ہوا ہے تو اصلِ دین میں نہیں بلکہ اُس کے طریقوں میں ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اُن پر ایمان لانا اُن کی شریعتوں کو برحق جاننا۔ اُن کی کتابوں کا یقین کرنا۔ اصلِ دین میں اُن کی اقتدا کرنا۔ نفسِ نبوت میں ایک کو اعلےٰ دوسرے کو ادنےٰ ایک کی تعظیم دوسرے کی تنقیص نہ کرنی فرض ہے اور تا وقتیکہ ہم اِن باتوں کی پورے طور پر تعمیل نہ کریں مُسلمان نہیں۔ اِس امر کی تفصیل کہ انبیاء علیہم السلام کا اتّفاق کن کن باتوں میں رہا ہے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب خاتم النبیین محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و رسل ہو گزرے ہیں۔ سب کا اس پر اتّفاق ہے کہ عبادت و استعانت صرف خدا کا حق ہے جو باتیں خدا کی بارگاہِ قدس کے نامناسب ہیں اُن سے وہ پاک اور منزہ ہے۔ بندوں پر خدا کا حق ہے کہ اُس کی انتہا درجے کی تعظیم کریں۔ اپنی جانوں اور روحوں کو خدا کے حوالے کریں۔ شعائر اللہ کے ذریعے سے قربِ خداوندی حاصل کریں اور اس بات کا پکا اعتقاد رکھیں کہ حوادث کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا۔ فرشتے خدا کے بندے ہیں وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اُنھیں جو حکم ملتا ہے اُس کی تعمیل کرتے ہیں اور بڑی سرگرمی سے تعمیل کرتے ہیں۔ خدا اپنے بندوں میں سے جس کو مستحق اور قابل سمجھتا ہے اُس پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ اپنی اطاعت بندوں پر فرض کرتا ہے۔ قیامت کا برپا ہونا مرے پیچھے جی اُٹھنا۔ جنّت و دوزخ کا ہونا سب حق ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس تمام انبیاء علیہم السلام۔ اقسامِ طہارت اور نماز۔ روزہ زکوٰۃ۔ حج۔ نوافل۔ طاعت دعا ذکر۔ کتابِ الٰہی کے تلاوت کرنے ذکر سے خدا کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر متفق ہیں۔ نکاح اور حُرمتِ زنا پر متفق ہیں۔ عدل و انصاف قائم کرنے پر متفق ہیں۔ ہر طرح کے ظلم کو حرام بتانے پر متفق ہیں۔ نافرمانوں پر حدود قائم کرنے میں متفق ہیں۔ یہ باتیں اُمورِ دین کی بیخ و بنیاد ہیں۔ اور اِن پر تمام انبیاء

علیہم السلام کا ہمیشہ سے اتفاق رہا ہی۔ ہاں ان کی صورتوں اور شکلوں میں کچھ کچھ اختلاف ہوا کیا۔ مثلاً شریعتِ موسوی میں نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف مُونہ کرنا پڑتا تھا۔ ہمارے پیغمبر کی شریعت میں کعبے کی طرف مُونہ کرکے نماز پڑھنی ہوتی ہی۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کی حد سنگساری تھی۔ ہماری شریعت میں مُحصِن کے لیے رجم اور غیر مُحصِن کے واسطے تازیانے مقرر ہیں اور اسی پر قیاس کرلو اوقاتِ طاعت اور آدابِ طاعت۔ اور ارکانِ طاعت کو۔ الغرض ہم مسلمانوں کا فرض ہی کہ انبیاء علیہم السلام کے ان چھوٹے چھوٹے اختلافات کو نظرانداز کرکے اصلِ شریعت میں اُن کی پوری پوری اقتدا کریں۔ اور سب کو خدا کے برگزیدہ اور مقبول بندے جانیں اُن میں سے ایک کی فضیلت اور دوسرے کی منقصت کے قائل نہ ہوں۔ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بعض خصوصیات میں تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں اور اس لحاظ سے ہمیں درست ہی کہ اُن کی فضیلت و برتری[5] اوروں پر ثابت کریں مگر اس کو کیا کریں کہ خود پیغمبر صاحب نے ہمیں اس سے منع کردیا ہی۔ امام بخاری نے ایک حدیث بایں مضمون نقل کی ہی کہ ایک یہودی اور ایک صحابی میں کچھ تکرار ہوگئی۔ یہودی حضرت موسیٰ کی برتری

[5] بخاری شریف میں یہ حدیث کئی طُرق سے آئی ہی اور ہر طریق میں دوسرے طریق کی نسبت بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی بھی ہی اسی لیے حضرت مؤلف ادام اللہ ظلالہٗ فضلہ علینا و علی سائر المسلمین نے حدیث کا خلاصۂ مطلب بیان کرنے پر اکتفا کیا اور الفاظ کی پابندی کے لحاظ سے ترجمہ نہیں فرمایا۔ میں اس جگہ اُن طُرق میں سے دو طریقے نقل کرتا ہوں جن سے حدیث کے الفاظ اور ترجمۂ حدیث کی خوبی ناظرین پر واضح ہوجائے گی ۱۲ محمد رحیم بخش عفا اللہ عنہ

پہلا طریق عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ فِىْ قَسَمٍ يُّقْسِمُ بِهٖ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعٰلَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهٗ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَاَلَهٗ مِنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْنِىْ عَلٰى مُوْسٰى فَاِنَّ النَّاسَ يُصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِىْ كَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِىْ اَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ فَقَالَ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔

دوسرا طریق۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا يَهُوْدِيٌّ يَعْرِضُ سِلْعَتَهٗ اُعْطِىَ بِهَا شَيْئًا كَرِهَهٗ فَقَالَ لَا وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْبَشَرِ فَسَمِعَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَامَ فَلَطَمَ وَجْهَهٗ فَقَالَ تَقُوْلُ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْبَشَرِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَذَهَبَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ اِنَّ لِىْ ذِمَّةً وَّعَهْدًا فَمَا بَالُ فُلَانٍ لَطَمَ وَجْهِىْ فَقَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهٗ فَذَكَرَهٗ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رُئِىَ فِىْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَآءِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَيَصْعَقُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَاِذَا مُوْسٰى اٰخِذٌ بِالْعَرْشِ فَلَا اَدْرِىْ اَحُوْسِبَ بِصَعْقَتِهٖ يَوْمَ الطُّوْرِ اَمْ بُعِثَ قَبْلِىْ وَلَا اَقُوْلُ اِنَّ اَحَدًا اَفْضَلُ مِنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى ؎

ثابت کرتا تھا اور صحابی پیغمبر صاحب کو حضرت موسیٰ پر ترجیح دیتے تھے۔ آخر کار صحابی کو غصہ آگیا اور اُنھوں نے یہودی کے مونہہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ وہ آیا پیغمبر صاحب کے پاس۔ آپ نے سارا قصہ سُن کر فرمایا کہ مجھے حضرت موسیٰ پر ترجیح نہ دو کیوں کہ قیامت کے روز جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے اور تمام اوّلین و آخرین بیہوش ہو کر ہوش میں آئیں گے تو موسیٰ عرش کا کونہ پکڑے کھڑے ہوں گے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بھی اَور لوگوں جیسے بیہوش ہوں گے یا نہیں۔ بخاری کی ایک اَور روایة میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اتم یونس بن متّیٰ پر میری فضیلة اور برتری ثابت نہ کرنا۔

سچ کہا ہے کہ الحقوق والفرائض انسانی زندگی خصوصًا اسلامی زندگی کا ایک نہایت جامع اور مکمل دستور العمل ہے جو نہایت محنت نہایت عرق ریزی اور نہایت جانفشانی سے تیار کیا گیا ہے۔ دنیائے اسلام میں اپنی طرز کی یہ پہلی ہی کتاب ہے جو ایک نبض شناس اسلام اور حکیم اُمت اور علامۂ دہر کے قلم سے خاص موقع ضرورت پر لکھی گئی ہے۔ ایسی جامع۔ ایسی مکمل۔ ایسی مفید کتاب آج تک ہم نے تو دیکھی نہیں۔ امام غزالی کی احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی احقاق الحقوق بے شک عمدہ و اچھی کتابیں ہیں۔ مگر جو جامعیت۔ جو آراستگی جو ترتیب جو تفصیل و توضیح آپ اِس میں دیکھیں گے وہ کسی دوسری کتاب میں نہ پائیں گے مُصنّفِ علاّم نے انسان کے تمام تعلّقات کو قرآن سے چُن کر انسانی فرائض کو الگ الگ کر کے دکھایا ہے الحقوق والفرائض کا ہر ایک عنوان موٹے حرفوں میں لکھا ہے۔ عنوان کے نیچے جلی اور نہایت خوشنما عربی خط میں قرآن کی آیت لکھی ہے۔ آیت کے مقابلے میں ترجمہ ہے اور فٹ نوٹ میں اُس کا فائدہ یا شانِ نزول۔ پھر ایک موٹی جدول کھینچ کر آیت کے متعلق معتبر حدیث ہے جس کی ضرورت سمجھی گئی اور جہاں آیت نہیں وہاں نری حدیث ہے۔ آیت اور حدیث کے ذیل میں عنوان کے متعلق بہت سے جزوی مسائل کا بیان ہے۔ اور ان سب کے بعد مصنف نے اپنی طرف سے توضیح کے طور پر نہایت دلچسپ اور شگفتہ پیرائے میں ایسی عمدہ اور جامع تقریر کی ہے جس سے تمام مطالب سابقہ پڑھنے والے کے فوراً ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

الحقوق والفرائض کی تینوں جلدیں اسی ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔ پہلی جلد میں تین سو اڑتالیس ۳۴۸ مضامین ہیں۔ جو مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت میں درج ہیں۔ تمہید۔ حقوق اللہ۔ ایمان باللہ۔ ایمان بالانبیاء۔ ایمان بالکتب۔ ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالیوم الآخر۔ ایمان بالقدر۔ توحید۔ ممانعتِ شرک۔ رجاء۔ خشیۃ و رہبۃ و تقویٰ اطاعت۔ ایفاءِ عہد۔ انابت و رجوع۔ تسلیم و رضا۔ توکل۔ استقامت۔ خدا کی عظمت۔ حمد و ثنا۔ تسبیح و تقدیس۔ ذکر اللہ۔ ذکرِ نعمت۔ شکر۔ دُعا۔ توبہ و استغفار۔ استعاذہ استعانت۔ خشوع و خضوع۔ تضرع و عجز۔ نماز کی دعائیں افتراء علے اللہ۔ آیاتِ الٰہی سے استہزاء نہ کرنا۔ صلوٰۃ۔ طہارت۔ نجاستِ حقیقی داخلی کا نقشہ جس سے نجاست کی قسم نجاست کا محل نجاست کے ازالہ کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ نجاستِ حقیقی خارجی کا نقشہ۔ نجاستِ حکمی داخلی کا نقشہ نجاستِ حکمی خارجی کا نقشہ۔ مکروہاتِ داخلی کا نقشہ۔ نقشہ مکروہاتِ خارجی۔ پیشاب پاخانے کے آداب۔ بیانِ حیض

مسائلِ نفاس - حکمِ استحاضہ - غسلِ جنابہ - تیمم - وضو - مساجد کا بیان - نماز کے اوقات - جمع بین الصلاتین - اذان کی فضیلت اور اُس کے احکام - نماز کی شرائط وارکان - استقبالِ کعبہ و ترکیبِ نماز - سُترے کا بیان - نمازِ فجر کی کیفیت - نمازِ ظہر کی کیفیت - نمازِ عصر کی کیفیت - نمازِ مغرب کی کیفیت - نمازِ عشار کی کیفیت - نماز سے فارغ ہونے کے بعد کے اوراد - نمازِ جماعت کی فضیلت اور اُس کی تاکید - امامت - فوت شدہ نمازوں کی قضا - نمازِ تہجد و تراویح - نمازِ وتر - اُن باتوں کا ذکر جو نماز میں جائز یا ناجائز ہیں - قرآنی آیات کے جوابات - اشراق و چاشت کی نمازیں - صلوٰۃ التسبیح - نمازِ استخارہ - نمازِ حاجت - نمازِ جمعہ - نمازِ عیدین - نمازِ استسقار - نمازِ کسوف وخسوف - نمازِ خوف وسفر - سجدۂ سہو - سجدۂ شکر - نمازِ جنازہ - روزہ - زکوٰۃ - مسائلِ زکوٰۃ - حج - حقوقِ قرآن - خدا کی قدرت کی نشانیوں میں غور کرنا - خدا کی قسم کا ادب - کفارۂ قسم -

الحقوق والفرائض حصۂ دوم میں چھ سو پانچ مضامین ہیں جو مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت میں درج ہیں - تمہید یا دیباچہ حصۂ ثانی - حقوقِ پیغمبر - تمام پیغمبروں کے حقوق - حقوق النفس - حقوقِ علمار - حقوقِ متعلّم حقوقِ حاکم - حقوقِ رعایا - حقوقِ والدین - حقوقِ اولاد - حقوقِ زوجین - حقوقِ قرابت - حقوقِ ہمسایہ - مہمانوں کے حقوق - میزبانوں کے حقوق - حقوق السائل - حقوقِ یتامیٰ - لونڈی غلاموں کے حقوق - آقاؤں کے حقوق فقرار اور مساکین کے حقوق - حقوقِ احباب - حقوقِ دشمن - حقوقِ اہلِ کتاب - حقوقِ نصاریٰ - حقوقِ اہلِ معاملہ - تجارت کے حقوق - حقوقِ عامۂ عباد - حقوقِ میّت -

الحقوق والفرائض حصۂ سوم میں تقریبًا پانسو مضامین ہیں جو مندرجۂ ذیل عنوانوں کے ذیل میں درج ہیں - ایک مفید دیباچے کے بعد - فضائلِ قوتِ غضبیہ - ثبات اور استقلال و استقامۃ - علوِ ہمّت - آہستگی - غصّے کو پی جانا - صبر - حلم وتحمل - صدق وراستی - عفو ودرگزر - رفق ونرمی - تواضع اور ملنساری - حفظِ لسان - کم گوئی - رذائلِ قوتِ غضبیہ - تعصّب - کینہ - سخت دلی اور درشت مزاجی - لوگوں پر آوازے کسنا - بُرے لقب سے پکارنا - تمسخر - گالی دینا - مار پیٹ - قتل - ترکِ ملاقاۃ - ظلم - سخن چینی و چغلخوری - غیبت - نفاق و دوروئی - فضائلِ قوتِ شہویہ - حیا - توکّل - صبر وقناعت - جود وسخا - ایثار وکرم - رحم - باہم محبت اور میل جول - امانت - ایفارِ وعد - رذائلِ قوتِ شہویہ - کبر وغرور - فخر - دکھاوا اور شہرت - حرص وطمع - حُبِّ دنیا - حسد - اسراف - خیانت - بہتان - کتاب الآداب کا دیباچہ - آداب العقیقہ والتسمیہ - آداب الاسامی - آدابِ بیت الخلار - آداب البول - آداب الحمام - آداب الغسل - آداب النفس - آداب العلم والتعلم - آداب المصحف - آدابِ تلاوۃ - آداب الدعار - آدابِ قسم - آداب المساجد - آدابِ کعبہ - آدابِ مکہ و مدینۃ الرسول - آدابِ حاکم ومحکوم - آدابِ خط وکتابت - آدابِ ملاقات - آداب السلام - آداب الصحبۃ - آداب المجلس - آداب الجلوس - قیامِ تعظیم - آداب النوم - آداب الرؤیا - آداب الیقظہ - آداب المشی - آداب الطریق - آداب السوق - آداب الاکل والشرب - آداب الظروف - حقّے پان کے آداب - آداب الضحک - آداب البکار - چھینکنے اور جمائی لینے کے آداب - آداب اللباس - انگوٹھی پہننے کے آداب - جوتی پہننے کے آداب - سر اور ڈاڑھی کے

بالوں کے آداب - آداب الطب والرُّقی - آداب السفر - آداب اللسان - کان کے آداب - آداب السماع - شکار و ذبح کے آداب - آداب البیع - آداب النکاح - آداب المباشرت - آداب الولیمہ - آداب عیادتِ مریض - قریب الموت کے پاس بیٹھنے والوں کے آداب - میّت کے غسل اور تکفین کے آداب - جنازے کے ساتھ چلنے کے آداب -

بھلا کون نہیں کہہ سکتا ہے کہ الحقوق والفرائض کی تینوں جلدیں اسلامی زندگی کا جامع دستور العمل نہیں ہیں جیسے جیسے معاملات آدمی کو دنیا میں پیش آتے ہیں سب کے بارے میں حکم و ہدایت اِس دستور العمل میں موجود ہے اور اِس جامعیت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور جزوی مسئلہ بھی ایسا نہیں جو اس میں نہ ہو - اس کی جامعیت کی ادنیٰ مثال الحقوق والفرائض کے عنوانوں سے اور عنوانوں کے تحت میں جو ہزارہا مضامین درج ہیں اُس سے ظاہر ہے - اور اگر اِس جامعیت کی کوئی اَور کتاب ہے تو ناظرین ہم کو بتائیں - ورنہ بقول مصنّف چاہیئے کہ ہر مسلمان جو اسلام کا دم بھرتا ہے اور اُردو پڑھ سمجھ سکتا ہے اِس دستور العمل کا ایک نسخہ اُس کے پاس ہو اور ہر مسلمان کے پاس نہ ہو تو گویا گزرا ہر مسلمان خاندان میں تو ہو - ورنہ پھر نہ کہنا کہ ہم کو کسی نے سُنایا سمجھایا نہیں اور کہو گے تو سُنے گا کون وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ؈

## تاریخِ دربارِ تاج پوشی

مشہور و معروف دربارِ تاج پوشی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم جو یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو دہلی میں منعقد ہوا تھا - اور جس کے حالات نہایت مشرح طور پر انگریزی زبان میں مسٹر اسٹیفن دھیلر نے حسب الحکم والیسرائے وگورنر جنرلِ ہند لکھے تھے - اِس کا ترجمہ ہمارے مولانا نے حسب الحکم گورنمنٹ آف انڈیا اُردو زبان میں ایسا نفیس کیا ہے کہ کہیں سے بھی ترجمہ نہیں معلوم ہوتا - بلکہ وہ مستقل اُردو زبان کی ایک کتاب معلوم ہوتی ہے -

گورنمنٹ آف انڈیا نے مبلغ ایکہزار روپیہ حق الترجمہ تجویز کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ قم آپ کو دی جائے گی لیکن مولانا نے اِس قم کو اس شکریے کے ساتھ واپس کیا کہ مَیں برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہوں - اور وفادار رعایا ہوں اُس نے مجھے پڑھایا - نوکریاں دیں - عزّت و آبرو بڑھائی - بس یہی بہت بڑا اور بہترین حق الترجمہ میرے لیئے ہی کہ مَیں اِس کتاب کا ترجمہ کروں - اور وہ چھپے - دربارِ تاج پوشی کے ترجمے کے صفحات قریباً ۵۹۶ ہیں - نمونے کے طور پر لارڈ کرزن کی اسپیچ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے -

## دربارِ دہلی میں لارڈ کرزن کی اسپیچ

اے شہزادگانِ والا تبار و روسا رعالی وقار و متوطنانِ مملکتِ ہند پانچ ماہ کا عرصہ ہوا کہ بادشاہِ انگلستان و شہنشاہِ ہند اڈورڈ ہفتم نے لندن میں انگلستان کا تاجِ شاہانہ سر پر رکھا اور عصارِ حکومت کو دستِ مبارک میں لیا اُس وقت

ﮯ اور جب یہودیوں میں سے بعض لوگوں نے (دوسرے لوگوں سے جو حکم خدا کے مطابق ہفتے کے دن شکار کرنے سے منع کرتے تھے) کہا کہ جن (نافرمان) لوگوں کو خدا ہلاک کرنا یا اُن کو عذابِ سخت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے (بھلا اُن کو) تم (بے فائدہ) کیوں نصیحت کرتے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ (ہم تو) تمھارے پروردگار کی جناب میں (اپنے اوپر سے) الزام اُتارنے کی غرض سے نصیحت کرتے ہیں اور (یہ بھی خیال ہے کہ) شاید یہ لوگ باز آجائیں ۱۲

مملکتِ ہند کے صرف چند ہی وکیل اپنی خوش قسمتی سے حاضر تھے۔ لیکن آج شہنشاہِ معظم نے اپنے الطافِ خسروانہ سے تمام اہلِ ہند کو یہ موقع دیا ہے کہ ایک ویسی ہی خوشی میں شریک ہوں اور آج یہاں یا ہند کے دیگر حصص میں اِس عالیشان تقریب کی خوشی میں کُل روسا و امراء و سردار جو عمائدِ سلطنت ہیں اور تمام دیسی و یوروپین حکام جن کے ہاتھ میں زمامِ حکومت ہے۔ اور جو ایسی دانائی اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور کُل انگریزی اور دیسی فوج جو ایسی نہایت اعلےٰ درجے کی بہادری سے سرحد کی حفاظت کرتی ہے اور لڑائیوں میں اپنا خون بہاتی ہے۔ اور تمام باشندگانِ ہند بلا امتیازِ ملت اپنے رسوم و رواج کے جو باوجود لاکھوں طرح کے جھگڑوں کے سلطنتِ برطانیہ کی اطاعت کے اظہار میں یک زبان ہیں جمع ہیں صرف اس غرض سے کہ میں اعلیٰ حضرت کی رسوماتِ تاج پوشی کو ہندوستان میں ادا کروں حضورِ ملکِ معظم نے مجھ کو بحیثیت وایسرائے کے اِس دربار کے منعقد کرنے کا حکم دیا ہے اور صرف اِس امر کے اظہار کے لیئے کہ اعلیٰ حضرت کی نظروں میں اِس دربار کی بڑی وقعت ہے اُنھوں نے اپنے برادرِ حقیقی ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کاناٹ کو اِس جلسے میں شریک ہونے کی غرض سے روانہ فرما کر ہم کو عزت بخشی ہے۔ چھبیس سال ہوئے کہ آج ہی کے دن اور اسی شہر میں جو ہمیشہ سے شاہانہ جلسوں اور دیگر رسوم کا مرکز رہا ہے اور اسی مقام پر ملکہ وکٹوریہ مرحومہ مغفورہ کے خطاب قیصرِ ہند اختیار فرمانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اِس دربار سے ملکۂ آنجہانی کو ہندوستان کی رعایا کے ساتھ اپنی گہری محبت کا اظہار مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ بھی جتلانا تھا۔ کہ اب سلطنتِ انگریزی کے سایے میں اِن کے باہمی نفاق فرو ہو گئے اور وہ سب یکجہت ہیں ہم آج خدا کے فضل سے ایک چوتھائی صدی کے بعد بھی پہلے سے کہیں زیادہ متفق ہیں یہ شہنشاہ جس کے اظہارِ اطاعت کے لیئے آج ہم سب جمع ہوئے ہیں اہلِ ہند کی نظروں میں کچھ کم عزیز نہیں ہیں۔ کیوں کہ اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے اُن کو دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے اُن کی آواز سنی ہے وہ آپ اس تخت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں جو صرف شان داری ہی نہیں بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ دیرپا ہے اور وہ حقیقت میں انگریزی سلطنت ہے جس کی بڑی قوت ہندوستان کی مقبوضات رعایا کی جان نثاری حضورِ ملکِ معظم کی اطاعت پر مبنی ہے اور جو معترض اِس سے منکر ہے وہ بالکل نادان ہے جیسا کہ ہندوستان اپنے قدیم افسانوں سے مالا مال ہے ویسا ہی وہ اپنی خصلتِ وفاداری پر نازاں ہے جس کو مغرب نے از سرِ نو مشتعل کر دیا ہے مختلف صدیوں میں ہزارہا لوگوں نے ہند کی خواستگاری کی مگر اُس نے اپنے تئیں ایسی سلطنت کے حوالے کیا جس کو اُس کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔

تماشہ جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دنیا میں ایسا اَور کہیں ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا میرا مطلب اِس وقت اِس عظیم الشان ازدحام سے نہیں جس کو میں بے نظیر خیال کرتا ہوں۔ بلکہ میری مراد اِس مجمع کی غرضِ اصلی سے ہے اور اُن اصحاب سے جن کے دلی ولولوں کا یہ اظہار کر رہا ہے سنو سے زیادہ مختلف ریاستوں کے حکمران جن کی رعایا کی کُل آبادی ۶۲ کروڑ سے کم نہیں اور جن کی عملداری کے حدود طول بلد کے ۵۵ درجوں پر پھیلی ہوئی ہیں اِس وقت اپنے ایک بادشاہ کی اطاعت کی توثیق کے لیئے حاضر ہیں ہم اِن کے اِس وفادارانہ جوش کی جس نے اِن کو ہزاروں کوس

سے باوجود بڑے بڑے فاصلوں کے دہلی کھینچ بلایا ہی بڑی قدر کرتے ہیں اور مجھ کو تھوڑی دیر میں بہت فخر حاصل ہوگا جب کہ میں خود اُن کی زبان سے شہنشاہِ ہند کی تہنیت کے پیغام سنوں گا جو فوجی افسر اور سپاہی اِس وقت موجود ہیں یہ ہندوستان کی دو لاکھ تیس ہزار فوج سے انتخاب کیئے گئے ہیں جنھیں اِس بات پر ناز ہی کہ وہ شہنشاہ کی فوج ہیں دیسی اُمرا عہدہ دار یا غیر عہدہ دار جو اِس وقت موجود ہیں وہ ۲۳ کروڑ سے زیادہ آبادی کے قائم مقام ہیں اِس حساب سے میرے خیال میں یہ کہا جا سکتا ہی کہ اِس وقت دربار میں دنیا کی آبادی کا پانچواں حصّہ بذاتِ خود اور کچھ بذریعۂ وکیلوں اور اپنے حکمرانوں کے جمع ہی سب کے دل میں ایک ہی جوش ہی اور سب کے سر تسلیم سریر سلطنت کے سامنے خم ہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ آخر کونسی بات ہی جس نے اِس جمِّ غفیر کو کھینچ بُلایا ہی تو جواب دیا جائے گا بادشاہ کے ساتھ وفاداری یعنی اُن کی عطوفت اور انصاف پر اعتماد اور اُن کا یہ بھروسا ایک خیالی بات نہیں بل کہ اِن کے ذاتی تجربے کا نتیجہ ہی اور اِن کے دلی یقین کا اظہار ہی کیوں کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے اِس وسیع آبادی کے اکثر حصّوں کو حملوں اور بدامنی سے آزادی دیدی ہی سیکڑوں کے حقوق کی وہ حفاظت کرتی ہی اور سیکڑوں کے واسطے معزز روزگار کے فراخ راستے کھول دیئے ہیں۔ اور تمام کے واسطے یکساں انصاف کرنے ظلم سے بچانے اور تہذیب اور امن کی برکتوں کے پھیلانے میں کوشش کرتی ہی اور ایسی سلطنت پر قابض ہونا اول تو آسان کام نہیں پھر اُس کو ایماندارانہ اور منصفانہ طور سے سنبھالنا اور بھی مشکل کام ہی۔ اور سب میں اہمّ یہ امر ہی کہ سب کو مدبرانہ سیاست سے شیر و شکر کر دے۔ یہی مقاصد و اغراض مدِّ نظر ہیں جس لیئے آج یہ دربار کیا گیا ہی اب میرا یہ فرض ہی کہ آپکے روبرو حضور ملک معظّم کا وہ شفقت آمیز پیغام پڑھوں جس کی بابتہ آنحضرت نے آپ کو سنانے کے لیئے مجھے ارشاد فرمایا ہی۔ وھو ہذا۔

مابدولت کو اِس بات سے نہایت مسرت ہی کہ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کو ایسے موقع پر جبکہ وہ مابدولت کی رسم تاج پوشی کر رہے ہیں پیغامِ تہنیت بھیجیں۔ لندن کی تاج پوشی کے جلسے میں ہندوستانی روسا اور قائم مقاموں کی ایک نہایت ہی قلیل تعداد شریک ہوئی تھی۔ اِس لیئے مابدولت نے وایسرائے اور گورنر جنرل کو اِس امر کی ہدایت کی کہ دہلی میں ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا جائے تاکہ تمام دیسی روسا امرا حکّام گورنمنٹ اور اہلِ ہند کو اِس مبارک رسم کے ادا کرنے کا موقع ملے۔ جس وقت مابدولت ۱۸۷۵ء میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ اُس زمانے سے ہند اور اہلِ ہند کی محبت ہمارے دل میں جاگزیں ہی۔ مابدولت کے خاندان اور تاج و تخت کے ساتھ اُن کو جو دلی اور سچّی محبت ہی وہ بھی مابدولت پر خوب روشن ہی۔ گزشتہ چند سال کے عرصے میں اِن کی محبت اور جاں نثاری کی بہت سی شہادتیں مابدولت کے سامنے گزر چکی ہیں اور مختلف معرکوں میں ہماری ہندوستانی افواج نے جو کارہائے نمایاں کیئے ہیں اُن سے مابدولت بخوبی واقف ہیں مابدولت نہایت وثوق سے اُمید کرتے ہیں کہ تھوڑے عرصے میں ہمارے فرزند دلبند شہزادہ ویلز اور اُن کی بیگم صاحبہ پرنسز آف ویلز ہندوستان میں رونق افروز ہوں گے اور ایسے ملک سے ذاتی واقفیت حاصل کریں گے۔ جس کی بابتہ مابدولت کی یہ تمنا رہی ہی۔ کہ وہ اُس کو جا کر دیکھیں اور خود اُن کو بھی اُس کی سیر کا بڑا اشتیاق ہی۔ اگر مابدولت کا تشریف لانا ہندوستان میں ممکن ہوتا تو نہایت خوشی سے آتے۔ مگر چوں کہ

یہ بات نہ ہو سکی اس لیئے ماہدولت اپنے برادرِ عزیز ڈیوک آف کناٹ کو جن کو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہی -
روانہ فرماتے ہیں تاکہ جلسۂ تاج پوشی میں شاہی خاندان کے قائم مقام بن کر شریک ہوں -
جب سے کہ ماہدولت اپنی والدہ مکرمہ معظمہ ملکہ وکٹوریہ مرحومہ مغفورہ اول قیصر ہند کے تخت پر جانشین ہوئے ہیں ہماری یہ تمنا رہتی ہی - کہ ہم انصاف اور انسانیت کے وہی اصول برتیں جن سے حکومت کرکے ہماری مادرِ مشفقہ نے اپنی رعایا کے قلوب میں اپنی بزرگی اور عزت پیدا کر لی تھی ماہدولت اپنے تمام باج گزاروں اور اہلِ ہند کے ساتھ یہ وعدہ بہ تجدید کرتے ہیں کہ اُن کی آزادی کو قائم رکھیں گے اُن کے مراتب اور حقوق کی پاس داری کریں گے اور اُن کی بہبودی کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے یہی اصول اور اغراض ماہدولت کے مدِ نظر ہیں اور خداوندِ عالم کے فضل و کرم سے اُمید ہی کہ ان سے قلمروِ ہند کو سرسبزی حاصل ہوگی اور ہندوستانی رعایا خوش و خرم رہے گی اے شہزادگانِ والاتبار و اے اہلِ ہند - یہ الفاظ اُس ملکِ معظم کے ہیں جس کی رسم تاج پوشی کے ادا کرنے کے لیئے آج ہم سب جمع ہوئے ہیں اُن کا ہر حرف اُن افسروں کے قلوب میں جو اُن کے خدمت گزار ہیں - محرک یا الہام کا اثر کرتا ہی - اور ہر کہ خاص و عام کو بلند حوصلگی اور نیک نیتی کا سبق پڑھاتا ہی - یہ الفاظ اُن صاحبان کے لیئے جو میرے یا میرے سرکار کی طرح شہنشاہ معظم کی گورنمنٹ کے بالاصالۃ آلات ہیں درستی اخلاق اور توسیع مملکت کے رہنما ہیں ہندوستان کا انتظام نرمی اور فیاضی سے کرنے کا خیال جیسا آجکل عروج پر ہی - ایسا کبھی نہیں ہوا - وہ لوگ جنھوں نے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں - وہ حقیقت میں زیادہ مستحقِ آفرین ہیں اور جنھوں نے زیادہ عمدہ کارِ نمایاں کیئے ہیں - اُن کے حقوق بھی بڑے بڑے ہیں - ہندوستان کے روساء نے مملکت کی گزشتہ لڑائیوں میں اپنے سپاہی اور تلواریں ہمارے نذر کیں اور دیگر مصائب میں بھی - مثلاً قحط و خشک سالی وغیرہ میں اُنھوں نے بڑی اولو العزمی اور بلند ہمتی ظاہر کی - اب جو کچھ اُن کو حاصل ہی - اس سے زیادہ اور کیا دیا جا سکتا ہی - یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہی - کہ جو امن و عافیت اُن کو حاصل ہی اُس میں کبھی کسی طرح کا خلل نہیں آسکتا تاہم یہ بات ہمارے لیئے نہایت باعثِ مسرت ہی - کہ سرکار عالیہ اُن قرضوں کا جو دیسی ریاستوں کو گزشتہ قحط کے موقع پر دیئے گئے ہیں - یا سرکار اُن کی کفیل ہوئی ہی - تین سال تک کوئی سود نہیں لے گی - اور ہم کو اُمید ہی کہ وہ لوگ جن سے ایسا فیاضی کا سلوک کیا گیا ہی - اِس بات کو بخوشی منظور کریں گے - اِس عظیم الشان ملک میں اور جو کثیر التعداد جماعتیں اور فریق ہیں اور جن کی ترقی اور بہبودگی ہماری دلی تمنا ہی - اُن کو بھی ہم بہت جلد کسی ٹکس کی کمی کا مژدہ سُنائیں گے - سال حالی کے وسط میں اعلان کرنا مناسب نہیں کیوں کہ ایسے موقع پہ تخمینہ کرنا بڑا دشوار کام ہی - تاہم اگر موجودہ حالت قائم رہی - اور جیساکہ ہم اُمید کرتے ہیں ہندوستان کی مالی بہبودگی کا زمانہ شروع ہوگیا - تو ہم کو اعتمادِ کامل ہی کہ ملکِ معظم کے عہدِ سلطنت کے اول ہی زمانے میں سرکار عالیہ رعایاءِ ہند کے ساتھ کسی ٹیکس کی تخفیف کرکے ہمدردی اور شفقت کے خیالات ظاہر کرے گی اور جس وقت کہ مجھ کو اُن کی مصیبت کا زمانہ اور اِس موقع پہ اُن کا صبر اور اُن کی نمک حلالی یاد آتی ہی - تو تخفیف ٹیکس کی تدابیر سوچنے میں مجھے نہایت خوشی ہوتی ہی - یہاں اِن رعایتوں اور مہربانیوں کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں - جن کا دربار

سے خاص تعلق ہی۔ وہ کہیں اَوْر ورج ہیں۔ تاہم فوجی افسروں سے میں اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج سے انڈین سٹاف کور کا نام موقوف ہوگیا۔ اور آپ سب ملکِ معظم کی ہندوستانی افواج سے متعلق ہیں۔ اے اُمرائے عالی وقار و متوطنانِ ہند جب ہم ہندوستان کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا خطرِ خزاں اِس ملک کی ترقی کا باغ سدا بہار نظر آتا ہی ہندوستان کے متعلق کوئی ایسا مسئلہ نہیں خواہ وہ آبادی کا ہو یا تعلیم کا۔ خواہ محنت کا ہو یا معاش کا جس کو موجودہ تدابیر نے حل نہ کیا ہو بہت سے مسائل کا حل تو اب ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہی اگر برطانیہ اور ہند کے متعلق افواج سرحد پر مسلسل امن قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر ہند کے فرمانرواؤں اور رعایا یورپین اور ہندوستانیوں حاکموں اور محکوموں میں اتحاد رہا اور موسم اپنی فیاضی میں مضایقہ نہ کرے تو دیکھیں بھلا ہندوستان کی ترقی کس طرح رُک سکتی ہی۔ ہندوستان بفضلِ کردگار ایک مستقل قحط ناک بدبخت اور نفاق سے بھرا ہوا ہندوستان نہیں ہوگا بلکہ اُس کی تجارت کے چشمے جاری ہوجائیں گے اُس کے باشندوں کی عقلیں بیدار ہوجائیں گی اُس کی بہبود روز افزوں ہوگی اور آرام اور دولت کی ہر طرف ریل پیل ہوجائے گی میں اپنے ضمیر اور اپنے ملک کے مقاصد پر بھروسا کرتا ہوں اور ساتھ ہی مجھ کو اس ملک کے بے انتہا ترقی کے سامان دیکھ کر یقین ہی۔ کہ ترقی ضرور ہوگی لیکن یہ یاد رہی کہ یہ مستقبل کبھی بصورت حال نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی بے نظیر حکومت کی عظمت نہ تسلیم کرلی جائے۔ اور یہ بات صرف زیرِ سایۂ سلطنتِ برطانیہ ہی ممکن ہی۔

اور اب میں اِس تقریر کو اختتام پر لانا چاہتا ہوں میں اُمید کرتا ہوں۔ اہلِ ہند کو یہ مجمعِ عظیم مدتِ دراز تک یاد رہے گا اس اعتبار سے کہ یہاں اِن کو ایک بڑی تقریب کے موقع پر اپنے شہنشاہ کی ذات اور اُن کے خیالات سے معرفت تامّہ حاصل ہوئی میں اُمید کرتا ہوں کہ لوگ جب جب اس تقریب کو یاد کریں گے اُن کو فرحت و مسرت ہوگی اور زمانۂ شاہ ایڈورڈ ہفتم کا عہد جس کا آغاز ایسا مسعود ہی تواریخ ہند اور سینۂ اہلِ ہند میں محفوظ رہے گا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ فرمانروائے عالم اور قادرِ مطلق کی عنایت سے اُن کی شہنشاہی اور قوت سالہائے دراز تک قائم رہے۔ اُن کی رعایا کی بہبودی روز بروز ترقی کرے اُن کے افسروں کے انتظام پر عقل اور نیکی کی مُہر ثبت ہو۔ اور اُن کی سلطنت کا استحفاظ و بہبود ہمیشہ برقرار رہی۔ خدا کرے ہمارا بادشاہ شہنشاہِ ہند مدت تک زندہ و سلامت رہے۔

## اجتہاد

شمس العلماء مولنا حافظ نذیر احمد صاحب کی یہ ایک بڑی معرکۃ الآرا کتاب اُسی قسم کی ہی جیسی کہ رویائے صادقہ ہی اس میں اُس میں اگر کچھ فرق ہی تو اتنا کہ رویائے صادقہ میں اسلام اور اسلامی فرقوں کے متعلق فاضل مصنف کی جو رائے ہی وہ اُس سے بخوبی معلوم ہوتی ہی۔ اور اجتہاد سے خالص اسلامی اُصول کو دلائل عقلی اور شواہد مسلّمہ سے ثابت کیا ہی۔ یہ علمِ کلام میں بڑے پائے کی کتاب ہی۔ اِسلام کی تائید میں ایسے تشفی بخش اور یقین دلانے والے اسرار بیان کیے گئے ہیں کہ نوجوان انگریزی خوان جو سائنس اور مذہب کی کشمکش میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے وہ اِس کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں کہ لَا مَذْھَبَ اِلَّا اَلْاِسْلَام مصنف نے ثابت کیا ہی کہ مقدس اِسلام اور اُس کے صاف اور ستھرے ہوئے معتقدات اور اصولِ اعمال سب فطری ہیں۔ علّامۂ مصنف نے

ایک طرف اسلام کے پاک عقائد اور مستحکم ارکان کو دینِ فطرۃ ثابت کیا ہی اور دوسری طرف یہودیوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں
کے معتقدات و اعمال پر ریمارک کرتے ہوئے اُن پر نہایت دیانت اور انصاف سے جائز نکتہ چینیاں کر کے اسلام کی حقانیت
کا ایسا زبردست اور لاجواب ثبوت دیا ہی کہ کسی مذہب کا کوئی آدمی جب تک وہ آدمی ہی اور انصاف و راستی کا جوہر رکھتا ہی بے تسلیم کیے رہ نہیں سکتا۔

اجتہاد میں پانسو چار مضامین مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت میں درج ہیں۔ حمد و نعت کے بعد۔ اسلامی
معتقدات۔ خداشناسی۔ توحیدِ باری۔ شرک۔ وجودِ باری۔ دینِ اسلام کی سہولتیں۔ توحید اصلِ مذہب ہی
حُسن و قبح کا احساس فطری ہی۔ رسالت۔ پیغمبرِ اسلام کی صداقت۔ معجزات اور پیشین گوئیاں۔ نزولِ قرآن کی
اصلی غرض۔ اس زمانے کے مولویوں کو نیک صلاح۔ زہد۔ دیگر مذاہب اور اصولِ اسلام۔ مسلمانوں کی اصلاحِ حالت
ختمِ کتاب کے بعد اِس میں چند ضمیمے اور لگائے گئے ہیں۔ جن کے مضامین یہ ہیں۔ ائمہ اثنا عشر کون ہیں۔ امام حسنؓ
کے واقعاتِ زندگی۔ امام حسینؓ کے تاریخی حالات۔ امام علی الاصغر زین العابدین۔ امام محمد الباقر۔ امام جعفر الصادق
امام موسیٰ کاظم۔ امام علی الرضا۔ امام محمد تقی۔ امام علی نقی۔ امام محمد حسن زکی۔ امام محمد مہدی۔ پیغمبر صاحب اور عشرہ مبشرہ
کا شجرۂ نسب۔ ابوبکر صدیقؓ کے حالات۔ عمر بن الخطابؓ کے حالات۔ عثمانؓ بن عفان کے حالات۔ علی المرتضیٰؓ کے
حالات۔ حضرت طلحہؓ کے واقعات۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کے حالات۔ عبدالرحمنؓ بن عوف کے حالات۔ سعد
بن ابی وقاصؓ کے حالات۔ سعید بن زیدؓ قریشی کے حالات۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے حالات وغیرہ وغیرہ درج ہیں۔

اجتہاد کے ٹائیٹل پیج پر جلی قلم سے "کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو" ایک لاکھ روپے کا بلکہ دونوں جہان
کی قیمت کے برابر کسی کا یہ مصرع سُنہری حرفوں میں لکھا ہی۔ اور اُس کے بعد ہلالی شکل میں قرآن مجید کی یہ آیت فَاَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ نہایت
خوب صورت حرفوں میں لکھی گئی ہی۔ کتاب ہر مسلمان کے دیکھنے کے قابل ہی۔ مصنف نے ثابت کیا ہی کہ مقدس اسلام
اور اُس کے صاف اور ستھرے معتقدات اور اصولِ اعمال سب فطری ہیں۔ یعنی آدمی چاہے وہ جس مذہب کا گرویدہ
ہو اگر غور و فکر سے کام لے تو قطعِ نظر کسی دلیل خارجی کے صرف اُس کی طبیعت کا تقاضا آپ سے آپ اُسے اسلام
کی حقانیت بے چون و چرا منوانے اور اسلامی معتقدات و ارکان کی معقولیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرانے پر مجبور کرتا ہی
علامہ مصنف نے یہودیوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں کے معتقدات و اعمال بیان کرتے ہوئے اُن پر......
نہایت دیانت اور انصاف سے جائز نکتہ چینیاں کر کے اسلام کی حقانیت کا ایسا زبردست اور لاجواب ثبوت دیا
ہی کہ کسی مذہب کا کوئی آدمی جب تک وہ آدمی ہی انصاف و راستی کا جوہر رکھتا ہی صداقت اسلام کو بے تسلیم کیے رہ نہیں سکتا۔

**اُمّہات الامّہ**

اس کتاب کا موضوع وہی مشہور مگر بودا اور پھسپھسا تعددِ ازواج پر اعتراض ہی جو دوسری
قومیں ابتدا سے اسلام اور بانیِ اسلام پر کرتی آئی ہیں۔ علمائے اسلام بھی ہمیشہ دنداں شکن

---

۵ (اے پیغمبر) تم تو ایک (خدا) کے ہو کر (اُس کے) دین کی طرف اپنا رُخ کیے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہی جس پر خدا نے
لوگوں کو پیدا کیا ہی۔ خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا یہی دین (کا) سیدھا (رستہ) ہی ۲:

جواب دیتے رہے ہیں۔ جس طرح وہ پرانے علمِ کلام کی رو سے اعتراض تھے اسی طرح پرانے علمِ کلام کی رو سے اُن کے جواب ہوتے تھے۔ یعنی اگر معترض ایک شخص پر یہ اعتراض کرتا تھا کہ تیری آنکھ میں ناخنہ ہے تو دوسرا یہ جواب دیتا تھا کہ تیری آنکھ میں شہتیر ہے اسی طرح اکثر الزامی جواب ہوا کرتے تھے اور بس۔ اب علمِ کلام کا ڈھنگ بالکل بدل گیا ہے علمِ کلام کے نئے نئے اصول قائم ہو گئے ہیں۔ استدلال کے طریقے بدل گئے ہیں۔ البتہ فریبی اور پیچیدہ دلائل کی اب وقعت نہیں رہی۔ اُمّہات الاُمّہ بالکل نئے ڈھنگ اور نئے اصول پر لکھی گئی ہے۔ تعددِ ازواج کے سچے واقعات اور اصلی وجوہ لکھ کر معترضین کے جواب دیئے گئے ہیں۔ اگر ہم اس کتاب کو مراۃ اُمّہات الاُمّہ کہیں تو بجا ہے۔

موجودہ زمانے میں ایک وسیع اور غیر محدود آزادی یعنی شترِ بے مہاری ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ لوگوں کے مونہ میں جو کچھ آتا ہے بے تکلف استفراغ کی طرح اُگل دیتے ہیں۔ جس کی دل آزاری اور زبان درازی اور ہٹ دھرمی اور بے جا تعصب کا تعفّن دماغِ اسلام کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ اسی عفونت کو دفع کرنے کے لیئے فاضلِ مصنف نے یہ چورن تیار کیا ہے۔

وہ چورن چھانٹ دے بادیِ تعصب بے جائی وہ چٹنی ترشیِ مست کئے پندار و غفلت ہو

غرض جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبت جو یہ خیالِ فاسد متعصب دلوں میں جگہ پکڑ گیا ہے اُس کو دُور کرنے کے لیئے حکیمِ امت فاضل مصنف نے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ تاکہ معترضین تعددِ ازواج کی اصلیت کو چشمِ بصیرت سے دیکھیں۔ اور آیندہ کو کان پکڑیں اور لغو اور بیہودہ اعتراضوں سے زبان اور قلم کو روکیں فاضلِ مصنف سے پہلے اَور لوگوں نے بھی اس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے۔ لیکن بالاستقلال کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں سر سید مرحوم و مغفور نے مستقل طور پر ایک رسالہ لکھنے کا قصد کیا تھا مگر افسوس وہ رسالہ پورے طور پر ختم نہیں ہونے پایا کہ سر سید انتقال کر گئے۔

اُمّہات الاُمّہ ایک سو چھپن صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ اس میں اتنے عنوان ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کے اور اُس کے بعد کے چرچے۔ سودیشی۔ سوراج۔ بائی کاٹ کے متعلق پیشین گوئی۔ آزادی۔ سببِ تالیفِ کتاب جس قوت پر بقائے نوعِ انسانی موقوف ہے اُس کے فطری ہونے کا ثبوت۔ نر و مادہ اور مرد و زن کی قوتِ فاعلہ اور قوتِ منفعلہ کی تشریحِ مزید۔ مرد کو وقتِ واحد میں چار عورتوں کے جمع کرنے کا اختیار کیوں دیا گیا اور عورۃ کو ایک ہی کی ہو کر رہنے پر کیوں مجبور کیا گیا۔ تکثیرِ ازواج کی مصلحت اور چار کی وجہ تخصیص۔ زناشوئی کے تعلق کی اصلی اغراض۔ اسلامی تکثیرِ ازواج پر مخالفین کا اعتراض اور اعتراض کا جواب۔ اسلام نے عورتوں کی کہاں تک حمایت کی اور عرب کی سوسائٹی کے آدابِ تمدن۔ مرد و عورۃ کے باہمی تعلقات اور دونوں کے منصبی فرائض۔ قرآن کی دو آیتوں سے تکثیرِ ازواج کا ثبوت اور مرد و عورۃ کے واجبی حقوق میں محاکمہ۔ تکثیرِ ازواج کی حدِ غایت چار کیوں ہے۔ پیغمبر صاحب کے آغازِ نبوت سے سنہ ہجری تک کے مختصر تاریخی واقعات۔ تکثیرِ شرعی پر ایک اَور اعتراض کا جواب۔ عیسائی مذہب مجموعۂ محالات ہے۔ مردوں کی تکثیرِ ازواج پر عورتوں کی طرف سے زبادنی اور اُس پر ایک نہایت دلچسپ اور پُر درد حکایت۔ تعددِ ازواج کے قائل

نہ ہونے سے عیسائیوں کے ایک مذہبی نقص کا ثبوت۔ عیسائیوں میں طلاق۔ عدلِ مستطاع کی شرط مرد و عورۃ دونوں کے حق میں یکساں مفید ہو۔ اس پر امام شافعیؒ کا ایک نوٹ اور نوٹ پر اعتراض۔ اہل عرب کے تمدن پر ایک سرسری نظر۔ مسلمانوں میں مراسم ہنود۔ پیغمبر صاحب کا امتیاز خاص۔ پیغمبر صاحب کے نکاحوں کا غالب داعیہ۔ اشاعتِ اسلام کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام خواہشیں مغلوب تھیں۔ اس کا چند تاریخی واقعات سے ثبوت۔ پیغمبر صاحب کی حیا اور تعمیر کعبہ۔ پیغمبر صاحب میں لوازمِ بشریہ۔ بشری خواہشیں شانِ پیغمبری کے مخالف نہیں۔ پیغمبر صاحب کا ازواج میں عدل۔ امہات المومنین کی ساری خواہشیں پیغمبر صاحب کی شرفِ ہم بستری کے آگے مغلوب تھیں۔ پیغمبر صاحب کی خاندانی شرافت اور شرافت کا معیار۔ مکارمِ اخلاق دین کی غرض و غایت ہیں۔ ابراہیمؑ نے کب اور کس طرح کعبہ بنایا اور کئے دفعہ اس کی تجدید ہوئی۔ متولیانِ کعبہ کی خدمات و اقتدارات۔ تعمیر کعبہ کا نقشہ۔ پیغمبر صاحب کا شجرۂ نسب مع ازواجِ مطہرات۔ قریش کی وجہ تسمیہ اور یہ قبیلہ کب سے قریش کہلایا۔ تولیۂ کعبہ کن کن لوگوں کے ہاتھوں میں ہی اور قریش تک کیوں کر پہونچی۔ پیغمبر صاحب کے جدِ اعلیٰ قصئی کے کارنامے۔ عبد الدار و عبد مناف کی اولاد میں خاندانی نزاع اور نزاع کا فیصلہ۔ ہاشم کے تاریخی واقعات۔ عبد المطلب کے حالات۔ زمزم کی اصلیت۔ ابو طالب و عبد اللہ کے واقعاتِ زندگی۔ ہندوستان میں انگریزی سلطنت۔ واقعات عام الفیل تعلیم مروجہ کے نقص ۱۸۵۷ء کا غدر۔ مشن کالجوں کی تعلیم۔ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے۔

ان مضامین کے بعد امّ المومنین حضرۃ خدیجہؓ۔ امّ المومنین حضرۃ عائشہؓ۔ امّ المومنین بی بی حفصہؓ۔ امّ المومنین بی بی زینبؓ امّ المساکین۔ امّ المومنین بی بی امّ سلمہؓ۔ امّ المومنین بی بی زینب بنت جحشؓ۔ امّ المومنین بی بی امّ حبیبہؓ۔ امّ المومنین بی بی جویریہؓ۔ امّ المومنین بی بی صفیہؓ۔ امّ المومنین بی بی میمونہؓ کے حالات ہیں۔ ان کے حالات کے بعد چند اور مضامین ہیں۔

دل تو یہ چاہتا تھا کہ ساری کتاب کی کتاب ہم یہاں نقل کر دیں۔ لیکن طوالت کے ڈر کے مارے صرف ایک خاص مضمون پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیوں کہ مصنف نے ایک داعیۂ خاص پیغمبر صاحب میں دریافت کیا ہی جو سب دواعی سے قوی اور سب دواعی پر غالب ہی وہ داعیہ ہی پیغمبر صاحب کی طرف سے۔ شوقِ اشاعۂ اسلام بدرجۂ غایۃ اور امہات المومنین کی طرف سے شوقِ ادراکِ شرفِ ہم بستریِ پیغمبر صاحب۔ مصنف نے ہر ایک امّ المومنین کے حالات میں اپنے اس دعوے کو تا حدِ تیقن ثابت کر دکھایا ہی اور یہ بات شاید خصائصِ مصنف میں سے ہی۔

**اشاعۂ اسلام کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام خواہشیں مغلوب تھیں اس کا چند تاریخی واقعات سے ثبوت**

دواعی نکاح جو ہم نے اوپر گنوائے ہیں پیغمبر صاحب میں اشاعۂ اسلام کا ایک داعیۂ خاص بھی تھا تمام دواعی پر غالب وہ دینِ توحید لے کر آئے تمام ادیانِ مروجہ کے مخالف اور لے کر آئے ایسے لوگوں میں جن کو جھلملاہٹ چھو نہیں گئی تھی وہ چھوٹتے کے ساتھ گالی گلوج اور مار کٹائی پر اتر پڑے۔ صبر و تحمل کی بھی ایک حد ہوتی ہی مگر کرتے کیا ایک طرف خدا کہتا ہی

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ- اور اسی پر بس نہیں دوسری جگہ فرماتا ہی وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ ۫ۖ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِیۡنَ ۝ دوسری طرف جو ہی خون کا پیاسا ہی اور اگر وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - اور - وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا یَمۡكُرُوۡنَ - کی تقویۃ اور حمایۃ اور حفاظۃ نہ ہوتی تو رسالۃ کی بیل ایک گھڑی بھی منڈھے چڑھنے والی نہ تھی - مگر صداقۃ کے بھروسے پر پیغمبر صاحب ۱۳ برس دشمنوں کے نرغے میں چھاتی پر پڑے مُونگ دلوایا کیئے - یہاں تک کہ آخر کو پاے ثبات جگہ سے اُکھڑ گئے اور بھاگ کر مدینے جا پناہ لی - آہی کیسے دل ہیں کہ یہ سب کچھ سُن سمجھ کر بھی اسلام پر نہیں پسیجتے - لوگ بی بیاں کرنے میں جو اعتراض مدِ نظر رکھتے ہوں ہمارا دل تو گواہی دیتا ہی اور ہمارا دل کیا گواہی دیتا ہی ہر ایک مُنصف کا دل گواہی دے گا کہ پیغمبر صاحب نے جو بی بی کی اسلام کا مفاد مدِ نظر رکھ کر کی - کیسی نفسانی خواہش اور کیسا حُسن وجمال اور کیسی دولۃ - اُن کو اسلام کے آگے کچھ سُوجھتا ہی نہ تھا ہم اس کی ضرورۃ تو سمجھتے نہیں کہ مناکحۃ کو خلافِ شانِ پیغمبری سمجھ کر پیغمبر صاحب میں فقدانِ قوۃ کے قائل ہوں - ایسا سمجھنا اُن کے کمالِ انسانیۃ کو بٹا لگاتا ہی - پس سچی اور سیدھی بات یہ ہی کہ پیغمبر صاحب کی مناکحۃ میں اِس قوۃ کو بھی دخل ضرور تھا - مگر اسلام کی دُھن کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں بشری اغراض مغلوب تھیں - ہر نکاح میں اوّل اور اَقدم اِسلام اور اِسلام کی رُو دُھن میں دوسری اغراض - اور یہی وجہ تکثیرِ ازواج کی بھی ہوئی کہ دامادی کے دباؤ سے سارے سُسرالی قبیلے کو جُھکنا پڑتا ہی اور اِسی کی اِسلام کی اشاعۃ کے لیئے بڑی ضرورۃ تھی یہاں تک کہ جب اِسلام کو خدا نے غلبہ دیا اور اعوان و انصار کے بہم پہنچانے کی ضرورت نہ رہی تو لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ - سے تکثیر کو روک دیا - غرض ہم تو پیغمبر صاحب کے نکاحوں میں کسی طرح کی اَخلاقی بُرائی پاتے نہیں - یہ بات کہ اشاعۃِ اسلام کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں مغلوب تھیں اِس کی ہمارے پاس بہت سی دلائل ہیں - ازاں جملہ یہ کہ پیغمبری کے پہلے سے پیغمبر صاحب بالطبع بُت پرستی سے نفور تھے اور اپنی قوم اپنے اہلِ وطن بلکہ تمام لوگوں کو مبتلاۓ گمراہی دیکھ کر بہت ہی بے چین رہتے تھے - اُن کو اس فکر میں کھانا پینا سونا ملنا جُلنا کوئی چیز بھی بھلی نہیں معلوم ہوتی تھی - بس یہ اُن کے اخلاق کا اصل الاصول ہی - غلبۂ اسلام کے ساتھ اِس فکر کی شان تو بدلی مگر مرتے دم تک رہے اِسی فکر میں منہمک ۝

---

۹۱ اے پیغمبر جو (احکام تم پر) تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (بلاکم وکاست لوگوں کو) پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تم نے خدا کا (کوئی) پیغام (بھی لوگوں کو) نہیں پہنچایا ۱۲ ۹۲ اور اگر (پیغمبر زبردستی) کوئی بات ہمارے سر چپکتا تو ہم نے (خونیوں کی طرح) اُس کا دہنا ہاتھ پکڑ کر اُس کی گردن اُڑا دی ہوتی اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہ سکتا ۱۲

۹۳ اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا ۱۲ ۹۴ اور (اے پیغمبر تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا کی توفیق کے بدون تو تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان (مخالفوں کے حال) پر افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو (تمہاری مخالفۃ میں) تدبیریں کیا کرتے ہیں اُس سے تنگ دل نہ ہو ۱۲ ۹۵ (اے پیغمبر اِس وقت کے) بعد سے دوسری عورتیں تم کو درست نہیں ۱۲

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا — غم کے جانے کا بہت ماتم رہا

ہم اُس درد کا ٹھیک اندازہ کر نہیں سکتے۔ جو اُن کو ابنائے جنس کا تھا۔ پیغمبری کے قریب قریب وہ بالکل عزلۃ پسند ہو گئے تھے۔ اکیلے غار حرا میں بیٹھے خدا کا دھیان کرتے بلکہ ایک مرتبہ مایوسی کی حالۃ میں پہاڑ پر سے گر کر اپنی جان تک گنوا دینے کا ارادہ کیا تھا اسی حالۃ پر قیاس کر لو کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہوں اُس کو نفسانی خواہشیں کہاں تک گُدگُدا سکتی ہیں۔ عرب جیسے گرم ملک کے رہنے والے جہاں مرد اور عورت دونوں سویرے بالغ ہو جاتے ہیں اول درجے کے شریف النسب جوان خوش رو نیک نام بہمہ صفت موصوف یہ تو اگر جھوٹوں طلب کرتے تکے کے بڑے سے بڑے رئیس بچوں اپنی بیٹیاں اُن سے بیاہ دیتے۔ مگر اُن کو اپنے مذہبی استغراق میں ایسی باتوں کا خیال ہی نہ تھا۔ پیغمبر صاحب تو یتیم پیدا ہوئے تھے۔ شروع سے دادا عبد المطلب کی کنار عاطفۃ میں پرورش پائی۔ اُن کے انتقال کے بعد چچا ابو طالب کفالۃ کرتے رہے۔ قریش خانہ کعبہ کی تولیۃ کی وجہ سے تمام قبائل عرب کے رئیس تھے اور قبیلۂ قریش کے رئیس کابراً عن کابر پیغمبر صاحب کے آبا و اجداد تو باوجود سخت مذہبی مخالفۃ اور پرخاش کے پہلے عبد المطلب اور عبد المطلب کے بعد ابو طالب کی حمایۃ کی وجہ سے پیغمبر صاحب دشمنوں کی دست درازی سے بہت کچھ محفوظ تھے مگر وہ لوگ اِس ٹوہ میں تھے کہ کسی ڈھب سے دادا اور چچا ان سے دست بردار ہو جائیں تو پھر چٹکی بجاتے میں اِس آئے دن کے جھگڑے کا نیا پانچا کر دیں۔ یہ دل میں ٹھان رُوار قریش جمع ہو کر ابو طالب پاس گئے اور اُن سے جا کر کہا کہ آپ کو تو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ آپ کے بھتیجے نے ہم سب کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اُس کو ایک نئے دین کا خبط اُچھلا ہے۔ سر بازار اور گلی کوچوں میں ہمارے مذہب کی توہین بزرگوں کی تحمیق کرتا پھرتا ہے۔ ہم آپ کے لحاظ سے لہو کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔ آپ اُس کو ہمارے سامنے بلا کر پوچھیے تو سہی کہ آخر یہ چاہتا کیا ہے اگر ریاستہ کی ہوس ہے تو ہم سب اس بھرے مجمع میں اُس کو اپنا بادشاہ تسلیم کیے لیتے ہیں اگر دولت درکار ہے تو جتنا کہے چندہ جمع کر دیں کہ یہ امیر الامراء ہو جائے۔ اگر خوب صورۃ عورۃ چاہیے تو قریش کی عورتیں حسن میں شہرۂ آفاق ہیں جس کو پسند کرے اُس کو اُس سے بیاہ دیں۔ اور اگر اُس کا دل اُلٹ گیا ہے تو طبیب سے سیانے سے اِس کا علاج کرائیں۔ اور اگر کسی صورۃ سے راضی نہ ہو تو آپ اپنے دین آبائی کی خاطر ہم سب کی خاطر اس پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیں پھر ہم اِس سے سمجھ لیں گے یا یہ ہی نہ ہو گا یا ہم ہی نہ ہوں گے۔ ابو طالب نے پیغمبر صاحب کو سب کے روبرو بُلا کر کہا کہ بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے بھلے بھلے آدمی تم سے ایک معقول درخواست کرتے ہیں۔ تم سوچ سمجھ کر اِن کو جواب دو پیغمبر صاحب نے چچا کے اِس کہنے سے ایسا خیال کیا کہ شاید چچا مجھکو جواب دیتے ہیں۔ یہ سمجھ کر اُن کو اپنی بے کسی پر رونا آیا مگر کہا تو یہ کہا کہ یہ لوگ مجھکو کیا لالچ دکھاتے ہیں۔ اگر چاند سورج کو بھی میری گود میں لا بٹھائیں۔ میں اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں۔ یہ حکایۃ ہم نے اِس غرض سے بیان کی کہ اگر پیغمبر صاحب کو بی بی کی خواہش ہوتی تو اس سے بہتر اور کون موقع ہو سکتا تھا۔ مگر اُن کو اس سے بحث ہی نہ تھی۔ اُن کا پہلا نکاح امّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ سے ہوا۔ اُن کی خواستگاری سے نہیں بلکہ خدیجۃ الکبریٰ نے خود پیام دیا۔ نکاح کے وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ اور